بنام شاہ جیلانی طراز م　　　بشرح معنوی اسرار سازم

صحیفہ غوثیہ

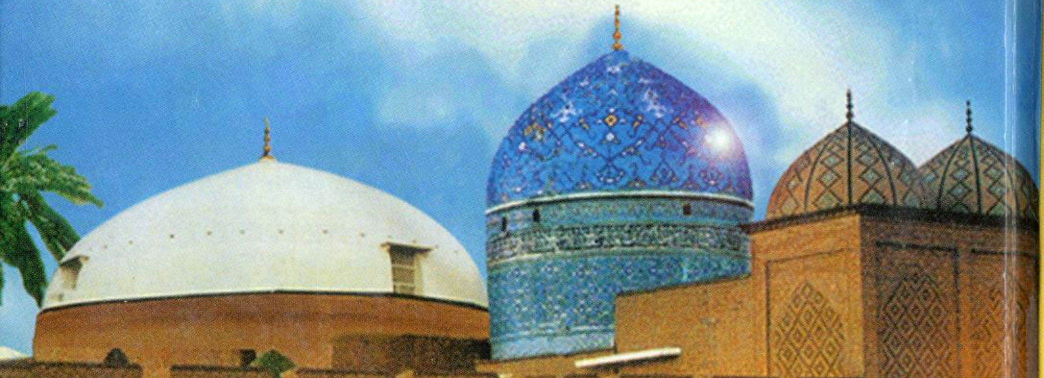
شرح نظم و نثر اردو

قصیدہ غوثیہ

شارح

شمسِ شریعت محمدیہ ماہِ طریقت سہروردیہ امام السالکین وارث ختم المرسلین
عالم فروغ و اصول فاضل و معقول و منقول واقف اسرار خفی و جلی

مولینا الحاج ابوالفیض قلندر علی سہروردی راجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ



نوریہ رضویہ پبلی کیشنز
۱۱- گنج بخش روڈ - لاہور

بنام شاہ جیلانی طرازم　　　بشرح معنوی اسرار سازم

صحیفہ غوثیہ

شرح نظم و نثر اردو

قصیدہ غوثیہ

شارح

شمس شریعت محمدیہ ماہ طریقت سہروردیہ امام السالکین وارث ختم المرسلین
عالم فروع و اُصول فاضل معقول و منقول واقف اسرار خفی و جلی

مولینا الحاج ابوالفیض قلندر علی سہروردی راجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز
گنج بخش روڈ لاہور

تزئین و اہتمام

سید شجاعت رسول قادری

نام کتاب —— صحیفہ غوثیہ شرح قصیدہ غوثیہ

شارح —— حضرت مولانا ابوالفیض قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات —— ۲۴۸

تاریخ اشاعت —— اگست 2002

تعداد —— 1100

کمپوزنگ —— words maker Lhr.

طابع —— اے - این - اے پرنٹرز لاہور

ناشر —— نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور

قیمت —— Rs 120

ملنے کا پتہ

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

11 گنج بخش روڈ لاہور فون: 7313885

مکتبہ نوریہ رضویہ

گلبرگ اے فیصل آباد فون: 626046

فہرست مضامین

تہدیہ

ایک بے قرار اشتیاق۔ ایک مضطرب نظارہ۔ ایک پامال محبت فقیر اس راز و نیاز کی آواز شرح قصیدہ غوثیہ کو دنیائے اسلام کے اَن گنت پاکباز و زندہ اجسام کے مقدس مرجع عقائد۔ بیشہ ٔفقر کے شاہسوار۔ ما کان و مایکون کے راز دار۔ نبی الانبیاء معصوم و مصطفیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (جن کی ذات بے مثل فی الصفات متقین کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ اور مذنبین کے لئے موجب نجات ومغفرت ہے) کے حضور میں کمال محبت وصداقت سے پیش کرتا ہے۔ اور اپنی بے خبری و بے بضاعتی کو شفیع لاکر محض یہ آرزو رکھتا ہے۔

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

قلندرؔ

التجائے فقیر

اے ناکاروں کو توفیق عمل اور ناداروں کو اسرار مخفی عطا فرمانے والے رحیم وکریم خدا۔ اپنے اس رحم وکرم کے محتاج بندے کو خمخانۂ معرفت محمدیہ سے بغداد کی صراحی اور سہرورد کے پیمانے میں ایک ایسا بقا کر دینے والا گھونٹ مرحمت فرما جس سے اس کے سیاہ خانۂ عمل کی گل شدہ بتی تیرے روغن رحمت سے روشن ہو کر سرکار غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محبوبانہ جذبات کی شرح کرنے میں مشعل راہ کا کام دے سکے۔ اور یہ عاجز و بے خبر انکشاف رموز باطنی و انشراح اسرار سرمدی میں فریب نفس نہ کھائے۔ کیونکہ اس تذکرۂ حسن ازلی کی تکمیل اور عارفانہ بلندیوں کی تسہلیل بغیر تیری خاص الخاص کرم نوازی کے محال بلکہ ناممکن ہے۔ فقط

قلندرؔ

حمد

حمد بے حد مرخدارامی سزد ہر یکے راازشرابش جاں دہد
سینہ ہا ازفیض اوشد بحر جوش ہر دلے راازبہارش نورونوش
عالمان را ازعلومش صد رموز عارفاں را ازسرائر صد کنوز
عاشقاں از عشق او مخمور اند
والہاں کیسہ تہی معمور اند

حمد بے حدو بے عد ہر زمانہ میں ہر حامد سے اسی غیر محدود مجموعی طاقت اور بے حدو نامتناہی قدرت کے لئے ہے۔ جس نے ناچیز قطرہ ٔ آب کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اور آسمان کو بے ستون و زمین کو بے میخ قیام کرایا۔ خون کو پستانِ مادر میں شیر شیریں بنایا اور طیر ابابیل سے اصحاب فیل کو مروایا۔ کشتی ٔ نوح علیہ السلام کو طوفان سے نجات اور موسیٰ علیہ السلام کو بحیرہ قلزم سے مراعات بخشی۔ پشہ سے لشکر نمرود کو مردار اور بھڑکتی ہوئی آگ کو خلیل علیہ السلام پر گلزار کیا۔ یونس علیہ السلام کو بطن حوت میں سمندر کی سیر کرائی اور ذوالقرنین علیہ السلام کو مشرق و مغرب کی زمین دکھائی۔ دواؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کو موم اور تخت سلیمان علیہ السلام کو ہوا پر معلق کیا۔ کلیم علیہ السلام کو جبل طور پر بلایا اور مسیح علیہ السلام کو چرخ چہارم پر اٹھایا۔ اپنے لاڈلے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنی معرفت کے تمام راز کو طشت ازبام اور اُن (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی امت پر سلام و انعام کیا۔ میخانہ ٔ توحید سے وہ خم لنڈہائے کہ تمام طالب مستی میں آئے۔ جس کسی نے اس کے عشق کا ایک گھونٹ پیا وہ دونوں جہاں میں صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہو کر جیا جو کوئی اس کے جذب کے شعلہ سے تلملایا۔ اس نے ذوالنورین اور اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہما اللہ کا رتبہ پایا۔ جس کی نظر اس غفور و شکور کے نور پر پڑی۔ اس کی ہمت بلند عرض اعظم پر گڑی۔ بڑے بڑے

باہوش دیوانے اور ست رو مدہوش مستانے ہو گئے۔ لاکھوں طالبوں کو اس کی طلب نے مجذوب اور کروڑوں عاصیوں کو اس کی جلب نے محبوب بنا دیا۔ اسی کے پر کیف نغموں نے داناؤں کو نادان اور بے لحن صداؤں نے نادانوں کو شاہ جہان کیا۔ گدڑی پوشوں کو وہ مقاربت اور بادہ نوشوں کو وہ مصاحبت عطا فرمائی۔ کہ سلاطین زمانہ نے بھی ان کی چوکھٹ پر گردن جھکائی۔ کبھی ان کی آواز کو اپنی اور کبھی اپنی کو ان کی تعبیر فرمایا۔ اور اہل جہان کو یوں اپنے قرب کا رستہ سمجھایا۔ کہ مجھ سے میری ہی طلب کرو۔ اور خدا سے خدا ہی مانگو۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلاَّ بِاللّٰہِ.

نعت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

بنی آدم کے سردار۔ علوم الٰہی کے راز دار۔ سید ابرار۔ رحمت کردگار۔ ذرّہ و آفتاب کے تاجدار شہنشاہ معظّم۔ باعث تخلیق آدم۔ رسول مکرم۔ ہادیٔ اعظم۔ سرکار کائنات۔ مفخر موجودات۔ مختار شش جہات۔ خاتم النبیین۔ افضل المرسلین۔ محبوب رب العالمین۔ ممتاز دوجہاں۔ سیاح لامکان ممدوح ہر زمان۔ ہمارے ہی وہ رحیم وکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکریم نبی ہیں۔ جن کے باعث باغبان ازلی نے تمام گلشن عالم کو وجود ہستی میں لاکر مزین فرمایا۔ پھر جمیع انبیاء علیہم السلام کے کمالات ومعجزات کو آپ کی ذات سرمدی میں مجتمع فرما کر (جو آپ ہی کی ذات سے پیدا ہوئے تھے) ایک گلدستہ بنایا اور اس کی محبوبیت کی بے پناہ خوشبو سے معمورۂ دنیا کو معطر فرمایا۔ جس کسی کو دماغ ارادت ملا۔ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرنی ہوا۔ اور جس کے مشام جان کو اس رائحہ روح پرور سے بہرہ نہ ہوا ابوجہل رہا۔ نور نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ضیاباری میں فرق نہ تھا۔ صرف نگاہ کے قصور سے کافر نے کفر کیا۔ اور چشم بینا رکھنے والا مومن پکار اٹھا۔

یا ربُ تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

اَللّٰھُمَّ بَحَقِّ جَمَالِ مُحَمَّدٍ اَرِنِیْ وَجْہَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَالًا وَّمَالاً۔

الفقر فخری

(اسی نظریہ کے عین مطابق حضرت میکش کی نظم ملاحظہ ہو)

تجھے اپنے مال پہ عجب ہے، مجھے اپنے حال پہ ناز ہے
تیرا حصہ مستی و بے خودی مرا بخرہ سوز و گداز ہے
تو دکھے ہوؤں کو دکھائے جا، تو جلے ہوؤں کو جلائے جا
تو نشانِ خیر مٹائے جا ترے شر کی رسی دراز ہے
غم دہر تجھ کو نہ کھائے کیوں خوشی اپنا جلوہ دکھائے کیوں
تو وفا کا لطف اٹھائے کیوں، ترا دل تو بندۂ آز ہے
تجھے فکر ہے کم و بیش کی، تجھے سوچ ہے پس و پیش کی
مری زندگی کے محیط میں، نہ نشیب ہے نہ فراز ہے
طرب آفریں مرا ساتگیں، تری لے ہے مایہ بغض وکیں
میں جہان درد کا راز ہوں، تو دیار حرص کا ساز ہے
مجھے تیرے مال سے کیا غرض، تجھے میرے حال کی کیا خبر
کہ میں غزنوی بت زر کا ہوں، شہ سیم کا تو ایاز ہے
تو رہین شوکت قیصری، میں امین شانِ قلندری
ترا قبلہ ہے بت آذری، سرعرش میری نماز ہے
کروں مال وزر کی میں کیوں ہوس مجھے اپنے فقر پہ فخر بس
یہی حرزِ جانِ فقیر ہے، یہی قول شاہ حجاز ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

سبب تالیف کتاب

دارالسطنت پنجاب لاہور سے شائع شدہ ایک ماہوار رسالہ اتفاقاً فقیر کی نظر سے گزرا جس میں مدیر رسالہ نے ایک مضمون بعنوان تسخیر کائنات اور خودی پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسئلہ خودی کی جس حقیقت اعلیٰ کو علامہ اقبال مرحوم نے پایا ہے۔ اس کے سمجھنے سے جمیع آئمہ دین اور صوفیائے کرام قاصر رہے ہیں اور انہوں نے خودی کے وجود کو اسلامی تعلیمات کے قطعاً منافی قرار دیا ہے۔

فقیر کہتا ہے کہ مصنف اسرار و رموز کے نزدیک خودی کا مطلب خواہ کچھ ہی ہو۔ لیکن مدیر مذکور نے اپنی خودی کی لے میں بیخود و سرشار ہو کر بے لگام سمندِ قلم کا وہ زور دکھایا ہے۔ کہ آداب بارگاہ خداوندی اور لحاظ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بالائے طاق رکھتے ہوئے مجسم خودی بن گیا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود مبارک میں خودی نے اپنے اس منتہائے مقصود کو پا لیا تھا جس کے لئے وہ اس سے قبل ہزاروں پیغمبروں کے وجود میں یکے بعد دیگرے گشت لگاتی رہی۔ مگر مدعانہ پا سکی۔ بالآخر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود مبارک میں خودی کو اپنا شعور اس حد تک حاصل ہوا کہ خدا کو بھی انہیں خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنا پڑا۔

پھر یہ چودھویں صدی کا نام نہاد محقق تمام علمائے کرام اور صوفیائے عظام کو افلاطون کے متبعین سے نامزد کرتا ہوا لکھتا ہے کہ وہ خدا کا صحیح تصور جاننے اور سمجھنے میں قاصر رہے ہیں۔ اور ہمہ اوست و ہمہ ازوست کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔ نیز یہ بھی موشگافی کرتا ہے کہ اقبال مرحوم کے نزدیک ذات کلی کا کوئی وجود نہیں۔ اور نہ ہی اس

ترکیب کا اطلاق خدا پر ہو سکتا ہے۔ اس کا یہ بھی ایمان ہے کہ کائنات افراد کے مجموعہ کا نام ہے جن میں سے خدا بھی ایک فرد ہے۔ لیکن دوسرے افراد اور خدا میں صرف فرق اتنا ہے کہ خدا ایک فرد کامل ہے اور دوسرے افراد بھی تکمیل کی منزلوں سے گزر رہے ہیں۔ معاذ اللہ مدیر مذکور کے نزدیک خودی کا نظریہ وہی ڈارون کا بندر ہے۔ جو اپنی ارتقائی منازل طے کر کے انسان تو درکنار نبی اور خدا بھی بن سکتا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ. حضرت اکبر الہ آبادی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

کہا منصورؔ نے خدا ہوں میں ڈارونؔ بولا بوزنا ہوں میں
سن کے کہنے لگے مرے اک دوست فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

معلوم نہیں مدیر مذکور نے یہ من گھڑت نظریہ اپنے فہم نارسا اور ادراک فاسدہ کے ماتحت کہاں سے اخذ کیا اور کیونکر تراشا ہے۔ جس پر نہ قرآن وحدیث شاہد اور نہ ہی علامہ مرحوم کے کلام کا کوئی جزو اس پر گواہ۔ ہاں یہ ایک دوسری چیز ہے۔ کہ اپنی لاعلمی و نافہمی کے ماتحت قرآن کریم کی کسی آیت یا حدیث پاک کے کسی ارشاد یا علامہ مرحوم کے کسی قول کا وہ ترجمہ کر لیا جائے۔ جو اپنی نفسانیت کے عین مطابق ہو۔ اور پھر اس پر یہ قیاس کر لیا جائے کہ جو کچھ میں نے لکھا یا سمجھا ہے۔ مشیت ایزدی یہی ہے۔

علامہ اقبال مرحوم کی بیان کردہ خودی کے مطالب و معانی ایسے ایسے عجیب وغریب سننے میں آتے ہیں۔ جن سے ان کے بیان کرنے والوں کی لاعلمی اور کور ذوقی کا پتہ چلتا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ وہ یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ہم اس مسئلہ کے سمجھنے میں کس قدر عاری ہیں۔ اور ہمارے اس گمراہ کن اجتہاد کا اثر اہل ظاہر نونہالان قوم پر کیا ہو گا۔ ایسے ناعاقبت اندیش مفسروں کی بے بنیاد مباحث سننے سے ایک سلیم الطبع انسان کی روح بے ساختہ پھڑک اٹھتی ہے اور بارگاہ رب العزت میں بصد الحاح گڑگڑاتی ہے۔ کہ اللھم اھدھم فانھم لایعلمون۔

فقیر بلاخوف لومۃ لائم یہ گزارش کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ لوگ حضرات متقدمین اور علامہ مرحوم کے اس نظریہ کو سمجھ نہیں سکے۔ اور یا سمجھ سکے ہیں تو صداقت و حقیقت پر ایمان

لانے سے عاری ہیں اور فریب نفس نے ان کو ڈگمگا دیا ہے ورنہ صرف لفظ خودی کے معنے ہی سمجھنے کی کوشش کرتے تو متقدمین رحمہم اللہ پر نہ زبان طعن کھولتے اور نہ حضرت علامہ اور متقدمین بزرگان امت میں کوئی اختلاف معلوم کرتے۔ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس اختلاف کو چند جملوں میں خودی کی حقیقت سمجھا کر دور کر دیا جائے۔ جوان مریض القلب مسلمانوں کو شبہ میں ڈال رہا ہے۔

لفظ خودی

متقدمین و متاخرین اہل علم حضرات کے نزدیک اپنے محل استعمال کے لحاظ اور سیاق و سباق عبارت کی رو سے دو معنوں میں مستعمل ہوتا رہا ہے۔

ایک

خودداری یا خودی بخدائی۔ میں

دوسرے

تکبر-غرور- پندار حکومت اور خودی بخدا میں۔

پہلے معنوں میں ہمیشہ اہل اللہ مستقیم رہے اور انہی معنوں میں علامہ اقبال مرحوم بھی خودی کو بیان فرما گئے ہیں۔ دوسرے معنے سب کے نزدیک بلاشبہ قابل نفرین و پرہیز ہیں۔ یا یوں سمجھئے۔ کہ پہلے معنے انسانی زندگی میں انسانی خودداری اور وقار کے محافظ ہیں اور دوسرے انسانیت و شرافت انسانیہ کے منافی پہلے معنوں کو جمیع اہل علم نے صرف پسند ہی نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کی حقیقت میں عامل ہونے کی عملی دعوتیں بھی دی ہیں۔ اور انسانیت کی حقیقت کبریٰ و مقصد عظمیٰ اسی خودی کو قرار دیا ہے۔ دوسرے معنوں کی خودی چونکہ اخلاق انسانیہ کی فہرست میں ایک خصلت رذیلہ ہے۔ اور اس کو رکھتے ہوئے ایک انسان معبود حقیقی تک سے انکار کر جاتا ہے۔ اس لئے اس پر صرف ترک کی ہدایت ہی نہیں فرمائی۔ بلکہ اس کے رکھنے والے پر لعنت بھی بھیجی ہے۔ تا کہ اہل دنیا اس انتہائی تنفر کے ماتحت کبر و غرور اور خودی بخدا سے بچتے رہیں۔ جس کی ادنیٰ سی مثال فرعونیت و نمرودیت ہے۔

اس مختصر مضمون میں مزید وضاحت کی گنجائش نہیں۔ ورنہ ایک مبوسط بحث سپرد قلم کر دی جاتی۔ اگر مدیر رسالہ خودی کے معنوں کو اب بھی نہ سمجھے۔ تو پھر اس سے خدا سمجھے۔ کیونکہ انہیں معنوں میں ہر موقع و محل پر حضرات متقدمین اور حضرت اقبال متحد ہیں۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ مولا کریم ایسے لوگوں کو حضرت اقبال کے نظریہ کو مجروح کرنے کی دوبارہ توفیق عطا نہ فرمائے۔

مدیر مذکور نے جن صوفیائے کرام۔ علمائے عظام اور بزرگان انام رحمہم اللہ پر خودی کے نہ سمجھے کا طعن کیا ہے۔ اور علامہ اقبال مرحوم سے مقابلہ کراتے ہوئے تجاوز عن الحد کر گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات سے زیادہ خودی کو صحیح معنوں میں جاننے والا۔ خودی کی کیفیت اصلیہ سے واقف اور خودی کا عامل دوسرا کوئی ہوا ہی نہیں۔ اور نہ ہی شاید آئندہ اس منحوس ماحول میں ہو سکے گا۔ الا ماشاء اللہ۔ اور سچ پوچھئے تو حضرت اقبال بھی انہی با خدا ہستیوں کے خوشہ چین ہیں۔ اور اگر امت سابقہ میں اس مسئلہ سے کوئی بھی آشنا نہ تھا تو علامہ مرحوم پر خودی کے مسئلہ میں کوئی الگ وحی نہیں ہوئی۔ آپ کی تصانیف میں کسی ''مرد قلندر'' کا جو تذکرہ بار بار آتا ہے اور جس ''آتش تبریز'' میں انہوں نے جلنے کی دعوت دی ہے کاش کہ مدیر اس اشارہ کو سمجھتا اور یوں توہین آمیز الفاظ استعمال نہ کرتا۔

درویش حق پرست سے زیادہ خودی کا اہل اور حامل کون ہو گا۔ جس کی دہلیز پر جبیں سائی سلاطین زمانہ کے لئے بھی موجب فخر رہی ہے۔ کیا یہ خودی کے نہ سمجھنے کا اثر ہے یا خودی کو بلند کرنے کا جس خودی کو درویش یا صوفی و عالم دین نے مٹانے۔ معیوب سمجھنے اور ترک کرنے کی تعلیم دی اور اس کے وجود کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا ہے۔ وہ خود بخدائی یا خودداری نہیں ہے۔ بلکہ وہ رعونت تکبر۔ غرور۔ خود پسندی اور خودی بخدا ہے جس نے انبیاء وصلحا کی بجائے دوسرے معنوں سے فرعون و نمرود میں ظہور کیا اور شداد و ابلیس میں رونما ہوئی۔ اور معبود حقیقی کی معرفت سے ان کو قطعاً دور پھینک دیا۔ اگر مدیر رسالہ کے نزدیک یہی خودی قابل عمل و تحسین تو پھر خداوند عالم ان کے حال پر رحم فرمائے۔ اور چشم بینا عطا فرمائے۔ تا کہ وہ ہر متکبر ہر مغرور۔ ہر رعونت پسند۔ ہر متجاوز عن الحد اور ہر خدا سے بھٹکے

ہوئے دنیادار کو خودی کا حامل نہ سمجھ لے۔ کیونکہ یہ ایک فاش ٹھوکر اور ایک بہت بڑی غلطی کا ارتکاب ہے۔

عجب دیوانگی چھائی ہے عقل اہل دنیا پر
جو دانائے جہاں ہو اس کو یہ دیوانہ کہتے ہیں

مدیر مذکورہ کا یہی مضمون اس کتاب کی تحریر و تحریک کا باعث ہوا اور فقیر نے اس کے جواب میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے کلام کو ہی خودی کے مفہوم میں عوام کے سامنے پیش کرنا مناسب سمجھا۔ تاکہ ایک درویش عالی مقام اور مرد حق اعتصام کے پاکیزہ کلام سے یہ ثابت ہو جائے کہ خودی کا مفہوم کس نے سمجھا اور تسخیر کائنات میں کن پاکباز ہستیوں کا قدم سب سے پیش پیش ہے اور علامہ مرحوم کے اس شعر۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

کا مصداق ایک مرد قلندر و قادر کی ہستی ہی ہو سکتی ہے نہ کہ شوکت قیصری کے شیدائی کی۔

کج بحثی

بعض کج فہم اور راہ طریقت سے ناواقف لوگ جا بجا اپنی علمی بے بضاعتی اور بے راہ روی کے ماتحت تصوف اور اہل تصوف پر بے معنی شدید نکتہ چینیاں کرتے رہتے ہیں۔ جو عام یاران طریقت سے پوشیدہ نہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ درویشوں کا گروہ قوم پر بار ہے۔ کوئی معترض ہے کہ یہ پیری کے مدعی لٹیرے اور مہذب ڈاکو ہیں۔ کسی کو شکایت ہے کہ یہ شوریدہ سر لوگ اپنی من گھڑت اور خودساختہ منازل کو خدا کی راہ اور صراط مستقیم سمجھ کر عوام کو فریب دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے یہ سب مکار اور واجب القتل ہیں۔ ان کا اتباع زنا اور شرک سے بدتر ہے۔ یہ جہلا کی خوش اعتقادی ہے جو یہ جماعت پل رہی ہے۔ ورنہ یہ زندہ رہنے کے قابل نہیں۔ ان کی عبادت۔ ریاضت۔ سجدے۔ مصلے۔ کوزے اور تسبیحیں مذہب کا ستیاناس کر رہے ہیں۔ کسی کا قیاس ہے کہ اس جماعت کا تمام قول و فعل رہبانیت ہے اور یہی جماعت اسلام کے ایک مقدس مسئلہ جہاد کے خلاف جانے والی ہے اور بعض نادان تو اس پاکیزہ گروہ کے خلاف یہاں تک بڑبڑاتے نظر آتے ہیں۔ کہ ان کا چودہ سو سال کا مذہب ہی غلط ہے۔ غرضیکہ جتنے خدا سے ناواقف منہ اتنی ہی بے معنی بحثیں ہیں جن کا مفصل جواب فقیر نے اپنی دوسری کتاب مسمیٰ بہ خَیرٌ" فَقِیر. (الفقرفخری) میں دے دیا ہے یہاں ان باتوں کا تذکرہ دوبارہ ضروری نہیں۔

بات اصل میں یہ ہے کہ یہ بیچارے بھی معذور ہیں ان کے بس کی بات نہیں۔ آپ مادرزاد اندھے کو دنیا بھر کے عقلا۔ اور فلاسفر جمع کر کے روشنی کی تعریف سمجھایئے۔ مگر اس

وقت تک سمجھنے سے قاصر رہے گا جب تک کوئی قابل معالج اس کی نابینا آنکھوں کا آپریشن نہ کردے یہ برساتی اندھے اور عقل کے کچے نہ تو کسی معالج کے پاس جائیں کہ ان کی آنکھوں کا آپریشن ہو جائے اور نہ ہی حسد کے ماتحت اعتراض کرنے سے باز آئیں۔ پھر اس پر یہ خیال کہ جو خدایا اس کے تجلیات و انوار ان گدڑی پوشوں اور گوشہ نشینوں کو نظر آتے ہیں ہم کو کیوں نظر نہیں آتے۔ بھلا ان سے پوچھا جائے کہ زمانہ میں کوئی چیز ایسی ہے۔ جو بغیر ذریعہ وسیلہ یا حس اور آلہ کے نظر آئے اور بے شمار اشیاء تو ایسی ہیں جو باوجود ظاہری آنکھیں رکھنے کے تم بغیر وسیلہ یا آلہ یا تجربہ کے نہیں دیکھ سکتے۔ مثلاً پانی اور ہوا کے جراثیم اور ذرات اور جڑی بوٹیوں میں دھاتوں کا پایا جانا۔ سبز درختوں میں آگ اور پانی۔ ہوا اور مٹی کا موجود ہونا تمہیں نظر نہیں آتا۔ تو انوار الہٰی کو کیونکر ملحدانہ جسارت اور رندانہ شوخی کے ماتحت دیکھ سکتے ہو۔ دنیا کے مادہ پرست ڈاکٹروں اور فلاسفروں پر تو ایمان ہے مگر یہ رسول نما اور خدا نما گروہ راہزن۔ راہب اور لٹیرا نظر آتا ہے۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ**

یورپ والوں سے آدھی مونچھ۔ آدھی داڑھی اور آدھی بھوں مونڈنے کا فیشن ان پر نازل ہو تو ان کے لئے بلا چون و چرا آمنا صدقنا کا مقام ہے۔ لیکن قرآن و حدیث کی فرمودہ منازل عرفان اور عالم لاہوت کی بلندیوں پر صوفیائے کرام اگر لب کشائی فرمائیں تو گردن زدنی ٹھہریں۔ ان کے نفوس امارہ مادہ پرستی میں الجھ کر ایسے مبہوت ہو گئے ہیں کہ گویا اس پر رشد و ہدایت سے دوری کی مہر ہو چکی ہے۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ دنیوی ذلتوں سے جب کبھی فراغت کا تھوڑا سا وقت پائیں۔ پیروں فقیروں اور اہل اللہ پر گرجنے برسنے کے سوا کوئی دوسرا شغل ہی نہیں رکھتے۔ کچھ دن ہوئے فقیر نے ایک رسالہ میں ایک نظم پڑھی تھی جس میں ایسے ہی کسی بے ڈھب حاسد نے کسی مفروضہ پیر پر انعامات الٰہیہ کا حسد کرتے ہوئے شکوہ کیا ہوا تھا۔ کہ پیر کے دولت کدہ پر قلیہ قورمہ کے طباق ہیں اور مرید کے گھر نان شبینہ بھی نہیں۔ پیر قالینوں پر آرام فرما ہے مگر مرید کو بوریا تک سے محرومی۔

کاش کہ وہ تنگ ظرف انسان اس مسئلہ پر نظر ڈالتا۔ کہ انعام یافتہ جماعت کا حق کیا ہے۔ اور نبوت و سلطنت کے بلند مدارج (جو روحانیت حقیقی و امارت دنیوی کے انتہائی مرکز

ہیں) کا حصہ اگر ان کو نہ ملے۔ جو آٹھویں پہر اس کی موافقت اور قدرت کاملہ کے دامن سے وابستہ ہیں۔ تو کس کو ملے جو جاپانی کھلونوں کی طرح یورپ کی چابی پر زندگی کا انحصار رکھتے ہیں او نفس کے فریب خوردہ اور مغربی تہذیب کے دلدادہ انسان کسی نیک بندے پر انعامات الٰہی دیکھ کر جلنے بھننے کی ضرورت نہیں۔ تم جس دنیا کے پیچھے دوڑتے ہو اگر وہ رحمت الٰہی کے ماتحت کسی خدا کے مقبول بندے کے قدم چومتی ہے۔ تو تعجب نہ کر... بچہ پیدا ہوتے ہی دوڑنے نہیں لگتا۔ جب غریب ارادتمند بھی فضل ایزدی کے ماتحت پیر کے مرتبہ پر فائز ہوگا تو اس کے لئے بھی وہی رحمتیں نزول فرمائیں گی۔ اور وہ بھی دنیا کی بھوک پیاس اور اہل دنیا کی ذات سے نجات پا کر تخت سلیمانی اور سطوت یوسفی وسیادت محمدی علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وارث اور حصہ دار نظر آئے گا۔ اس معمورۂ دنیا میں ہر شخص فوراً انتہائی منازل پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ ہی اس کو مساوات کا درجہ حاصل ہوسکتا ہے۔ اگر میرا قول باور نہ ہو۔ تو اپنے اور میری آقا معصوم و مصطفیٰ محبوب خدا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک مجلس پر انوار کا منظر دیکھ تجھے معلوم ہو جائے گا۔ کہ تیرے۔ ان لغو اور واہی تباہی اعتراضات کی کیا حقیقت ہے۔ اور یہ انعامات کیونکر تقسیم ہوتے ہیں اور کن کا حصہ ہیں۔ اس کے بعد اگر خدائے قدوس اس راہ میں گامزن ہونے کی توفیق رفیق فرمائے۔ تو قدم اٹھا اور اپنے آپ کو ان انعامات کا مستحق بنا۔ علامہ اقبال کہتے ہیں۔

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انہی خلوت گزینوں میں

اگر کچھ آشنا ہوتا مذاق جبہ سائی سے
تو سنگ آستان کعبہ جا ملتا جبینوں میں

کسی شاعر نیک دل نے کیا خوب کہا ہے۔شعر

اس کے انعام تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی جو تو بھی کسی قابل ہوتا

ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے اور صحیح عقیدہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات انسانی کا ہر دائرہ کامل ومکمل ہے۔ جہاں آپ نے علامہ اہل عالم کو شریعت اسلامیہ کی کامل تعلیم دے کر استاد جہاں ور بہترین خلائق بنا دیا۔ وہاں آپ نے خواص کو طریقت کی تعلیم بھی دی اور روحانیت وعرفان کے مشاہدات بھی کرائے۔اور **وفی انفسکم افلا تبصرون** ۔کی عملی تفاسیر سمجھ کر اولیاء الرحمٰن بتا دیا تا کہ یہ سلسلہ تا قیام قیامت قائم رہ کر اصلاح امت کا کام کرتا رہے۔اور نائب رسول کی حیثیت سے یہ علماء ربانی اور صوفیاء حقائی ہر ضرورت کے وقت میدان میں آئیں۔ اور وہی کر کے دکھائیں جو انبیائے بنی اسرائیل کرتے رہے ہیں۔لیکن یہ یاد رہے کہ رموز معرفت اور اسرار عرفان کی تعلیم خاص اہمیت و استعداد دیکھ کر خواص کو نہایت مخفی طریق پر دی جاتی تھی۔ اور اس کی مجالس بھی جداگانہ اور رازدارانہ ہوتی تھیں۔

ایک روز اسی قسم کی ایک مجلس خاص منعقد تھی جس میں شاہ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ سیدنا ابوبکر سیدنا عثمان بن عفان۔ حضرت ابو ہریرہ۔ خالد۔ عبداللہ بن مسعود۔ بلال۔ ہلال اور دیگر سخن شناس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تشریف فرما تھے۔ رسول کریم نبی رؤف و رحیم پیر طریقت اور مرشد حقیقت کی حیثیت سے سجادہ پر بیٹھے ہوئے حقائق معرفت واسرار عرفان اور رموز مخفی خاص محویت اور جوش کے ساتھ بیان فرما رہے تھے۔ محفل کی محفل مطلع انوار بنی ہوئی تھی۔ تجلیات پرتو افگن تھیں۔ عجیب رنگ اور عجیب کیف تھا کہ اتنے میں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش ہو گئے۔ اہل مجلس متعجب ہوئے کہ شاید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ حقائق و اسرار حضرت عمر رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کو بتانا نہیں چاہتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سمجھ گئے اور فرمایا۔ یہ بات نہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ چھپانا چاہتا ہوں مگر طفل شیر خوار کو گوشت اور حلوہ تکلیف دیتا ہے اور جب وہ بالغ ہو جاتا ہے تو سب کچھ کھا سکتا ہے۔

واضح رہے۔ کہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم روحانی ابتدائی تھی اور بعد کو مکمل ہوئی۔ غرضیکہ اسی مجلس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آگے تعلیم کرنا شروع کی اور فرمایا۔ **من عرف اللہ لا یقول اللہ و من یقول اللہ لا عرف اللہ**۔ جس نے اللہ کو پہچانا وہ اللہ نہیں کہتا اور جو اللہ کہتا ہے اس نے اللہ کو نہیں پہچانا۔

بچہ جب تک باپ کے رتبہ سے واقف نہیں ہوتا اس وقت تک نام پکارنے میں بھی باک نہیں کرتا۔ لیکن اس کے بعد باپ کا رتبہ اور ادب اس کو باز رکھتے ہیں کہ اس کا نام لے کر بات کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یہ کیا شناخت ہوئی کہ بندہ آقا کا نام نہ لے اور یاد نہ کرے۔ فرمایا۔ قال اللہ تعالیٰ **وھو معکم اینما کنتم**۔ اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شخص اپنے آقا کے ہمراہ ہو اور اسے دیکھ رہا ہو اس کا پکارنا اور یاد کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا ہمراہ کہاں ہے۔ فرمایا۔ **ان اللہ فی قلوب العباد**۔ یعنی اللہ بندوں کے دلوں میں موجود ہے۔ پوچھا بندہ کہاں ہے۔ فرمایا۔ وھو الانسان۔ لیکن اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی ذہن نشین کر لے۔ کہ دل کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قلب مجازی دوسرا قلب حقیقی۔ اور قلب حقیقی وہ دل ہے جو نہ بجانب چپ ہے نہ بجانب راست نہ تحت ہے نہ فوق نہ دور ہے نہ نزدیک۔

لیکن مرشد کامل کے ارشاد کے بغیر کوئی اسے سمجھ ہی نہیں سکتا۔ حقیقت میں قرب ربانی پر یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ **قلوب المومنین عرش اللہ تعالیٰ و قلب المومن حافرۃ من ذکر کثیر فھو حی**۔ یعنی مومنوں کا قلب خدائے برتر کا عرش ہے اور مومن کا قلب زیادہ ذکر و شغل میں مصروف رہنے سے زندہ ہو جاتا ہے۔ یہ مقام مقام ذکر خفی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا مومن اور مسلم میں کیا فرق ہے۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا۔ **لیس المومنون الذین یجتمعون فی المساجد و یقولون لا الہ الا اللہ علی الرسم** ۔ وہ لوگ مومن نہیں جو مسجدوں میں جمع ہو کر رسمی طور پر کلمہ شریف پڑھتے ہیں۔ اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسمی طور پر کلمہ پڑھنے والے حقیقت میں مومن سے بے خبر ہیں۔ نہیں جانتے کہ کلمہ کیا ہے اور اس کا مقصود کیا ہے اور معانی کیا ہیں۔ ان معنوں میں لا الہ کہنا یعنی ہے اور نہیں ہے اول نہیں ہے کہتے ہیں اور آخر میں (ہے) اس طرح وہم و شک میں پڑ جاتے ہیں جو عین کفر ہے۔ رسمی کلمہ تو گویائی زبان کے سوا اور بجز زبانی جمع خرچ کچھ نہیں جانتے کہ کس کی نفی کر رہے ہیں اور کس کا اثبات۔ جب تک یہ نہ سمجھیں۔ کلمہ کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا۔ یا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ۔ پھر کلمہ ہے کیا جناب رسول اللہ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں۔ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہور خدا ہیں۔ اس لئے چاہیئے کہ خطرۂ ماسوا اللہ کی نفی کرے اور ذات احدیت کو ہر چیز اور ہر جگہ میں ثابت قرار دے۔ **قال اللہ تعالیٰ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ**۔ یعنی ہر جگہ پر کہ منہ کرو وہاں خدا کا منہ پاؤ گے۔ اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بندہ اپنی صفات کی نفی اور ذات اللہ کا اثبات کرے تو وہ درجہ نہایت پر پہنچے گا اور **من عرف ربہ کل لسانہ**. کی منزل میں آ جائے گا۔ یعنی جو اپنے رب کو پہچان لیتا ہے۔ اس کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ اور یاد اللہ کی وادی سے آگے بڑھ جائے گا اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقین رکھ اور خوب سمجھ لے کہ جب تک سالک اپنی نفی نہ کرے اور یاد اللہ سے نہ گزرے اس وقت تک وہ وحدت کی منزل میں نہیں آتا۔ بلکہ دوئی میں پڑا رہتا ہے اور دوئی عین شرک و کفر ہے اور حقیقی کلمہ کا یہی مطلب ہے۔

معترض کو معلوم ہونا چاہیئے کہ دربار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بھی روحانی تعلیم علی قدر مراتب ایمانیہ اور بتدریج ہوتی تھی۔ گو نورِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ضیاباری میں کوئی اور کسی کے ساتھ مغائرت نہیں تاہم رحمت کی قبولیت کا انحصار بہت کچھ زمین کی

اہلیت پر ہوتا ہے۔ تمام جہان کے لوگ جانتے ہیں کہ بارش رحمت ہے مگر زمینوں کی طبیعتوں اور مزاجوں کے ماتحت اثر انداز ہوتی ہے۔ غیر ممکن ہے کہ پتھر پر۔ گندی نالی پر۔ کوڑے کرکٹ پر اور مزروعہ زمین پر (جس میں کسی کاریگر نے ہل چلا کر آبیاری کر کے کوئی بیج بھی بو دیا ہو) یکساں اثر کر سکے۔ اعتراض کرنا سہل ہے مگر زمین کو رحمت کا اہل بنانا مشکل۔ ابر نیساں کے گہر ساز قطرہ کو وہی سیپ پا سکتے ہیں جو اس کی قبولیت کیلئے اپنا منہ کھلا رکھیں۔ حسد کرنے سے رحمت اور آگ لگنے سے بادل نہیں برسا کرتے۔ ڈھونڈنے والا پا لیتا ہے۔ دنیا کی تلاش سے اپنا قدم ذرا باہر نکال اور اندر کے بتخانے کو نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خالی کر جس کی تلاش ہے وہ اسی کو کعبہ بنا کر آئے گا۔ اور ملے گا یہی وہ تعلیم رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جس کی ابتدا غار حرا کے گوشہ تنہائی سے ہوتی ہے اور تکمیل معراج کی بلندیوں میں۔ یہ عرفان ہی کے کمال کے ثمرات اور کرشمہ کاریاں تھیں کہ بادشاہی میں بھی فقیروں کی دنیا کو نوازا گیا۔ اور فقر کی لازوال دولت' پر فخر کیا گیا۔ فافہم۔

واضح رہے کہ خالق و مخلوق اور عبد و معبود کا وہ غیر منقطع اور مستحکم رشتہ ہے جس میں حوادث زمان و مکان کسی قسم کا تزلزل نہیں ڈال سکتے۔ مگر اس رشتہ کی تکمیل کے لئے جو سلیم الفطرت ہستیاں میدان میں نکلتی ہیں۔ انہیں انواع و اقسام کی صعوبتوں اور مشکلات کا سامنا ضرور ہوتا ہے۔ نامحرم راز آوازے کستے ہیں۔ اور محرم تسلی و تشفی دیتے ہیں۔ سالک کبھی مایوس ہو کر گریہ و زاری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کبھی منزل مقصود کے نشانات دیکھ کر خراماں خراماں چلتا ہے۔ اسی کشمکش میں وہ نہ کسی کی سنتا ہے اور نہ ہی کسی سے الجھتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی منزل مقصود کو پالیتا ہے اور اپنی خودی کا جلوہ آئینہ حق میں دیکھتا ہے اس کی ترقیاں منتہا کو پہنچ جانے کے قریب تر ہو جاتی ہیں اپنے آپ کو بھلا کر اس طرح فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ کہ اس کی وسعت نظر انوار و صفات الٰہیہ کا صحیح عکس لیتی ہے اور اس پر اپنی حقیقت واضح ہو کر ایسا عرفان وارد ہو جاتا ہے، کہ من لہ المولیٰ فلہ الکل کے اختیارات کے ماتحت تمام کائنات پر حکومت تفویض ہو جاتی ہے اور اس کا یہ حال ہوتا ہے۔ شعر

بزم ایجاد میں بے پردہ کوئی ساز نہیں
ہے یہ تیری ہی صدا غیر کی آواز نہیں

اور اہل نظر و حال اسی مقام عرفان کا نام شعور خودی فرماتے ہیں مگر اس کا کیا علاج کہ نااہل جب اس میدان میں رینگنے لگتے ہیں۔ تو اپنے آپ کو محروم دیکھ کر سعی کی بجائے اہل اللہ پر بدزبانی کرتے اور حسد کے ماتحت منہ چڑانے لگ جاتے ہیں۔

☆☆☆☆

قصیدہ شریف کیا ہے؟

خیال تھا کہ فقیر عالی جناب سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے کچھ سوانح حیات لکھے مگر یہ مدنظر رکھ کر یہ برگزیدہ ہستی جس کی سوانح عمریاں پچاسوں نہیں تو بیسیوں ضرور لکھی جا چکی ہیں اور جن سے دنیا کا ہر فرد قریباً واقف ہے۔ فقیر کی کسی نئی قصیدہ خوانی کی محتاج نہیں۔ اور نسبی حالات و علمی مقالات کا لکھنا کوئی ضروری بھی معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ مسلم تو مسلم ہے۔ غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ گیارہویں والے بزرگ کون' کیا اور کہاں کے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی سوچا کہ ایسے حالات کا دوہرانا اس مختصر کتاب کے حجم کو بھی بڑھا دے گا۔

بہتر ہے کہ اسی زندگی کے ایک دوسرے پہلو پر قلم اٹھایا جائے جو روحانیت کے لحاظ سے آپ کی مقدس زندگی کا جزو اعظم ہے اور جس پر کچھ نہ لکھنا اس کتاب کے لئے ایک نمایاں خامی کے مترادف ہوگا۔ لیکن یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس روحانی زندگی کو لفظوں میں بیان کرنا جس کی شان پرواز کے ذکر سے بڑے بڑے عالی پایہ بزرگان دین نے اپنے آپ کو معذور ظاہر فرمایا ہے۔ فقیر کے لئے ایک محال ترین کام اور دشوار گزار منزل ہے۔ چونکہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بلندیٔ شانِ و علو مرتبت کی کچھ حقیقت رموز و اسرار کی صورت میں خود قصیدہ شریف سے ہی مترشح ہوتی ہے۔ لہٰذا فقیر سعی کرے گا کہ قصیدہ شریف کے الفاظ میں مضمر حقائق کو ان اوراق میں ہی اپنی بساط علمی کے مطابق حدود شرع شریف کے اندر اندر قارئین کرام کے سامنے پیش کرے۔ مگر ساتھ ہی یہ التجا بھی کرتا ہے۔

کہ خطرات نفسانیہ اور وساوس شیطانیہ سے بچنے کے لئے خداوند عالم جل مجدہ کی توفیق و حضور پرنور رحمتہ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت اور حضرت سیدنا محبوب سبحانی کی روح پاک (رضی اللہ) دستگیری فرمائے۔ آمین۔

اے غلام قادری۔ یہ قصیدہ شریف (جس کی تاثیرات علمی اور عملی سے ایک جہاں آشنا ہے) تعلق الٰھی میں آپ کی اس علومرتبت اور منتہائے درجت کی ایک بے حجابانہ حقیقت ہے۔ جو میدان معرفت الٰہی میں رب العزت جل شانہ کی طرف سے بمرتبہ غوثیت آنخضور غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی۔ اہل عرفان ہی اس کمال بے زوال کی حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ یہ الفاظ (جو قصیدہ شریف میں استعمال کئے گئے ہیں۔ کس درجہ کے اور کیسے انسان کو کس مقام معرفت میں زیبا ہو سکتے ہیں۔

عوام کالانعام میں سے تو ایک فیصدی بھی شاید ایسا نہ ملے۔ جو ان قویٰ وتصرفات کو اپنی بے بسی کے ماتحت صحیح ہی خیال کر کے یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ انسانیت اعلیٰ اور عبدیت کبریٰ کے لئے یہ مراتب و مدارج ممکن ہو سکتے ہیں۔ اور درحقیقت یہ مبحث عوام کے لئے ہیں بھی نہیں۔ بلکہ جب سے بعض علماء وصلحاء نے خواص کی حقیقت کو عوام میں اور دیدنی امور کو شنید میں اور طریقت وحقیقت ومعرفت کے مسائل کو ظاہریت میں بیان کرنا شروع کیا ہے۔ تب سے بے شمار فتنوں کا دروازہ کھل گیا ہے۔ بزرگان دین کی باطنی کیفیتوں پر طعن کرنا تو درکنار بے ادب لوگ سرکار انبیاء محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر زبان بد کھولنے سے نہیں چوکتے۔ یہ اسرار کی گفتگو چونکہ صرف اہل نظر اور اہل حال ہی کا حصہ ہوتی ہے۔ اس لئے خود سرور کائنات مختار شش جہات احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ **کلموا الناس علی قدر عقولھم**۔ یعنی لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرو۔ کیونکہ ان کے سامنے جب بھی یہ تذکرہ آئے گا۔ ان کی عقلیں ان کو ناممکن جان کر چکر کھائیں گی۔ اور وہ اس کو سمجھنے کی بجائے معترض ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے نافہم لوگوں کے سامنے بندگان خدا یہ کہہ کر گزر گئے ہیں۔ شعر

زاہد ظاہر پرست از حال ماہ آگاہ نیست
درحق ماہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

پس اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ درویش جب یادالٰہی میں مجاہدہ کرتا ہوا ذکر اسماء الحسنی کے ماتحت صفات الٰہیہ کے دور کو لازم کرتا ہے اور اس پر اسماء کی تاثیرات کے لحاظ سے جداگانہ حالتیں طاری ہوتی ہیں۔ تو وہ ہر صفت کی مجازی کیفیت کو اپنے آپ پر وارد پاتا ہوا اٹھانوے اسماء الٰہیہ صفاتیہ سے ان کی مختلفانہ تاثیروں کے ماتحت عبور کرتا ہے۔ اور مشاہدہ ذات و اسم ذات میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں اذا تم الفقر فھو اللہ کا قول صادق آتا ہے۔ اور ایمان بالغیب اس کے لئے کفر ہوتا ہے۔ اس حال انا و مقام فنا میں جو وہ کہتا اور سنتا ہے وہ بموجب حدیث شریف اس کا اپنا اور اختیاری نہیں ہوتا بلکہ وہ معبود حقیقی خود ہی اس کے ہاتھ منہ، آنکھ، ناک، کان وغیرہ قوتیں بن جاتا ہے۔ اور طالب میں اس منزل پر کن فیکونی طاقتیں ودیعت ہو جاتی ہیں۔ جہاں اس کا ہر قول و فعل اسی مالک کا قول و فعل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ لا یزال العبد بتقرب الی بالنوفل حتی احببته فاذا اجبته کنت سمعه و بصره وبی یسمع و بیٰ بصروبی یبطش۔ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ شعر۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

فقیر کہتا ہے کہ قصیدہ غوثیہ شریف بھی اسی مقام قرب کی ایک خوددار و سکر یافتہ آواز ہے جس کو سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باطنی حال کی اجمالی تفسیر سمجھنا چاہئے جس میں عالم جذبات کی نیرنگیاں اور نشاۃ ملکیہ کی رنگ آفرینیاں ایک ایسی شانِ ادائی و دلربائی کا متحرک منظر و محسوس پیکر پیش کرتی ہیں جس کا اول نظارہ عقل و فکر کی نگاہ کو خیرہ اور فہم و ادراک انسانی کی نظر کو تیرہ کر دیتا ہے پھر اگر کوئی شخص حقیقت و معرفت کی عینک لگا کر اس کی تابش کمال و درخشندگی جمال کا نظارہ کرے تو اس کی آنکھ کرۂ انوار بن جاتی ہے۔ اور آفتاب حقیقت کے مقابل کر دیتی ہے۔ مشاہدۂ یکتائی کا پیکر عالم مثال کی بے مثالی کا مجسمہ پیش کرتا ہے۔ عالم سفلی و جہان مادی کا ذرّۂ خاک سیارگان اجرام علوی پر چشم نمائی کرتا نظر آتا ہے۔ اور عرش تجلیات فرش ظلمات کی طرف جھکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

گو معترضین کے نزدیک اس قصیدہ مبارکہ کے بعض مضامین نہایت ہی عسیر الفہم خلاف

شریعت اور قابل اعتراض سمجھے گئے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس بلند و بالا مقام کے شہ نشین ہیں اور جس کیف بیخودی سے سرشار ہو کر یہ اشعار فرما رہے ہیں اس جہان آب و گل کے بسنے والے معترضین کو اس کی ہوا تک نہیں لگی۔ جن کے فہم و ادراک کا راہوار اپنے وجود کی مسافت کو طے نہ کر سکے۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کی بلندی تک کیا خاک پہنچے گا۔ حضور کے کلام کو سمجھنے کے لئے چشم حق بین۔ دماغ غیر مخدوش۔ اور بصیرت پاک کی ضرورت ہے جن کے اپنے فہم و ادراک پر ہزارہا حجاب پڑے ہوئے ہیں وہ جب تک ان کو دور نہ کر لیں۔ آفتاب حقیقت و انوار معرفت کے جلوہ گر ہونے اور ایک واصل باللہ کے کلام عرش اعتصام کو سمجھنے کی کیونکر توقع کر سکتے ہیں۔ کاش کہ یہ سطحی نظر رکھنے والے حضرات منصور و فرعون کی صدائے انا الحق میں فرق کر سکتے اور علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کو سمجھنے کی سعی کرتے۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر

اس بحث میں اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مفصل تشریح اشعار کے ضمن میں کر دی جائے گی۔ انشاء اللہ

تاثیر اور اوراد و وظائف

اس جہان آب وگل میں بہت سی وہ مخلوق بھی ہے جو آج نقوش و اعمال کی بے اثری کی شکوہ گزار ہے۔ اور جب کسی سے تذکرہ کرو۔ تو وہ یہی کہے گا۔ کہ یہ چیزیں اثرات سے خالی ہو چکی ہیں۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو صحیح بھی ہے۔ اور غلط بھی۔ صحیح تو اس لئے کہ فی زمانہ نقوش و اعمال میں واقعی اثر بہت کم پایا جاتا ہے۔ اور غلط اس لئے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ بزرگوں کی زبان فیض ترجمان اور ان کے پاکیزہ قلوب سے نکلی ہوئی چیز اثر نہ کرے جب ان کے اندر روحانی انوار جذب ہو کر ربانی طاقتیں پیدا کر دیتے ہیں۔ تو پھر اثر کا نہ ہونا ایک نا قابل فہم حقیقت ہے۔

کیونکہ قرآن کریم اپنے اثرات کو خود ہی بیان فرما رہا ہے کہ میری آیات شفا ہیں سب کچھ غلط ہو سکتا ہے مگر اللہ کا کلام ہرگز غلط نہیں ہو سکتا۔ وہ صحیح ہے ہر اعتبار سے اور ہر رنگ میں صحیح ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ قرآن شریف کی آیات ہوں یا درود شریف بزرگوں کے منہ سے ارشاد فرمائی ہوئی کوئی دعا ہو یا نقش۔ سب اپنی اپنی جگہ موثر اور تیر بہدف ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ پڑھنے والا ان کے پڑھنے کے تمام اوصاف اپنے اندر سے کھو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ موثر ترین چیزیں بھی اپنی بے پناہ اثر خیزیوں کے باوجود بے اثر رہ جاتی ہیں۔ مثلاً ایک مریض کو اکسیر سے اکسیر دوائی دیجئے۔ مگر مریض ساتھ ساتھ ہی بے احتیاطی بھی کرتا جائے تو یہ اکسیر یقیناً بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔ اور طبیب اس کا اثر بیان کرنے میں سچا اور مریض اس کی بے اثری کے شکوے کرنے میں حق بجانب ہوگا۔

نماز بحکم الٰہی خواہشات و منکرات سے باز رکھنے والی ہے اور تنہی عن الفحشاء والمنکر کا فتویٰ بھی موجود ہے۔ مگر باوجود اس کے بعض نماز پڑھنے والے بھی خواہشات

ومنکرات میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ نعوذ باللہ نماز کی تاثیر میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ بلکہ پڑھنے والے نے نماز کو اس کی شرائط کے ساتھ ادا نہیں کیا۔ اس لئے ظاہری پاکیزگی کا تو برائے نام اہتمام کرلیا ہے مگر باطنی پاکیزگی کو سر مو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ تو بتایئے اس کو کیونکر حضور قلب میسر آئے اور کس طرح ذوق عبادت نصیب ہو پس جو چیز اس نماز کی بے اثری کی ذمہ دار ہے وہی اوراد و وظائف کے موثر نہ ہونے کی کفیل ہوگی۔

علت یہ ہوتی ہے کہ اس کا طریق عمل غلط ہوتا ہے۔ اور اس کے پڑھنے کے آداب و شرائط کی تکمیل نہیں ہوتی۔ ورنہ کوئی معنے نہیں۔ کہ اس کا اثر نہ ہو۔ چونکہ بعض عملیات کے شائقین اپنی ہی اجتہادی کمزوری اور بے قاعدگی کے ماتحت بلا اجازت و بے فائدہ عمل شروع کر دیتے ہیں۔ اور صحبت اہل اللہ میں آ کر ان شرائط و آداب کا مطلب سمجھنے اور امور روحانی پر واقف ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لئے اثر کلام اور اس کے نتیجہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ اہل اللہ کی صحبت میں خلوص و عقیدت سے حاضر ہونا بفضلہ تعالیٰ یقیناً اس شک وشبہ کی تاریکی اور محرومی سے نجات دلا سکتا ہے اور جہاں تک ممکن ہو۔ بغیر کسی اللہ کے نیک بندے کی اجازت اور باقاعدہ طریق کار حاصل کر لینے کے کوئی عمل نہ پڑھا جائے۔ کیونکہ یہ موجب نقصان ہوتا ہے۔ سینکڑوں نہیں تو بیسیوں آدمی ایسے دیکھے گئے ہیں۔ جو اپنی اس بے راہ روی اور جہالت کا شکار ہو کر یا تو دیوانے ہو گئے ہیں۔ یا ہمیشہ کے لئے خانماں برباد ہو کر تباہ ہو چکے ہیں۔ جن کو دیکھنے والا فوراً بھانپ لیتا ہے کہ ان پر کسی خود اختیاری عمل یا وظیفہ کی رجعت پڑ چکی ہے۔ اللہ کریم ایسی جسارت سے محفوظ رکھے۔

یہاں پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مستجاب الدعوات بزرگوں سے شریعت و طریقت کے موافق قبولیت اوراد و وظائف کے لئے جتنے آداب و شرائط مسموع و منقول ہیں۔ لکھ دیئے جائیں۔ تا کہ پڑھنے والے انہیں جان کر عمل کر سکیں۔ اور تاثیر عمل کے علاوہ اصلاح نفس کا بھی نفع حاصل کر لیں۔

(1) نیت اچھی اور درست۔ خواہش سچی اور پاک۔ ہمت قوی اور ارادہ بلند ہو۔

(2) لفظوں کو ٹھیک اعراب صحیح تلفظ سے پڑھتے ہوئے معنوں پر دھیان رکھنا۔

(3) مناسب وقت مقرر کر کے بلا ناغہ پڑھنا۔

(4) بدن۔ کپڑے۔ جگہ سب پاک وصاف اور تخلیہ و تنہائی ہو۔

(5) خلاف دین امور کے پڑھنے سے پرہیز لازم و واجب ہے۔

(6) کسی کی برائی کی بجائے اپنی اور دوسروں کی بھلائی کے لئے پڑھنا چاہئے۔

(7) حلال کھانا۔ سچ بولنا۔ جھوٹ سے بچنا اور پرہیز گاری کو قائم رکھنے والے کام کرنا۔

(8) طمع وریاء سے نہیں بلکہ عبادت سمجھ کر خلوص دل سے عمل کرنا۔

(9) مقصد اور مراد پوری ہونے میں تاخیر سے نہ گھبرانا اور وظیفہ میں لگے رہنا۔

(10) دنیا کے نفع سے آخرت کے ثواب کی زیادہ امید رکھنا۔

(11) باوضو پڑھنا اور بصورت عذر تیمّم سے پڑھنا۔

(12) اگر وظیفہ آیات قرآنی پر مشتمل ہو تو اعوذ اور بسم اللہ سے شروع کرنا۔

(13) قرآن و حدیث کے علاوہ وظیفہ ہو تو اس کے الفاظ خلاف دین اور بے معنی نہ ہوں۔

(14) کسی شیخ مجاز اور بزرگ کی اجازت سے پڑھنا یا اجازت پڑھنے سے اچھا ہے کیونکہ وہ اشارات وتصورات کے موقعہ ومحل سے واقف بلکہ تجربہ کار و مشاہدہ رکھنے والا ہوتا ہے۔

(15) پڑھنے والا دعا اور وظیفہ کو پڑھتے وقت اپنے مقصد کو خیال میں رکھے۔

(16) پڑھنے سے قبل اور پڑھ چکنے کے بعد سو سو بار یا دس دس بار یا کم از کم تین تین بار درود شریف پڑھ لینا قبولیت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دعا آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے۔ اور ذرا بھی بلند ہو کر درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی جب تک حضور نبی علیہ السلام پر درود نہ پڑھا جائے۔ یہ تو تھی وہ حقیقت جس میں تاثیر کلام کے منکرین کا تذکرہ تھا۔ اب دوسری جماعت کے نظریہ کو معلوم کیجئے۔ جس کے نزدیک کسی کلام یا شے کی تاثیر کا قائل ہونا ہی گویا ایک بڑے گناہ کا ارتکاب کرنا ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ کسی کلام کی تاثیر کے ماتحت قانون

قدرت کے بدل جانے کے ہم معترف نہیں۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ قانون ایک برگزیدہ ہستی کی رضا و اختیار کا نام ہے جو کائنات میں ہر لحظہ عند الضرورت متغیر و متبدل ہوتا رہتا ہے۔ معترض ہی اپنے کلام کی تاثیر پر غور کرے تو اس کو تاب اعتراض نہ رہے ایک مرتبہ نوکر کو حکم دیا جائے کہ میرا عمامہ لاؤ۔ وہ عمامہ لانے کے لئے دوڑا تو کہا نہیں ٹوپی لانا۔ دوسرا کلام نوکر پر غالب آیا۔ جس نے عمامہ کو ٹوپی سے بدل دیا۔ یہ چونکہ روزمرہ کے اقوال کی تبدیلی ہے۔ اس لئے اس کی تاثیر سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ قانون اور کسے کہتے ہیں اور اس کی تبدیلی کیا معنے رکھتی ہے۔ یہ گھریلو قانون ہے۔ دوسرا عدالتی قانون یا سرکاری قانون جس کو معترض جیسے انسان ہمیشہ موم کی ناک کہہ کر پکارا کرتے ہیں۔ ہمیشہ کسی طاقتور مقنن کے سامنے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح کائنات میں قانون قدرت جاری و ساری ہے۔ دریاؤں کا اجراء۔ افلاک کی گردش۔ ہواؤں کی تصریف۔ اجرام فلکی کی تسخیر۔ غرض یہ کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ قانون الٰہی کے ماتحت اپنی زندگی گزارنے کا پابند ہے۔ مگر ہدایت خلق کے لئے بر سبیل صداقت انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کرام کو جب کبھی ان کی کوائف اصلیہ کو بدلنے کی ضرورت پیش آئی۔ فوراً ان کی قانونی حیثیت کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ اور اسی کو مذہب کی اصطلاح میں معجزہ اور کرامت کہتے ہیں۔ معجزہ کی تعریف ہی خارق عادت فعل ہے۔ مثلاً عادت یوں جاری ہے کہ بھوک پیاس کھانے پینے سے دور ہوتی ہے درخت، پتھر، حیوان، گائے، اونٹ، گدھا وغیرہ انسان سے کلام نہیں کرتے۔ کوئی درخت یا پتھر کسی کے بلانے سے بحرکت ارادیہ نہیں آسکتا یا کوئی شخص دریا کے پانی پر زمین خشک کی طرح نہیں چل سکتا۔ یا ایک آدمی کا کھانا سینکڑوں آدمیوں کو شکم سیر نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی شخص ایک مٹھی خاک سے ہزاروں انسانوں کو اندھا یا ہلاک کر سکتا ہے۔ پس جو کوئی ایسا کر دکھائے اس کا یہ فعل خلاف عادت ہو گیا۔ جو اسباب عادیہ پر مبنی نہیں کہلا سکے گا۔ اور یہ جو کچھ ہو گا اس کے کلام کے اثر سے ہوگا۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ کلام کیسا ہو۔ اس کے لئے کیسی خاص زبان یا عبارت یا لفاظی کی ضرورت نہیں۔ اثر چونکہ قائل کی قوت کا ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے الفاظ کو کسی زبان میں ہی وہ ادا کرے۔ ضرور موثر ہوں گے۔ مثلاً حضرت خواجہ بہاؤالدین مشکل کشا نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے۔ کہ آپ نے عسر ولادت کے لئے ایک سفر میں ایک ضرورت مند کو یہ الفاظ بصورت تعویذ لکھ کر دیئے۔ شعر

مرا جا شد خرم رانیز جا شد　　زن دھقاں بزائد یا نزائد

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مجھے جگہ مل گئی اور میرے گدھے کو ٹھکانا مل گیا۔ کسان کی بیوی اولاد جنے یا نہ جنے۔ نہ یہ کوئی آیت ہے۔ نہ حدیث نہ عربی نہ فارسی۔ نہ وظیفہ نہ ورد۔ نہ منتر نہ جنتر۔ معلوم ہوا کہ ہر کلام میں تاثیر ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس کا قائل پوری پوری قوت گویائی رکھتا ہو۔ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری کا فرمودہ عمل اگر سانپوں کو۔ اور دیگر موذی جانوروں کو اپنی تاثیر کے لحاظ سے بھگا سکتا ہے۔ حضرت غوث اعظم کے اسم گرامی کی تاثیر جنات سے محفوظ کرا سکتی ہے۔ اور صدہا کلام مختلف مصائب میں مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ جن کی اشعار کی شرح کے ماتحت انشاء اللہ وضاحت کر دی جائے گی۔ تو یقیناً اس قصیدہ شریف کے اشعار میں بھی تاثیر ہو سکتی ہے۔ جس پر بیشمار بزرگان دین کا دستور العمل شاہد ہے۔ کیا معترض اپنے روزانہ مشاہدات میں نہیں دیکھتا کہ کسی شاعر یا صوفی یا مطرب کا کوئی کلام آواز یا بغیر آواز کے پڑھنا۔ سننے والوں کو وجد میں لے آتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ صاحب حال ہوں یا نہ ہوں۔

مسیح علیہ السلام کا قم باذنی کے ماتحت انی ابرئ الاکم ولابرص واحی الموتی کی گواہی میں مردے زندہ کر دینا کلام کی تاثیر نہیں تو کیا ہے۔ قرآنی اور ادو وظائف جو سرکار انبیاء علیہم السلام وعلیٰ نبینا نے بیان فرمائے ہیں۔ کہ اس طرح ان پر عمل کرو تو یہ ہو جائے گا۔ اور عمل کرنے پر ویسا ہو جانا کیا تاثیر کلام ہی کا نتیجہ نہیں۔ مثلاً حدیث شریف میں سورہ فاتحہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ وہ موت کے سوا تمام بیماریوں کا علاج ہے اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اس کے عمل کی گواہی یوں پیش فرماتے ہیں۔ کہ ہم مسافرانہ حیثیت میں

کہیں جا رہے تھے۔ ایک جگہ پڑاؤ کیا تو ہمارے قافلہ میں وہاں کے ایک سردار کی لڑکی آئی اور کہنے لگی کہ ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس کو دم کر دے۔ جس سے اس کے زہر کا اثر جاتا رہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم میں سے ہمارا دوست ابن سعید اس لڑکی کے ہمراہ ہولیا۔ اور مارگزیدہ سردار کے پاس پہنچ کر فاتحہ الکتاب پڑھی اور اس پر پھونکی۔ وہ اس کلام پاک کی تاثیر سے اچھا ہو گیا۔ اور سردار قبیلہ نے اس کی صلہ میں بطور شکرانہ یا نذرانہ اس کو بکریاں دیں۔ جن کو ابن سعید نے قبول کیا اور حضور رسالت مآب میں پیش کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے ان کو جائز فرمایا اور ان میں اپنا حصہ بھی مقرر کیا۔ اور کھایا۔ کیا یہ اثر اس کلام کا نہ تھا جس کے لئے ارشاد نبوی شاہد ہے۔

فقیر کے حقیقی ماموں جو بفضلہٖ تعالیٰ فی زمانہ بقید حیات ہیں۔ مارگزیدہ کے متعلق ایک ایسے عمل کے عامل ہیں کہ اس کی تاثیر کے ماتحت لاکھوں مریضوں نے شفا پائی ہے اور شفا بھی اس طرح کہ مریض کو دیکھنے یا اس کے پاس پہنچنے کی ضرورت نہیں۔ خواہ وہ ہزار کوس کے فاصلہ پر ہو۔ اس کی زندگی میں اگر اس کا قاصد پیغام لے کر میرے قبلہ کی خدمت میں پہنچ جائے۔ تو مریض کی بجائے دم (پھونگا) قاصد کو کیا جاتا ہے اور مریض جہاں کہیں بھی ہو فی الوقت ایک منٹ میں وہاں اچھا ہو جاتا ہے۔ کیا ایسے زود اثر کلام کے بے پناہ اثر سے بھی معترض اپنے خلجان دماغی میں مبتلا رہے گا۔ اور اگر اس عمل کے الفاظ معترض کو سنائے جائیں۔ تو شاید اس کو غشی ہو جائے۔ اگر ضرورت سمجھے تو کبھی فقیر سے پوچھ لے۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ مقام حدیبیہ پر حضور علیہ السلام کے سامنے ایک عورت اپنا بچہ لائی اور عرض کرنے لگی۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے اس بچہ کو آسیب کا اثر ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوار ہونے کی حالت میں اس کے بچے کو گود میں اٹھا لیا اور اس کی جانب رحمت کی نظر سے دیکھ کر آسیب کو فرمایا۔ اے خبیث نکل جا میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور وہ بچہ تندرست ہو گیا۔ حضور علیہ السلام اس بچہ کو اس کی والدہ کے ہاتھ میں دے کر آگے تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد جب سرکار صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم مراجعت فرماء مدینہ طیبہ ہوئے تو اسی مقام پر وہ عورت پھر حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ بچہ اچھا ہے اور میں یہ ایک بکری خدمت میں پیش کرتی ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمایا۔ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پکوایا اور کھایا یہ کلام ہی کا اثر تو تھا۔

پھر جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام فیض انجام کا اثر ماننا پڑتا ہے ایسے ہی حضور علیہ السلام کے غلاموں کے کلام کا اثر بھی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ان کا کلام بھی اسی مقدس و پاکیزہ کلام کا ایک جزو ہے جس میں خدا بولتا ہے اور جب بھی کبھی کسی مخلص کے کلام کو دوہرایا جائے گا اس سے بھی اسی تاثیر کا ظہور ہوگا۔ جو اس کے ابتداء میں تھا۔

تمہید

قرآن کریم کے سمجھنے والا ہر مسلمان اس حقیقت سے آشنا ہے کہ رب العزت نے جس قدر اپنی معرفت عبادت کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ اہمیت نماز کو حاصل ہے۔ اور نماز کی ادائیگی کے لئے باقی قرآن پاک کے علاوہ سورہ فاتحہ کی یہاں تک تخصیص کی گئی ہے کہ اس کا ہر نماز میں پڑھنا واجب قرار دے دیا گیا ہے بلکہ ایک حدیث شریف میں تو لا صلوٰۃ الا بفاتحتہ الکتاب کا شاندار حکم موجود ہے یعنی تکمیل نماز بغیر سورہ فاتحہ ہوتی ہی نہیں۔ چنانچہ ہر نمازی بدیں غرض دن بھر میں کئی بار سورہ فاتحہ کو نماز میں تلاوت کرتا ہے پھر اس سورہ فاتحہ میں ایک آیت ایسی ہے جس میں اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ (یعنی ہم کو صراط مستقیم کی ہدایت فرما) کہنے اور تلاوت کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ گویا وہ نماز میں یا بغیر نماز کے جب قرآن کریم پڑھے اپنے واسطے صراط مستقیم کی طلب کرے۔ اور ہمیشہ بارگاہ الٰہی میں اس امر کے لئے گڑگڑائے۔ کہ مجھے صراط مستقیم عطا فرما۔

یہ ظاہر ہے کہ نمازی نماز میں کھڑا ہو کر جس چیز کی طلب اور تمنا کر رہا ہے۔ وہ نماز کے علاوہ کوئی اور چیز ہوگی۔ ایسے ہی اگر روزہ رکھ کر بھی نماز پڑھے گا۔ پھر بھی۔ اور ارکان حج ادا کرتا ہوا نماز پڑھے گا۔ پھر بھی یہ صراط مستقیم کی تمنا اور التجا باقی رہے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر مومن نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ عبادات کرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو ابھی صراط مستقیم کا محتاج و متمنی خیال کرتا ہے۔ لہٰذا سوال یہ پیدا ہوگا کہ اگر ان عبادات واحکام

کی ادائیگی کا نام صراط مستقیم نہیں۔ تو وہ اور کیا شے ہے۔ اس کا جواب اسی سورہ فاتحہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ صِرَاطَ الَّذِینَ اَنعَمتَ عَلَیھِم. یعنی وہ راہ مستقیم جس کا ذکر ہوا ہے ان لوگوں کی راہ ہے جن پر رب العزت نے انعام فرمایا۔ اب یہاں انعام یافتہ جماعت کی تلاش باقی رہے گی۔ جس کے متعلق قرآن پاک کے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ انعام یافتہ جماعت انبیاء صدیقین، شہداء، صالحین کی جماعت ہے اس مخصوص بیان نے مومن پر واضح فرما دیا کہ ہر رزق روٹی رکھنے والا امیر یا لیڈر یا مشرک بادشاہ جو خداوند عالم کا نافرمان ہو انعام یافتہ جماعت میں بدیں غرض شامل نہ کر لیا جائے کہ اس کو دنیوی ضروریات کو پورا کرنے میں فراغت و فراوانی حاصل ہے۔ بلکہ تعلق الٰہی کی انتہا یا ایمان کامل ہی کا نام صراط مستقیم ہے۔ اور اسی شان کے اہل ایمان انعام یافتہ جماعت شمار ہوتے ہیں گو امراٗ پر بھی وہ امارت عطاء الٰہی ہی ہے۔ ان کی کوئی ذاتی چیز نہیں تاہم محض امارت ہی امارت قابل تسلیم اور اس شمار و قطار میں شامل ہونے اور شبہ کئے جانے کی چیز نہیں۔

صراط مستقیم کی اس تعریف سے یہ نتیجہ نکلا کہ صراط مستقیم بندگان خدا اور محبوبان الٰہی کی ان پاکیزہ اداؤں کا مجموعہ ہے۔ جو معبود حقیقی جل و علاشانہ کو پسند آ گئیں۔ مثلاً سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا طواف کعبہ میں اپنے معبود حقیقی کو والہانہ طور پر پکارنا۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا تعمیر کعبہ میں آپ کی مدد کرنا۔ ذبح کے اشارے پر گردن جھکا دینا۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کا دامن پھیلائے کوہ صفا و مروہ کے درمیان نقل و حرکت کرنا وہ پسندیدہ اور پاکیزہ ادائیں ہیں جو رب کعبہ کو بھا گئیں اور امم مابعد کیلئے حج کا نام دے کر فرض کر دی گئیں تا کہ اس کی ساری مخلوق ان ہی محبوبوں کی صورت میں اس کے سامنے آئے جن کی محبوبانہ ادائیں اس کو مرغوب ہو گئی ہیں۔ اسی طرح اگر حقیقت معلوم کی جائے تو یہ نماز روزہ کیا ہے۔ یہ بھی غار حرا میں محبوب خدا سید الانبیاء محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نقل و حرکت اور عشق الٰہی میں بھوک اور پیاس کی برداشت کا نام ہے اپنے محبوب کو جن حالتوں میں پسند فرمایا ان ہی میں اس کی امت اور غلاموں کو دیکھنا چاہا۔ کسی شاعر نے اپنے محبوب کے متعلق کیا خوب لکھا ہے۔ شعر۔

مجھے کیا غرض تھی سجود سے مجھے کام کیا تھا رکوع میں
تیرے نقش پا کی تلاش تھی جو جھکا رہا میں نماز میں

آب زمزم جس کو لوگ تبرکاً پیتے اور آنکھوں پر لگاتے ہیں اگر اس میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی کی برکت نہ ہوتی تو اس میں کیا خصوصیت ہے حجر اسود جسے کعبہ مکرمہ میں بوسے دیئے جاتے ہیں اگر اس پر محبوب رب جہاں رحمتہ للعالمین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پرنور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لب جاں بخش نہ پہنچے ہوتے۔ تو وہ ایک سیاہ پتھر ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا ایک عاشق خدا اور خلیفہ محبوب خدا علیہ السلام اور مدبر و محقق انسان خدا جانے اس سے کیا سلوک روا رکھتا۔

اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ خاصان خدا کی راہ ہی خدا کے حضور میں صراط مستقیم اور ایک مقبول و نجات دہندہ راہ ہے اور اسی کی تمنا و تلاش ہر ذی فہم انسان کا فرض انسانی ہے جو کوئی اس کے خلاف جائے گا۔ بحکم قرآن کریم جہنمی ہوگا۔ جس پر یہ آیت شاہد ہے۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الھدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولی و نصله جھنم و ساء ت مصیرا۔

لہٰذا فقیر اسی راہ کی دعوت میں یہ چند سطور بصورت شرح قصیدہ شریف پیش کرتا ہے۔ خدا کرے کہ قارئین اس سے اس نتیجہ پر پہنچ سکیں کہ ایک مرد خدا کی پرواز اور رسائی کہاں تک ممکن ہے اور اللہ کریم نے اس کو اَلاِنسَانَ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ کے تاج تکریم سے کیونکر نوازا ہے۔

جامِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سَقَانِی الْحُبُّ کَاسَاتِ الْوِصَالِ
فَقُلْتُ لِخَمْرَتِیْ نَحْوِیْ تَعَالِیْ

جذبۂ عشقِ الٰہی نے شرابِ وصل کے پیالے مجھے بھر بھر کے پلائے پھر میں نے کہا جتنی شرابِ وصل ازل سے میرے حصّے کی ہے میرے پاس آ جائے۔

عشق نے بھر کے پلائے مُجھ کو جام
وصلِ دلبر سے ہوا میں شاد کام
پھر کہا میں نے شرابِ وصل سے
مجھ میں مل جا آ کے اپنی اصل سے

کملی والے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے عشقِ الٰہی میں سرشار ہو کر اپنی مستی وانبساط میں مقامِ قُرب کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں کہ جذبۂ محبت خدائی نے مجھے شرابِ وصل کے پیالے بھر بھر کے پلائے اور اس سے مجھے وہ سکر حاصل ہوا کہ میں نے اس شرابِ وصل کیلئے مزید پکار کی اور کہا کہ جتنی بھی شرابِ وصل ازل سے میرے حصہ میں رکھی گئی ہے

وہ سب کی سب میرے پاس آجائے یعنی مجھے طرح طرح کے وصل یا اس کے طریق ایک ہی بار حاصل ہو جائیں جس سے مراد کثرت شوق بھی ہوسکتی ہے اور اس کی بہت سی مثالیں خاصان خدا کے حالات میں ملتی ہیں کیونکہ انسان کا فطری تقاضا ہے کہ جب وہ کسی پردہ سے محبوب کی آواز سنتا ہے تو جلد از جلد اس کو بے نقاب و بے حجاب دیکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب معبود حقیقی نے مکالمہ بلا واسطہ سے نوازا تو چند بار کی حاضری کے بعد محبوب کا پس پردہ کلام کرنا گوارا نہ ہوا۔ نوازشات کریمانہ کو (جو بے منت و طلب پہلے ہو چکی تھیں) مدنظر رکھتے ہوئے والہانہ طور پر پکار اٹھے) جب اس قدر قرب سے نوازا گیا ہوں تو دیدار سے کیوں محروم ہوں۔ رَبِّ اَرِنِیۡ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ. اے میرے خدا مجھے اپنا آپ دکھا۔ میں تجھے دیکھوں۔ درخواست گو معقول، حق بجانب اور جائز تھی۔ مگر جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض پہلوؤں کے لحاظ سے قبل از وقت ضرور تھی اسی لئے فرمایا گیا کہ لن ترانی یعنی اے موسیٰ آپ مجھ کو نہیں دیکھ سکتے اور یہ نہیں فرمایا کہ ہم نہیں دکھانا چاہتے یا ہم نہیں دکھا سکتے۔ کیونکہ درخواست ناجائز نہ تھی اور نہ ہی نبی ناجائز التجا کیا کرتے ہیں لیکن اپنی حیثیت سے ذرا باہر تھی۔ اور بغیر اہلیت کے مشاہدے بے حجابانہ اور رویت باری تعالیٰ قطعاً غیر ممکن ہے اس لئے فرمایا۔ آپ نہیں دیکھ سکتے۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ زیادہ دوری بھی اپنی کم نظری کی وجہ سے نہ دیکھ سکنے کا سبب ہوسکتی ہے اور زیادہ قرب بھی درخواست کرنے اور نہ دیکھ سکنے کا باعث ہوسکتا ہے۔ جیسے آنکھ میں سلائی سرمہ کی۔ ہم یہاں یہ فیصلہ کرنے کی جرأت و طاقت نہیں رکھتے کہ یہ جواب نہ دیکھ سکنے کا دونوں پہلوؤں سے کس پہلو پر منحصر تھا۔ یہ درخواست کنندہ کو علم ہوگا یا جواب دہندہ کو۔ طالب و مطلوب کے راز میں ایک ناچیز غلام کو کیا دخل۔ بہر حال ایک ہی بار اس راز سربستہ کو انکشاف میں لانا چاہا جس کا ذکر سیدنا غوث الاعظم بھی فرما رہے ہیں۔ اس حقیقت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بحکم قرآن خلق الانسان عجولاً۔ یعنی انسان جلد باز ہے اور ہر کام کو جلدی سرانجام دینا چاہتا ہے۔ جیسا کہ جس وقت سیدنا ابوالبشر حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام کے جسم میں روح پھونکی گئی تو پہلے پہل سر میں پہنچی اور پہنچتے ہی حضرت آدم علیہ السلام نے

چھینک لی اور پکارا کہ یا اللہ جلد روح کو میرے سارے جسم میں پھیلا اور پھر الحمد للہ کہا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی یہ عجلت بھی عشقیہ تھی کہ راز کے چہرے سے نقاب جلدی اٹھ جائے اور سب کچھ جلد معلوم ہو جائے۔

نیز ایک غلط العام مقولہ کی حقیقت بھی یہاں بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا جس کا اس بحث سے کچھ تعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگ بطریق طعن کہا کرتے ہیں کہ اپنی تعریف آپ کو نا خود پسندی اور معیوب حرکت ہے اور ثبوت میں حافظ صاحب کا یہ مصرعہ پیش کیا کرتے ہیں۔ ''ثنائے خود بخود گفتن نمے زیبد ترا حافظ''

لہٰذا نہ کرنی چاہئے کیونکہ اپنے منہ سے میاں مٹھو بننا ٹھیک نہیں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ اس مصرعہ کا کیا مطلب ہے اور اپنی تعریف ممنوع ہونے میں کیا راز ہے اور اسی چیز سے بعض نافہموں کو بندگان خدا پر بھی طعن کرتے سنا گیا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اپنی نسبت وہ تعریف کرنا جو حقیقت پر مبنی ہو منع اور معیوب نہیں۔ ایسی تعریف معیوب سمجھی گئی ہے جو لاف زنی۔ خود پسندی۔ بے جا تعلّی اور لغویت و کذب پر مبنی ہو۔ اگر صحیح تعریف اور حقیقی فوقیت یا جائز علو مرتبت کا اظہار بھی منع ہوتا تو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام دربار مصر میں اپنی امانت و دیانت کی تعریف نہ فرماتے۔ ہمارے آقائے نامدار سید ذی وقار کائنات کے سردار مولا و مختار سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جس انسان پر رب العزت نے دین و دنیا کے انعامات فرمائے ہوں وہ اگر اظہار نعمت نہیں کرتا تو کفر کرتا ہے اور ناشکرا ہے۔ اس بنا پر اگر کوئی انسان اپنی فراوانی انعامات کی اصلیت ذکر کرے تو وہ ممنوع نہیں۔ لہٰذا بزرگان دین نے جب کبھی اور جیسا بھی تذکرہ اپنی بلندی مراتب کا کیا ہے وہ منع ناجائز اور معیوب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ بفضل ایزدی کسی حقیقت پر مبنی ہوتا ہے اور اس سے مراد نفسانیت و خود پسندی نہیں ہوتی۔ بلکہ عوام کی رہنمائی اور اپنے تابعداروں کی طمانیت مقصود ہوتی ہے اور ان لوگوں کے لئے رشد و ہدایت جن کا اعتراض ہے کہ یہ سب کچھ ایک بے معنی تخیل اور بے حقیقت مذاکرہ ہے اور اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ کا مطلب یہی ہے۔

یاد رہے کہ قصیدہ شریف کے پہلے شعر میں ماضی کا صیغہ استعمال کر کے سَقَانِی الْحُبُّ میں بتایا گیا ہے کہ سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ کی یہ بادہ نوشی پہلے سے پہلے کی تھی۔ چنانچہ ایک اور قصیدہ میں آپ نے فرمایا ہے۔ انا کنت قبل القبل قطبا میجلاً. یعنی میں قبل سے قبل ایک بزرگ قطب تھا۔ اور میری یہ مے نوشی میرے وجود ظاہری کے زمانہ سے بھی اول کی تھی جس سے مراد جوش انا اجبت ہے اور عام مخلوق کی پیدائش وظہور سے پیشتر بھی آپ کا بزرگ وقطب ہونا متحقق ہوتا ہے اور یہ کوئی بے دلیل دعویٰ نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کنت نبیاً و آدم بین الماء و الطین یعنی حضور اکرم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکرم تاجدار کائنات مختار شش جہات محبوب کبریا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس وقت بھی نبی تھا۔ جب آدم علیہ السلام کا ابھی پانی اور مٹی اکٹھا کیا جا رہا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے نواسے شہباز میدان معرفت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی طفیل ایسے وقت میں اپنی اس بلندی مدارج اور قطبیت و بزرگی کا ذکر و دعویٰ فرمائیں تو کوئی بعید از قیاس بات نہیں حضور غوث الاعظم اسی قصیدہ حمیدہ میں کسی دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں۔ وقتی قبل قبلی قد صفالی۔ یعنی میرا وقت میرے وجود عنصری سے پہلے ہی صاف تھا۔ شعر

ایکہ حکم تست نافذ کل حال　　　　در تو پیش از پیش حکم ذوالجلال

دیگر صیغہ واحد میں یائے متکلم کے استعمال کرنے سے یہ اشارہ ہے کہ میرے حصہ کی شراب عشق سب شرابوں سے صاف اور تیز تر ہے اور شارب کو ایسا گرمانے والی ہے کہ اور کسی میں اس شراب کے پینے کی طاقت ہی نہیں چونکہ اس دعویٰ میں دوسرے پینے والوں کی قطعی نفی ہو جاتی تھی۔ اس لئے فرمایا کہ میرا پس خوردہ پینے والا اس کی تاب وطاقت رکھ سکتا ہے کہ وہ اس شراب معرفت کو پی کر برداشت کر سکے۔ چنانچہ الفاظ شربتم فضلتی میں اس رمز کو ظاہر فرما دیا اور متلاشیوں کے سینوں سے کم طاقتی کا غم مٹا دیا۔ اشعار

اے تو بلائے ہمہ در ہر عروج　　　　نیست از قدم تو امکان خروج

ہرچہ خارج گشت از قدمت شہا　　　　ذرّہٴ بے سرشد و دور ازضیا

تو خوری دیگر مہ و استارہا　　　ثانیٔ تو نیست گفتم بارہا

یاد رہے کہ سقانی میں جو نسبت حب کی طرف ہے اور جس سے مراد دوستی رقیقی اور محبت حقیقی ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ خود عشق غوث ربانی کا طالب ہے اور عشاق کی طرح نہیں جو آپ عشق کے طالب ہوتے ہیں۔ ع۔ بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے عشاق کے دکان راز و نیاز کی گرمی عشق سے ہوتی ہے۔ اور یہاں عشق اپنے بازار کی گرمی کیلئے محبوب سبحانی کی ذات کو تلاش کرتا ہے۔ شعر

عشق خود جوید ترا اے شاہ دین　　　تا مقام خویش یا بدیا بالیقین
عشق را چوں بحر جوشد سینہ ٔ　　　دائما در عشق تو بے کینہ

بعض بزرگان دین نے یہاں حب سے مراد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات لی ہے۔ کیونکہ محبوب حقیقی وہی ہے اور باقی سب اس کے طفیلی ہیں۔ اگر یہی تشریح صحیح مان لی جائے تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مجھ کو محبوب حقانی و ساقی ربانی یعنی ذات آں سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصل کے پیالے پلائے۔ اور اس میں نکتہ یہ ظاہر ہو گا کہ میری مربی حقیقی وہی ذات محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے جس نے میری تربیت فرمائی۔ چنانچہ ایک دوسرے قصیدہ شریف میں اس خیال وعقیدت کا اظہار یوں فرمایا ہے۔ وَجَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فِیْ اَصْلِ رَبَّانِیْ ۔یعنی میرا جد بزرگ اللہ کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جس نے ہر امر میں میری تربیت کی ہے۔ نیز ایک اور مصرعہ میں بھی ارشاد ہوا ہے۔ فساقی القوم بالوافی الملال ۔اور ساقی قوم سے عبارت یہاں ذات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے اللہ کریم کی ذات پاک بھی مراد ہو۔ کیونکہ ذات الٰہی پر محبوب اور ساقی کا اطلاق بلحاظ وصف عندالشرع ناجائز نہیں۔

نیز یہ یاد ہے کہ لفظ کاسات کو جمع اور وصال کو واحد لانے میں یہ اشارہ ہے کہ میرے نقش قدم پر چلنے اور میری منزل فقر پر پہنچنے کے لئے کئی راستے ہیں۔ اور مجھے اپنے ہر ارادتمند کی تربیت اس کی استعداد کے لحاظ سے کرنی ہے۔ تا کہ مختلف راہوں سے تمام

طالب علی قدر مراتب و ارادت حصہ پا سکیں۔ شعر

اے ترا در ہر مکاں حسنے دگر بادشاہا زین ترا جشنے دگر
اے کف پائے تو رونق ہر رخ مر ترا در ہر کفے وزنے دگر

اور یہ امر ظاہر ہے کہ کاسات الوصال سے مراد سلوک کے وہ تمام طریقے ہیں جن پر اولیاء اللہ اور خاصان خدا چلتے ہیں۔ پھر مطلب یوں ہوا کہ حب نے مجھے وصال الٰہی کے تمام پیالے پلائے اور وصول الی اللہ کے تمام راستے دکھائے پس جو کوئی چاہے مجھ سے پائے اور میرے ید بیضا سے اپنی ہدایت کی شمع کو روشن کرے۔ چنانچہ اگلے ابیات اسی مضمون پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ بھی یاد ہے کہ وصول ایک نسبت ہے جو کہ اس وجود کے فنا ہو جانے کے بعد سخت ترین مجاہدہ میں خداوند عالم جل مجدہ کی ذات سے پیدا ہوتی ہے اور یہ محض توفیق ایزدی ہی ہے جو ادنی مخلوق کو نواز دے ورنہ اس مٹھی بھر خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت ہے۔ شعر

میری خود بینی نے ڈالا تھا تیرے رخ پر نقاب
میں ہی خود جب نہ رہا تو تو نظر آیا مجھے

یاد رہے کہ لفظ قلت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جناب غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کو باہوشی و رازفہمی کا مرتبہ ہر مقام اور ہر حال میں حاصل تھا۔ بے ہوسی و مدہوشی طریق کار میں دخل نہ رکھتی تھی شراب سکر کے پینے سے ادراک و فہم ظاہری و باطنی میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہوتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو کلام ہوش کا یہ تذکرہ ظہور میں نہ آتا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں میں نے عشق کو جو میرے حکم میں تھا کہا کہ میری طرف آ۔ تا کہ تیری تیزی اور پینے کی داد دی جائے اور خشک حلق والوں کو تیری جانسوز چاشنی سے سیراب کیا جائے۔ یہاں سکر و سرور کی انتہا کر دی کہ دریا قطرہ کے رنگ میں اور آفتاب ذرّہ کی شکل میں بنا دیا۔ حضور کی لیاقت و قابلیت کا کیا کہنا ہے۔ کہ شراب وصل کو اپنی جانب بلا کر یہ ثابت فرما دیا کہ یہ بھی میرے حکم کے ماتحت ہے اور یہ تعجب کا مقام نہیں۔ بعض بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ درویش دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کو جلوؤں کی تلاش میں سرگردانی کرنی پڑتی ہے

اور ایک وہ جن کو خود جلوے ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور یہ دونوں گروہ انبیاء علیہم السلام کے طریق طریقت کے حامل ہوتے ہیں۔ کسی پر کامل و ناقص کا الزام نہیں آ سکتا۔ ذرا میدان معرفت میں انکشاف حقیقت نبوت کو ہی دیکھئے تو پتہ چل جاتا ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پکار رب ارنی کیا تھی اور جواب باری تعالیٰ بالفاظ لن ترانی کیا تھا اور ہماری سرکار سرور دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب خانہ اُمہانی کیا تھی۔ استراحت قلب غیر فانی کیا تھی۔ اور جبریل علیہ السلام کی رب العزت کی طرف سے دعوت دیدار لانی کیا تھی۔ اور سوتے کو جگا کر انشراح صدر کی کہانی کیا تھی۔ فرشتوں کی یہ ملازمت ونگہبانی کیا تھی۔ اور عرش اعظم کی بلندیوں پر قید مکانی و زمانی کیا تھی۔ یہاں طور کی سرزمین میں کسی کی درخواست دیدار بے حجابانہ کو ٹھکرا دیا جاتا ہے اور مکے کی آبادی سے کسی کو بے طلب بلا لیا جاتا ہے۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ حسن محبوب کا اپنا ہے جس کو چاہے دیدار دے اور محرم بنا لے اور جس کو چاہے انکار سے غیر محرم ٹھہرائے۔ اصرار کی جگہ نہیں۔ حضرت اقبال فرماتے ہیں۔

گہے صد لشکر انگیزی کو خونِ عاشقاں ریزی ‏ ‏ گہے در انجمن باشیشہ و پیمانہ می آئی
تو بر نخل کلیمے بے محابا شعلہ می ریزی ‏ ‏ تو بر شمع یتیمے صورت پروانہ می آئی

شراب وصل کا پلانا تو درکنار حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں. **تطوف لی الافلاک والرب سبحانی** ۔یعنی آسمان میرے گرد طواف کرتے ہیں۔ اور انوار الٰہی مجھے گھیرے رکھتے ہیں۔ اس فرمان عالی میں ابتدائے سلوک اور انتہائے سلوک کی دونوں جانب اشارہ ہے۔ کیونکہ پہلا طریق جذبہ عشقی ہے جس وقت یہ ظاہر یا باطن میں ظہور پذیر ہوتا ہے دن بدن اس میں کشائش ظاہر ہوتی جاتی ہے اور یکبارگی منازل کا عبور شروع ہو جاتا ہے اسی لئے فرمایا کہ میرے تمام جذبات وصال کا موجب ہیں۔ اور ہر سلوک میں وصال کامل کا درجہ ہے ہر جذبہ سے انتہا تک پہنچ سکتے ہیں اور ہر سلوک کے بھید سے مدعا کو دیکھ سکتے ہیں۔

اے غلام قادری آئندہ آنے والے اشعار میں تجھے معلوم ہو جائے گا کہ سرکار غوثیت

مآب کے اس فرمان عالی فَقُلْتُ لِخَمْرَتِیْ نَحْوِیْ تَعَالٰ سے مراد وصل اور کمال کی شراب ہے۔ جس کے معنی یوں ہوں گے۔ کہ تقرب کی بلندیوں کے جام پینے کے بعد جب مجھ کو وصال حاصل ہو گیا۔ تو میں نے اپنی شراب سے کہا۔ کہ آ۔ تا کہ میں تجھ کو آرزوؤں کے خشک لبوں اور حلقوں تک پہنچاؤں اور انہیں بھی تجھ سے سرشار کروں۔ جو ابھی تک تجھ سے محروم و بے مراد ہیں۔ تا کہ کوئی طالب تشنہ لب و خشک حلق نہ رہے اور یہی جذبہ ہر محتاج کے کام آئے۔ سبحان اللہ و بحمدہ۔

ملائک کی نگاہ خیرہ ہے انوار صفاتی سے
وہ کیا جانیں قدم انسان کامل کا کہاں پہنچا

جامِ دوئم

کیفیّتِ وجدانی

سَعَتْ وَمَشَتْ لِنَحْوِیْ فِیْ کُؤُوْسٍ
فَهِمْتُ بِسُکْرَتِیْ بَیْنَ الْمَوَالِیْ

بڑے بڑے پیالوں میں بھر ہوئی یہ شراب جلد جلد میرے پاس آئی۔ پس میں نے اس کو لے لیا اور اپنے دوستوں کے درمیان اس کی مستی کا شیدا ہو گیا

آ گیا وہ خمرِ طاہر پُر سرور
بے پناہ تھیں مستیاں جس کے حضور
پی کے اس کو پی سے میں فوراً ملا
اور ہم عصروں کو بھی حصہ دیا

انتظار کی گھڑی و فرقت کی ساعت اور ہجر کی رات جب ختم ہو جائے۔ تو عاشق کے لئے ایک غیر فانی اور ابدی راحت ہوتی ہے۔ مطلوب کے دروازے کو جب پاتا ہے تو پھولا نہیں سماتا۔ اپنی سعی اور اس کی رحمت کو کامیاب دیکھ کر اس کے منہ سے عجیب عجیب تشکر و امتنان کے الفاظ نکلتے ہیں۔ اور اس مسرت میں یہ عجیب و غریب اشارات کرتا ہے جن کے سننے سے اس طالب

کی کیفیتوں کا اندازہ لگتا ہے۔ اور وہ اس حال پر جس قدر ناز کرے کم ہے۔ چنانچہ اسی حالت کو سرکار غوثیت مآب بھی بیان فرماتے ہیں۔ کہ جب عشق نے شراب وصل کے پیالے بھر بھر کے مجھے پلائے۔ تو میں نے طلب مزید میں محبوب کے دروازے پر اس ساری شراب کے لئے پکار کی۔ جس کی انتہا ہی نہیں۔ پھر اس والہانہ جذبہ کے ماتحت وہ بے پناہ کیف وسرور والی شراب بڑے بڑے پیالوں میں جن سے مراد ساقیٔ حقیقی کی چاروں توجہ (القائی۔ اتصالی وانعکاسی) ہی ہو سکتی ہیں۔ جلد جلد میرے پاس آئی۔ میں نے اس کو لے لیا۔ اور اپنے دوستوں وہم نشینوں کے درمیان اس شراب کی مستی کا والا وشیدا ہو گیا یعنی میں نے خود پی اور صاف دل احباب اور وفا کیش طلاب میں تقسیم کی۔ یہاں یہ بات قابل یادداشت ہے کہ اس عبارت میں اگر شراب کی سعی اور مستی حضور کی جانب مذکور ہے۔ تو اس کی حقیقت یوں سمجھنی چاہئے کہ جب محبت نے پیالہ میری طرف کیا تو میں نے اس کو لے لیا اور لیا بھی یوں کہ شراب وصل محبت کے ہاتھوں سے خود بخود میری جانب آئی۔ اور اگر اس سعی اور مستی سے رشد وہدایت کا جلوہ مراد ہو تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ جس وقت حب نے مجھ کو وصل کا پیالہ پلایا۔ یعنی محبوب نے ہر طرف سے توجہ کے انوار سے مجھے منور کرنا چاہا۔ اور میں نے بھی اپنے خالی قلب کو اس کے حصول کیلئے پیش کیا اور اس کو مطلوب بنایا۔ تو پھر انتہائی ذوق میں اس کے لئے پرزور خواہش اور پکار کی۔ کہ اے شراب آ جا۔ پس وہ باعث کمال شراب کمال انداز سے آئی۔ اور ساقیٔ حقیقی کی توجہ کے پیالوں میں ارشاد وہدایت کے جلوے موجزن ہونے لگے۔ پس میں نے اس کا قصد کیا اور اس کی مستی کا دلدادہ ہو گیا۔ پھر مجھ سے میرے جذبے نے ظہور کیا اور میں نے اس شراب کو طالبوں اور شاربوں میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنی استعداد کے مطابق اپنا حصہ پایا اور جلوہ جمال محبوب لایزال سے مستفیض ہوا۔ اور اس کی کائنات روحانی وجسمانی کے ہر ذرّہ پر اس کی اپنی وسعت حوصلہ کے مطابق انوار واسرار کا آفتاب چمکنے لگا۔ اور اس کی دنیائے آب وگل میں قلب وطلب کا طور بے حجابانہ مشاہدہ کی تجلیات سے دمکنے لگا۔

قارئین کو معلوم ہو۔ کہ سَعَتْ وَمَشَتْ کے الفاظ میں ایسی رمزیں ہیں کہ جن سے

خاصان خدا کی اعانت کے سوا اور حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی مدد کے بغیر کما حقہ کچھ سمجھنا اور میدان معرفت الٰہی میں اس کا مدعی ہونا اپنے آپ کو ایک کھلی گمراہی اور دانستہ فریب میں مبتلا کرنا ہے جیسے کہ بعض نام نہاد جاہل صوفی اور بعض جوگیان ہند کی رسم و راہ پر چلنے والے بندگان لنگوٹ عارف باللہ کہلاتے ہوئے پاکبازوں اور اہل اللہ کی دنیا میں رینگنے لگتے ہیں اور جہالت و بے ادبی سے ہمہ اوست و ہمہ از وست کی بھول بھلیوں میں الجھ کر سَعَتُ وَمَشَتُ کی مقدس وادیوں کو ہی چھوڑ جاتے ہیں۔ جن کی طفیل طالب مولا محبوب کی چوکھٹ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ لَیُسَ لِلِانُسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی کے ماتحت لفظ سعی پر ہی ذرا توجہ دیجئے۔ تو پتہ چل جائے گا کہ سَعَتُ وَمَشَتُ میں کیا رموز ہیں۔ سعی کے معنے ہیں کوشش کرنے والے کی عاجزی کا اظہار اور حصول مطلب سے دوری کا اقرار۔ جس میں یہ مضمر ہے۔ کہ یہ محض ہمنشینان صحبت کو سکھاتا ہے کہ حیلے کو ترک نہ کر دیں۔ ورنہ محبوب ومحبّ میں شراب جہد کی گنجائش کیسی۔ نہ محبوب کبھی بن سکے اور نہ کبھی محبوب۔ نہ محبّ کے لئے سعی اور نہ سعی کے لئے محبّ۔ ازلی تقسیم ہے جو جس کے لئے بن گیا۔ بن گیا۔ یہ محبوب کو شراب پلانا اور محبّ کو سعی کے میدان میں لانا تو محض اس لئے ہے کہ محبوب کے اہل مجلس اور طالبان حق کو اس سے نفع اور فیض حاصل ہو۔ اور حقیقت استغراق سے پردہ اٹھا کر جمال خداداد کا جلوہ اپنے سے مستفید ہونے والوں کو دیں۔ ورنہ شعر

میان عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

چنانچہ ہر ذی فہم انسان سمجھ سکتا ہے کہ سرکار رحمتہ العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درجہ مبلغ تبلیغ خلق کے لئے تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ عملی زندگی کا نمونہ پیش فرمایا اور بھٹکی ہوئی خدا کی مخلوق کو اس کے دروازے تک پہنچنے کی ہدایت کا طریق عمل ارشاد فرمایا اور ان کے سامنے نمازیں پڑھیں۔ روزے رکھے۔ حج کئے۔ جہاد فرمائے۔ سجدے سہو سمجھائے۔ ہجرت کے اصول سکھائے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ خلق خدا کی رہنمائی کے لئے تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپنی نجات کے لئے نہ تھا۔ کیونکہ جس ہستی کو خالق

الکل نے ازل ہی سے افضل المرسلین۔ خاتم النبیین۔ رحمتہ اللعالمین محبوب رب العالمین۔ مالک لولاک متصرف افلاک، تاجدار عرش وفرش اور تمام کائنات ارضی وسماوی کا بیج قرار دے کر معصوم و مصطفیٰ پیدا فرمایا ہو۔ اس کی نجات کا تذکرہ کیسا اور ان اعمال زندگی پر اس کی نجات اخروی کا انحصار کیا۔ وہ تو ازلی نجات یافتہ وخود نجات دہندہ ہے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ جن لوگوں کے نزدیک نبی کسبی ہوتا ہے۔ ان کے عقیدہ فاسدہ کی بھی تردید ہو گئی۔ ظہور دنیا سے قبل جس کو مندرجہ بالا فضائل ومحاسن سے سرفراز فرما دیا گیا ہو۔ اس کی محنت ومشقت کا اور نجات ومناجات کا قصہ ہی کیا ہے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی علیہ رحمتہ سے پوچھا گیا کہ کیا عبادت سے بخشش ہو جاتی ہے تو آپ نے فرمایا۔۔ ہاں بخشش ہی سے عبادت ہوتی ہے۔ اس رمز پر بھی کسبی نبوت کے مدعی دعویٰ سعی کو نہ سمجھیں۔ تو پھر ان سے خدا سمجھے کیونکہ اس عقیدہ کو دل میں جگہ دینے والا اہل اللہ سے دور کی نسبت بھی قائم نہیں کر سکتا۔ العیاذ باللہ۔

نا اہل نہ سمجھیں تو ان کی بے سمجھی ہے۔ ورنہ تبلیغ خلق کی راہ میں ہزار ہا حقیقتیں پوشیدہ اور لکھو کھہا اسرار مضمر ہیں۔ اور ایک شخص کو صراط مستقیم کی دعوت دینا اور راہ راست پر لانا دو جہان کی عبادت سے بہتر ہے۔ آمدم برسر مطلب

سبحان اللہ۔ سیدنا غوث الاعظم کی بارگاہ بھی کیسی بلند بارگاہ ہے۔ کہ عشق بھی اس کی مجلس کے جاروب کشوں میں سے ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ خاصان خدا کی بلندی مراتب کمی اور دوری کی کیفیت محجوبہ سے بالاتر ہوتی ہے۔ اور شاید اسی لئے بعض اکابرین نے العشق حجاب فرمایا ہے۔ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ شراب عشق بھی اس درگاہ کے ارادتمندوں اور طالبوں سے ایک ہے جہاں چاہیں اس کو بھیج دیں اور جیسے چاہیں اس سے کام لیں۔

لفظ مشت میں جس کے معنی رواں ہونا ہے۔ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس بارگاہ کے طالبوں کے لئے کوئی مانع نہیں جب کبھی وہ سعی کو عمل میں لاتے ہیں اس میدان میں چل پڑتے ہیں۔ مگر لفظ نحوی کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس کے اشارے سے یہ معلوم

ہوتا ہے۔ کہ شیخ کی ذات ہی طالب کے منظور نظر ہونی چاہئے جیسا کہ بیت اللہ کے جانے والوں کو تماشہ ملک منظور نہیں ہوتا۔ اور لفظ نحوی کے دو مطلب اور بھی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس کا ترجمہ قصد کیا جائے۔ تو معنی یوں ہوں گے کہ شراب نے پیالوں میں پڑ کر سعی کی اور ہماری طرف روانہ ہوئی تا کہ ہمارے انوار صحبت سے منور ہو۔ اور اس صحبت سے یہ استعداد حاصل کرے کہ دوسروں کے سینوں میں قیام کرنے کے قابل ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ اگر اس کے معنی طریق کئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ شراب عشق نے ہمارے طریق پر قائم ہونے کے لئے سعی کی اور چلی تا کہ اس کی موجوں کے جلوہ سے کثرت سے جذبات پیدا ہوں۔ اور ہر طالب کے اندر ایک نیا نور پیدا کر سکے۔ یعنی جب پہلے پہل شراب نے جوش مارا۔ تو اس سے قسم قسم کے جذبات پیدا ہوئے اور اس کی غرض یہ تھی کہ یہ ہمارے طریق پر قائم ہو جائے۔ تا کہ اس کی سعی اور روانی ہمارے دوستوں کا مقصد حل کر سکے۔ تیسرا یہ کہ اگر نحو کے معنی جانب کے کئے جائیں تو اس لحاظ سے یہ معنی ہوں گے کہ شراب نے سعی کی اور پیالوں میں پڑ کر ہماری طرف آئی۔ پس ہم نے بھی اس کا قصد کیا۔ اس سے محبت کی اور اس کو اپنے دوستوں میں تقسیم کیا اور یہی اس کی تمنا تھی۔ کہ ہم ہی اس کی صراحی کو کھولیں اور اپنے ہاتھ سے اس کو تقسیم کریں۔

دیگر اس میں بعض نکات اور بھی ہیں۔ جن کو بعض اہل اللہ سے سنا گیا ہے۔ مثلاً ایک یہ کہ وہ شراب ہمارے دیدار کی طالب تھی۔ جب اس نے ہمارے جمال جہاں آرا کا جلوہ دیکھا تو اپنے آپ کو ہمارے لئے وقف کر دیا۔ اور ہم نے اس کو اپنے اختیارات سے عارفان حق کے سینوں میں بھر دیا۔

دوئم یہ کہ اس شراب کے ہماری طرف آنے کی غرض تو محض ہدایت تھی لیکن ہم نے یہ مناسب سمجھ کر اس کو خدا کے نیک بندوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ کہ وہ واقعی تقسیم کے قابل تھی۔

سوئم یہ کہ شراب عشق کو ہماری ہم آغوشی کی تاب نہیں۔ بلکہ اس کا ہماری طرف سعی کرنا اس کے کمال قبولیت کو ظاہر کرتا ہے۔

لفظ کئوس میں جس کا مطلب شراب کا پیالوں میں تیار ہونا ہے اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ ہمارے طریقہ میں سرشاری طالبوں کی توجہ کو بلاتی ہے۔ جونہی طالب حاضر ہوا اپنے مدعا کو پہنچا۔

بعض بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ کئوس سے مراد ان تمام خاصان خدا کے پینے بھی ہو سکتے ہیں۔ جو حضرت غوث الاعظم سے اوپر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔ یعنی ان برگزیدہ حضرات نے جن کی نسبت باطنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک تھی۔ سب کے سب اسرار و انوار الٰہی جو ان کے صدور مصفا اور قلوب مجلّا کے پیمانوں میں بھرے ہوئے تھے مجھ تک پہنچائے۔ اور امینوں کی طرح وہ تمام امانت میرے سپرد کر دی۔

چنانچہ اسی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں بھی ادا فرمایا ہے۔ کہ **جدی رسول اللہ فی الاصل ربانی**۔ یہاں فی الاصل فرمانے کا منشا یہ ہے کہ اگرچہ اس نسبت کے عامل بظاہر درمیان میں دوسرے بزرگ بھی ہیں۔ مگر وہ صرف امانت داروں کی طرح امانت پہنچانے والے ہیں۔ جیسے کہ ارشاد ہوتا ہے۔ **لامنة علی لاحد بعد اللہ و رسولہ**۔ یعنی جو کوئی بھی ہے۔ وہ امانت پہنچانے والا ہے۔ اس سلسلہ میں مجھ پر کسی کا احسان نہیں۔ جیسے مریدوں پر اپنے پیروں کا ہوا کرتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ **لاتفیتنونی کاحد من الاولیاء فرق مابینی و بینھم فرق الارض والسماء**۔ یعنی دوسرے لوگ زمین کی طرح محتاج ہیں۔ کہ جب تک بارش نہ ہو اس سے سبزی اور روئیدگی نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک آفتاب و ماہتاب کی چمک نہ پڑے۔ اس کی کانوں کی چیزوں پر رنگ نہیں آتا۔ مگر میں آسمان کی طرح زمین کا محتاج نہیں ہوں۔ اور مجھے کسی کی بلندی و رفعت سے کسی قسم کا سروکار نہیں۔ کیونکہ آسمان کی بلندی اور رفعت زمین کی سطحیت کے مقابلہ میں ظاہر و باہر ہے۔

یاد رہے کہ آنجناب قطب الاقطاب غوثیت مآب محبوب سبحانی غوث صمدانی پیر پیراں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ دنیائے ولایت میں بمقابلہ تمام اولیاء اللہ کے بمنزلہ آسمان ہیں اور دیگر اولیاء اللہ بمنزلہ زمین۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر زمین پر جب تک

آسمان سے بارش نہ ہو۔ وہ پھل پھول پیدا نہیں کرتی۔ اور روئیدگی نہیں لاتی۔ نیز جس طرح زمین اپنے تحفظ کے لحاظ سے خلاء آسمانی سے محیط ہے۔ اسی طرح تمام بزرگان دین اپنے اپنے مدارج میں خواہ وہ کسی حد تک بلند کیوں نہ ہوں غوثیت کے دائرے میں گھرے ہوئے ہیں۔ کیونکہ نبوت۔ صدیقت اور شہادت و فردیت کے بعد بارگاہ ایزدی میں کوئی بلند درجہ ہے تو مدارج و مراتب ولایت میں غوثیت ہی ہے۔ اس سے زیادہ اور کوئی بلندی نہیں۔

نیز فی کئوس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ عشق کی صاف شراب جو وصال کے پیالوں میں پڑی ہے۔ اگرچہ جگر تاب اور تیز ہے۔ تاہم شرع شریف اور پرہیزگاری کے ضبط سے باہر نہیں جس کی مستی میں کوئی امر خلاف نبوت سرزد ہو۔ جس سے صوم و صلوٰۃ۔ حج و زکوٰۃ سے بھاگے ہوئے ان نام نہاد فقیروں اور ملنگوں کی بھی تردید ہو جاتی ہے۔ جو مولائی۔ سروری۔ قلندری۔ شطاری۔ لال شہبازی۔ بالے شاہی۔ ملامتی وغیرہ کہلا کر اور فریب نفس میں مبتلا ہو کر ڈنڈے کونڈے کے نتیجے اور شجر خبیثہ کے نشے میں اتباع شریعت سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ کہ فقر اور چیز ہے اور شرع اور چیز ہے۔ حالانکہ فقر کی مالک اور فقر پر فخر کرنے والی بھی وہی ہستی ہے۔ جس نے تمام عمر رب العزت کے ارشاد کے ماتحت تبلیغ دین اور نشر و اشاعت شرع مبین میں گزار دی ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ دولت فقر جس کا ثبوت اور عملی نمونہ نہ بانئے اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نہ صدیق اکبر نہ فاروق اعظم نہ عثمان ذوالنورین نہ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نہ حضرت سید الشہداء نہ متقدمین اغیاث واقطاب نہ ابدال واوتاد نہ نقبا و نجباء نہ صلحا و صوفیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں پایا جاتا ہے۔ اس چودھویں صدی کے بھیک منگ اور بے راہرو ملنگ کو کہاں سے ملی ہے۔ ممالک اسلامیہ میں جہاں تک دیکھا گیا ہے۔ بڑے بڑے اولو العزم درویش پائے گئے۔ مگر بالکلیہ متشرع ہونے کے علاوہ یہ طریق کار یہ فقر کا نکھار یہ رنگ روپ اور بے معنی دوڑ دھوپ یہ چارا بروکی صفائی اور بھنگ و پوست کی آشنائی۔ یہ نشے کی خماری اور امور شرعیہ سے بیزاری کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ درحقیقت اس فریب خوردہ فقیر کو فقر نہیں مل سکا۔ لیکن تلاش فقر میں جو گیان ہند کی صحبت سے رہبانیت کی سیڑھی چڑھ گیا ہے اور اسی کو فقر سمجھ بیٹھا ہے۔ کیونکہ

ہمارے صوفیا میں ایک تو ارباب حق کا وہ گروہ ہے جس کا مقصد محض تبلیغ دین رہا۔ علماء کرام نے ہمیشہ لوگوں کو خدا کے قہر و غضب سے ڈرایا۔ اور صوفیاء عظام نے ہمیشہ اس کے جمال رحمت و رافت کو بے نقاب کر کے لوگوں کے دلوں میں محبت الٰہی کا بیج بونے کی سعی کی۔ لیکن ان کے علاوہ مدعیان تصوف کی ایک دوسری جماعت بھی تھی۔ جو اسلام کو دوسرے مذاہب کے عقائد سے تطبیق دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ متصوفین کے اس گروہ کی کوشش نے ان غیر اسلامی معتقدات کو نئی شکلوں میں نمودار کر دیا۔ یعنی وحدت وجود کے ساتھ ساتھ وحدت شہود کا تصور بھی پیدا ہو گیا۔ اور بیڈھب مسئلہ حلول نے ظل و بروز کی صورت اختیار کی جس کا دھندلا سا خاکہ یہ درویشی رہ گئی ہے۔

لیکن مجذوبین حضرات کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے۔ جس کے شبہ میں یہ نماز روزہ اور وضو کے پانی سے بھاگا ہوا مولائی مونچھوں پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔ ورنہ مجذوب حضرات کی جماعت کو اگر ان نفس پرستوں سے الگ کر کے ان کا جائزہ لیا جائے۔ تو پتہ چل جائے گا کہ ان کی اس خود ساختہ درویشی اور خود کاشتہ دلی کی حقیقت جذباتیہ کیا ہے۔ چند باخدا مجذوبوں کی مشابہت میں ان کی پاک جوانیوں کا صدقہ یہ جماعت بھی اہل اللہ میں شمار ہو گئی۔ ورنہ قلندروں کی دنیا میں رینگنا ایسے ہوس پرستوں کا کیا کام۔ شعر

راہب نداشت تاب جمال پر پرخاں
گوشہ گرفت و خوف خدارابہانہ ساخت

ہاں! تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہمارا اس شراب عشق کی جانب قصد کرنا اور اس سے دل لگانا بلا درنگ ہے۔ یعنی جونہی کہ شراب ہماری طرف آئی۔ اس کو اس کے مدعا تک پہنچا دیا۔ یعنی احباب کے درمیان تقسیم کر دی۔ اور یہ معنی بھی کئے جا سکتے ہیں۔ کہ ہم نے اس کو قصداً پیا اور یاروں کو بھی پلایا کیونکہ اگلے ابیات انہی معنوں کے زیادہ قریب ہیں۔

اور اس بیت میں صیغہ واحد متکلم لانے سے مراد آنجناب کی فردیت کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ آپ نے خود فرمایا۔ انا فرد الفرد لا شریک لی ۔ یعنی میرا رتبہ میدان ولایت اور مدارج ہدایت میں تمام اولیاء سے زیادہ بلند ہے۔ شعر

اے کہ فرد الفرد عبدالقادری　　در بساط قدس حقا برتری

دردو عالم نام تو مارا بس است　　در ولایت در نیابت سروری

آگے دیکھئے اسی شعر میں لفظ بسکرتی میں ایسا لطیف اشارہ ہے کہ شراب کے تقسیم کرنے کے وقت بحالت مستی بھی مجھ کو جذبہ حقیقی میں تمکین حاصل تھی۔ اور ہر چند کہ مستی میں بیخودی کارفرما تھی مگر احکام شرع کے بتانے میں اور وعظ و نصیحت فرمانے میں وہ سکر حارج نہ تھا۔

باچنیں زور جنوں پاس گریباں داشتم

درجنوں از خود نہ رفتن کار ہر دیوانہ نیست

سبحان اللہ۔ عجیب خمار و سرور ہے۔ کہ ساقی میخانہ اپنی مستی کی حالت میں بھی ہوشیاروں کو مست اور مستوں کو ہوشیار کرتا رہتا ہے۔ مستوں کی مستی اور ہوشیاروں کی اداکاری اس سے کسی حال میں بھی پوشیدہ و مستتر نہیں۔ شعر۔

ساقئے ہشیارے باید شراب عشق را

آتش ہموار ے باید کباب عشق را

قادری میخانے کی کیفیات بھی کیا ہی انوکھی ہیں۔ جس کسی نے عقیدت سے اس کی تندو تیز شراب کا ایک گھونٹ پیا۔ وہ دونوں جہاں میں کامیاب زندگی جیا۔ اور جو کوئی اس کے جذب کے شعلے میں تلملایا۔ اس نے ہستی موہومہ سے گزر کر بقاء کا رستہ پایا۔ جن کی ایک متلاشی نظر اس کی مینا کے بے پناہ نور پر پڑی۔ ان کی چشم حق شناس حیرت کے میدان میں گڑی۔ سست رو طالبان حق تیز رفتار اور چست چلنے والے برق آثار بن گئے۔ اشعار۔

ساقیاں از بادہ اش مدہوش ہوش　　سامعاں درنغمہ اش شد جملہ گوش

طالبان در طلب او مجذوب اند　　عاصیاں از کرم او محبوب اند

اہل دل از جود او شد کامیاب　　ناقصاں را نور او کردہ سحاب

ازطفیل مصطفیٰ ﷺ بر ہر یکے

جود و فیض خود نمودہ بیشکے

اس لفظ سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ بوقت تقسیم ہم نے اپنی ادنیٰ سی مستی کے ساتھ تمام دوستوں کو مست کر دیا۔ اور ہماری عالی ہمتی اور بلند حوصلگی وہ شان رکھتی ہے کہ کسی دوسرے کی ظرف حوصلہ میں اس کے لئے گنجائش نہیں۔ شعر

بحر چوں در کوزہ آید اے عزیز   فہم کن ہاں فہم گر داری تمیز

اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ میں نے شراب وصل کو دوستوں کے درمیان سب کے سامنے نوش کیا۔ اور رونق مجلس بڑھانے کی داد دی۔ اور اگلا شعر فَقُلْتُ لِسَائِرِ الْاَقْطَابِ لَمُّوا ۔ ان معنوں سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ اور اگر پہلے معنے لئے جائیں۔ تو یہ شعر پہلے کا بیان ہو گا۔ مثنوی

ایکہ نور تو بہر سو در ظہور   ابتدا و انتہا روز نشود

وائے بر غافل کہ زینجا دور ماند   منکر ایں در بلا و زور ماند

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان ابیات میں اس مطلب کی طرف اشارہ ہو جو کہ اس قول شریف (قدمی هذا علیٰ رقبة کل ولی اللہ) سے پایا جاتا ہے۔ یعنی جس وقت محبوب حقیقی نے وصل کی شراب میرے دل کے پیالے میں ڈالی۔ اور میری جان اور روح کے رگ و ریشہ میں اس کا اثر ظہور پذیر ہو گیا۔ تو میں نے وہ شراب سب کے سامنے استعمال کی۔ اور اپنے درجہ پر سب سے آگے بڑھ کر اور فائز ہو کر تمام قطبوں کو پکارا۔ کہ آگے آؤ۔ اور عجز و نیاز و ارادت و عقیدت کی گردن ہمارے آگے جھکاؤ۔ تا کہ ہماری توجہ سے تم اپنے اپنے مطالب میں کامیاب ہو جاؤ۔ اور اگر چہ تمہاری کیفیتیں مستور ہوں۔ پھر بھی آفتاب ولایت اور نور غوثیت کی روشنی سے چمکنے لگو گے۔

جام سوئم

واردات معانی

فَقُلْتُ لِسَائِرِ الْاَقْطَابِ لُمُّوْا
بِحَالِیْ وَادْخُلُوْا اَنْتُمْ رِجَالِیْ

پھر میں نے تمام قطبوں کو کہا کہ میرے پاس آؤ۔ اور میرے حال و رُتبہ کو
دیکھ کر میری محفل ارادت وافادہ میں داخل ہو جاؤ

پھر کہا میں نے یہ کُل اقطاب کو
حاضر و غائب، شیوخ و شاب کو
دیکھ لو سب میرے حال و قال کو
اور میری محفلِ اشغال کو

فرمایا گیا ہے کہ پھر میں نے تمام حاضر و غائب و شیخ وشباب اقطاب کو پکار کی۔ کہ آؤ
اور میرے حال اور مرتبہ کو دیکھ کر افادہ و ارادت کی محفل میں داخل ہو جاؤ۔ کیونکہ تم لوگ ہم سے
فائدہ حاصل کر سکنے کے قابل ہو اور تم ہی میں یہ استعداد و اہلیت ہے۔

ہر شخص جو میدان طریقت وحقیقت میں از روئے عقیدت کسی مرد خدا کے دامن سے

وابستہ ہے اور تلاش حق کے لئے کسی مرد خدا کی پابوسی اور کسی اہل اللہ کے دروازے پر جبیں سائی کرتا ہے۔ اس نے اگر دیکھا نہیں اور بلندی مراتب حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ سے واقف نہیں۔ تو اس نے سنا ضرور ہو گا کہ حضرت سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ کا یہ مرتبہ ہے کہ جس قدر اقطاب و اولیاء اللہ آپ کے زمانہ میں ہوئے۔ سب کی گردنوں پر آنحضور کا قدم تفضّل ہے اور وہ سب کے سب اس آستانہ عالیہ پر جھک کر ہی اپنی منازل عرفان کے پانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ پس جس وقت کسی قوم کا سردار اپنی قوم پر بخشش کرنے کو آمادہ ہوتا ہے۔ تو اپنی قوم و جماعت کے ہر فرد کو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ندائے عام کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ کہ آؤ سب کے سب آؤ۔ اور ہمارے انعامات سے جو چاہو حاصل کرو۔ پھر کیا ہوتا ہے جس کی قسمت یاوری کرتی ہے۔ وہ اس بخشش عام میں پہنچ کر اپنے مدعا میں کامیاب ہو جاتا ہے اور جو بدبخت اس آواز کو ان سنی کر کے اس کی طرف رجوع نہیں کرتا وہ ہمیشہ کے لئے محروم و نامراد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی نفس پرستی نے اس سے حصول رحمت کی اہلیت چھین لی ہے اور جب تک یہ نہ ہو تب تک کوئی بخشش مفید نہیں ہوتی۔ مثلاً ہر شخص جانتا ہے کہ بارش رحمت ہے۔ اور قرآن پاک میں بھی اس کو اسی نام سے پکارا گیا ہے۔ مگر جب تک زمین میں اس رحمت کے قبول کرنے کی اہلیت نہ ہو۔ بارش ہر مقام پر روئیدگی پیدا نہیں کر سکتی۔ یہی بارش اگر کوڑے کرکٹ پر پڑتی ہے تو اس میں بدبو بڑھتی ہے اور یہی اگر کسی مزروعہ زمین میں پڑے جہاں کسی اللہ کے بندے نے ہل جوت کر بیج بھی ڈال دیا ہو تو وہاں طرح طرح کے شگوفے اور پھل پھول پیدا کرے۔ اور گر یہی بارش پتھر پر ہو تو وہ بے اثر اور کورے کا کورا رہے۔ مثل مشہور ہے۔ کہ موتی وہی سیپ پیدا کر سکتے ہیں۔ جو ابر نیساں کے منتظر منہ کھولے پڑے رہتے ہیں مگر بعض لوگوں کو یہ کہتے بھی سنا گیا ہے۔ کہ ہم تو ایسی باتوں کے قائل نہیں جب تک کوئی ہمیں زبردستی نہ درست کر دے۔ اور ہم جب تک نہ دیکھیں گے نہیں مانیں گے۔

عزیز من یہ بودا نظریہ غلط اور لغویت پر مبنی ہے۔ پیاسہ ہمیشہ کنوئیں کے پاس جاتا ہے اور متلاشی ہمیشہ متحرک ہوتا ہے۔ نہ کنواں پیاسے کے پاس آوے اور نہ کبھی تلاش کی گئی چیز

خود بخود اس کی خدمت میں حاضر ہو۔ دنیا کے لئے اگر ابنائے جنس کا غلام بنتا ہے۔ ان کے سامنے دست بستہ ہوتا ہے کتے کی طرح ان کے بوٹ چاٹتا اور گدھے کی طرح ان کی سواری بنتا ہے تو بتا یہاں معرفت الٰہی میں کیوں یہ نظریہ بنا رکھا ہے۔ آ اپنے ظرف کو خواہشات نفسانیہ سے خالی کر کے اور توبہ کے پانی سے دھو کر کسی سخی کے سامنے لے جا اور دیکھ کہ یہ انوار توحید الٰہی اور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمت نامتناہی سے کیونکر لبالب ہوتا ہے اور آئینہ جمال حضرت جیلانی سے بطفیل کمال سہروردی اس پر اسرار توحید و رسالت کیونکر منکشف ہوتے ہیں۔ اس مغالطہ میں نہ رہ۔ کہ مجھے کوئی مجبوری سے توحید کی راہ دکھا دے گا۔ تو دیکھوں گا۔ یہ ایک شیطانی وسوسہ اور نفسانی فریب ہے جو تجھے برائی میں مبتلا کرنے کے لئے طرح طرح کے نظریئے پیش کرتا رہتا ہے ممکن ہے تو اسی فریب میں مبتلا رہے اور موت کا فرشتہ سامنے آ کھڑا ہو۔ اور تو محروم و نامراد ہی اس جہاں سے سفر کر جائے۔ العیاذ باللہ۔

بندگان خدا اور مقبولان بارگاہ کو اتنی فراغت کہاں کہ وہ اپنے مطلوب حقیقی کا دروازہ چھوڑ کر تجھ جیسے نا اہل اور ضدی انسانوں کو تلاش کرتے پھریں۔ اگر ضرورت ہے تو کسی کے جوتوں کو چوم اور پاؤں پر گر جا۔ ورنہ یہ نظریہ تیری ازلی بدبختی کا گواہ ثابت ہو گا۔ پنجاب کے مایہ ناز شاعر علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔

بوسہ زن بر آستانے کاملے　　　کیمیا پیدا کن از مشت گلے

عوام میں ایک اور بھی صریح مغالطہ ہے۔ کہ بعض لوگ کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اور بیعت کر کے ہر بات میں اس پر احسان جتانے لگتے ہیں۔ کہ ہم نے فلاں کی بیعت کی ہے۔ اس کا فرض ہے کہ ہر موقعہ و محل پر ہماری رعایت ہم سے سلوک اور ہمرای آؤ بھگت کرتا رہے۔ وہ نادان نہیں جانتے کہ راہنمائی کیلئے کسی کو راہنما بنایا ہے۔ یا قصیدہ خوانی کے لئے۔ یہی وہ مغالطہ تھا۔ جس کا جواب قرآن پاک میں حضور علیہ السلام نے اعراب کے مقابلہ میں لَا تَمُنُّوا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ فرمایا تھا۔ یعنی مجھ پر اسلام لانے کا

احسان نہ جتاؤ۔ بلکہ میرا احسان مانو جس نے بھٹکے ہوؤں کو خدائے واحد کا پرستار روشنا سا کرا دیا ہے۔ حضرت سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب لکھا ہے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمے کنی　　　منت شناس از و کہ خدمت بداشتت

اوہو۔ بات دور نکل گئی۔ مسئلہ یہ تھا کہ تمام کائنات کے اولیاء و اقطاب اس بارگاہ جیلانی رضی اللہ عنہ کے خوشہ چین اور اسی در کے گدا ہیں۔ جس کے ثبوت میں حضور غوث الاعظم خود فرماتے ہیں کہ **اعطانی المولیٰ اجل ولایتہ لم یعطھا لغیری الی یوم القیامۃ**۔ اسی مضمون کا کچھ حصہ اگلے اشعار میں آئے گا۔ پس تمام اولیاء اللہ آپ کے چاہنے والے اور آپ ہی سے پانے والے ہیں۔

یاد رہے کہ اس شعر میں فقلت کی تامیں ایک خاص رمز ہے۔ کہ میں نے اقطاب و اولیاء کو خمخانہ توحید کی طرف بلایا اور خمر توحید پلایا۔ ورنہ کس کو طاقت تھی۔ کہ شراب معرفت کا پیالہ لبوں تک لے جاتا یا شراب خانہ حقائق پر ہاتھ ڈالتا۔

نیز لفظ سائر الاقطاب میں یہ رمز ہے۔ کہ اس ندا کے مستحق اقطاب وقت اور زندہ قطب مراد ہیں اور اصحاب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان سے مستثنیٰ ہیں۔ اور زندہ اقطاب کو ندا قرین قیاس بھی ہے۔ اور اگر زندہ اور مردہ دونوں مراد لیں تو اس کی توجیہ یہ ہو سکے گی کہ ان اقطاب کے سلاسل میں ان کے مریدین کو بھی ان میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اور لفظ جمعاً ان معنوں پر دلیل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک نسخہ میں **فقلت لسائر الاقطاب جمعاً** لکھا گیا ہے۔ آئندہ اشعار میں الفاظ کل شیخ وحدی انہی معنوں میں مستعمل ہوئے ہیں جیسا کہ آئندہ ان کی تشریح کی جائے گی۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ چونکہ عالم ارواح میں بھی ترقی روحانی کا اجرا ممکن ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے۔ کہ برزخ کے رہنے والے اور ملک عدم کے مسافر بھی آپ سے شراب عشق پیتے ہوں اور حضور کے در پاک پر بوسہ دیتے ہوں اور یہ کیفیتیں اصحاب مکاشفہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

نیز یاد رہے کہ لفظ لُـمُـوْ جس کے معنی نزل کے بھی ہوتے ہیں۔اس لئے آیا ہے کہ طالب کو اس راز سے واقف کرے کہ مجلس ادب میں نہایت عجز و انکسار اور باقاعدگی سے بیٹھے تاکہ اپنے مدعا اور مقصد میں کامیاب ہو۔اگر مجالس و محافل ابرار میں بادب نہیں ہوگا۔ تو ہمیشہ محروم و نامراد رہے گا۔شعر

از ادب روشن شود سینہ بنور　　　از ادب باشند مردم باحضور

نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ایسے وقت میں خواہ کوئی انسان خود بھی ذی مرتبہ ہو اور عالی درجہ رکھتا ہو تو بھی اس پر فخر نہ کرے۔تاکہ اِس کے پاکیزہ حالات حصول انوار کے قابل ہو جائیں کیونکہ **العلم حجاب الاکبر** ایک مشہور مقولہ ہے۔اور یہی خود پسندانہ عمل اور فوقیت کا خیال عرفان کی منزل میں پردہ بن جاتا ہے۔اکثر اوقات ایسا بھی ہوا ہے۔کہ اسی رعونت اور تکبر کی وجہ سے بعض علماء و مشائخین کا علم ظاہر و سابق بعض اولیاء اللہ نے پہلے سلب کر کے پھر ان پر انوار و عرفان کے دروازے کھولے ہیں۔کیونکہ جب یہ بدعملی اور رعونیت کا بنیادی پتھر راہ سے ہٹا نہ دیا جائے۔عرفان کی راہ نہیں ملتی۔اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔کہ جس نے پایا ہے عجز و نیاز ہی سے پایا۔شعر

ہر چہ از خود کاستم برخویش افزودم کہ ظرف　　　ہر قدر از خود تہی شد آں قدر پر میشود

یا اس کے یہ معنی ہوں گے۔کہ ہمارے حال پر نہایت حضور قلب اور تعمق سے نظر ڈالو. اور ہمارے منال معرفت کو نہایت باریک نگاہ سے دیکھو تاکہ ہماری شراب عشق کی حقیقت اعلیٰ کو معلوم کر سکو۔اور اگر بحالی کا معنی لُـمُـوْ کے متعلق کئے جائیں تو یوں مطلب ہوگا کہ میرے حال پر خوب نگاہ در نگاہ کرو اور اگر اس کو قلت کے متعلق کر دیا جائے تو یہ مفہوم ہوگا کہ یہ قول میرا عین حال کی حالت میں کہا ہے۔چنانچہ آئندہ کے بیت والقیت سری میں یہی مضمر ہے۔

اے عزیز یہ یاد رکھو۔کہ ہر منزل کے درویش کا حال ہر لحظہ یکساں نہیں رہتا۔چنانچہ مبتدی کا حال جذبہ الٰہی سے اس بجلی کی طرح ہوتا ہے۔جو اچک کر اوپر لے جاتی ہے اور

متوسط کا حال اس سے ذرا زیادہ بلند ہوتا ہے۔ مگر کامل کا حال کمال پر مبنی ہوتا ہے۔ یعنی وہ ذات میں قائم ہوتا ہے اور اسی میں دائم رہتا ہے۔ مگر کبھی کبھی عالم کثرت کی طرف توجہ کر جانے سے اس کا بھی حجاب میں آ جانا ممکن ہوتا ہے۔ اور پھر جب کثرت سے نکل کر وحدت کی جانب رخ کرتا ہے تو اپنے پہلے حال پر متمکن ہو جاتا ہے اور اس کو اس وقت اصطلاح صوفیاء میں ابوالحال کہتے ہیں چنانچہ اسی حال کی جانب اشارہ فرماتے ہوئے سرکار انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لِـیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْـتٌ" یعنی میرا میرے اللہ کے ساتھ ایک خاص وقت ہے جس میں کوئی نبی و مرسل اور مقرب بارگاہ فرشتہ بھی دخیل نہیں ہوسکتا۔ اور یہ دولت عرفان سرکار مدینہ محبوب نگینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات میں مستقلہ اور ابدی تھی۔ جس کو رکھتے ہوئے حضور اگر خلق کے حال پر متوجہ ہوتے تو تعلق الٰہی میں کثرت کے افکار کا حجاب نہ ہوتا تھا اور اس ایک کیفیت کا کیا ذکر ہے۔ آپ کی ہر منزل زندگی میں حجاب ایک ممتنع چیز قرار دیا گیا تھا۔ کیونکہ آپ کی زندگی کا ہر پہلو اسوہ حسنہ اور اس کا ہر رنگ مستقل طور پر ایک باب عرفان ہوتا تھا اور اگر خدانخواستہ آپ کی زندگی میں کہیں حجاب بھی ضروری ہوتا تو آپ جس پردہ سے نکل کر تعلیم فرماتے غلام اس میں سے نکلنے کی ہمت ہی نہ رکھتے۔ اور کفار نے جب اس حجاب کا طعنہ دیا تو رب العزت نے مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی فرما کر اسی حال کو واضح فرما دیا۔ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ ینام عینی و لا ینام قلبی یعنی فقط آنکھ ہی ہے جو سوتی ہے۔ میرا دل نہیں سوتا۔ پھر اسی کے متعلق فرمایا کہ ان لی لیفان علی قلبی سبعین مرۃ فاستغفر اللہ ۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوا کہ کامل کا حال بھی ترقی میں بڑھتا رہتا ہے۔ یعنی جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہر روز اس قدر رفعت عطا ہوتی تھی۔ کہ ترقی اعلیٰ سے حال سابق حجاب کی کیفیت اور پردہ کے رنگ میں ہوتا تھا۔ اس کو پردہ نہیں کہا جا سکتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ من استوی یوماہ' نھو مقبون۔ یعنی جس کے دو دن ایک جیسے گزریں وہ گھاٹے میں ہوتا ہے۔ سالک راہ سلوک کے لئے لازم ہے کہ حصول

درجات میں نہ رکے کیونکہ کمالات الٰہیہ محدود نہیں۔ اگر ایک قسم کی ترقی حاصل ہو بھی جائے۔ پھر بھی خاص ترقیوں میں زیادتی در زیادتی ممکن بلکہ لازم ہے کیونکہ جس ذات والا صفات مالک ارض وسموات کی تلاش ہے اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے تلاش کی بھی انتہا نہیں ہوسکتی۔ طالب جوں جوں اس منزل میں ترقی کرے گا اپنے آپ کو منزل مقصود سے دور پائے گا۔ اور ارشاد باری تعالیٰ لاتدرکہ الابصار وھویدرک الابصار۔ میں یہی اشارہ ہے۔ اور درک کے معنی ہیں۔ بیک وقت ہر شے کو ہر جہت سے اس کی ہر حقیقت صوری ومعنوی پر محیط ہو کر ملاحظہ کرنا۔ اور یہ انسانی بلندیوں کے لئے ذات الٰہی کے متعلق محالات سے ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

لُمُوْ بحالی۔ میں ایک بڑا اوق نکتہ یہ بھی ہے کہ میرے حال میں ملبس ہو کر آؤ کیونکہ تم کو اس مقام میں پہنچنے کی خود بخود اتنی طاقت نہیں۔ پہلے ہمارے حال کے پرتو کا لباس پہنو پھر اس مجلس میں آنے کی سعی کرو۔ وادخلوا میں بھی یہی رمز ہے کہ کل اقطاب اس مجلس میں بلا اجازت نہیں آسکتے تھے۔ اور نہ ہی ادب کے پہرہ داران کو داخلے کی اجازت فرماسکتے تھے۔ اس لئے حکم حضور نے ہی ان میں خود یہ استعداد پیدا فرمائی۔ تاکہ بخوشی شمولیت کر سکیں۔

اس خطاب میں جمع کا صیغہ لانے سے عام افادہ مراد ہے۔ کیونکہ فقیر کا دسترخوان ہر نعمت میں وسیع ہوتا ہے اور سخی اپنے ہر ادنیٰ و اعلیٰ مہمان کے لئے ایک ایسا سلوک روا رکھتا ہے بعض سے عمومیت اور بعض سے خصوصیت یہ شانِ درویشی کے منافی اور بعض سے ترک اور بعض سے تعلق شانِ فقر کے خلاف ہے۔ فقیر کی دعوت عام ہونی چاہئے۔ دسترخوان میں شمولیت کرنے والا اپنی استعداد کے مطابق لقمہ اٹھائے گا۔ جس کا وہ اہل ہو گا یا جو اس کی پسندیدگی میں آئیگا یہی وجہ ہے کہ بعض سالکین راہ سلوک کسی ایک مقام کو منتہا سمجھ کر اسی پر اکتفا کر جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ منتہا نہیں ہوتی۔ یہ ان کی اپنی تعلیم اور استعداد کا مغالطہ ہے۔ دعوت دینے والے کا قصور نہیں۔

اور لفظ انتم سے جو خطاب کی ضمیر اور صیغہ ہے۔ یہ مترشح ہوتا ہے۔ کہ تمام شہروں، ملکوں، دیہاتوں، قصبوں، جھونپڑیوں، جنگلوں، ویرانوں، کھنڈروں اور کاچھوں میں جہاں کہیں بھی خدا کی زمین پر تمام اقطاب و اولیاء کی سکونت تھی اور جس جس حال میں وہ مقامات سلوک و منازل عرفان طے کر رہے تھے۔ سب کے سب سیدنا جناب غوث الاعظم کی نظر میں حاضر اور موجود تھے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاصانِ خدا جب چاہیں بفضل ایزد تعالیٰ بیک وقت بہت سے مختلف مقامات پر بلاشبہ و استحالہ کام کر سکتے اور اعانت مریدین فرما سکتے ہیں۔

ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْم۔

جام چہارم

درسرشاریٔ ارغوانی

وَهُمُّوْا وَاشْرَبُوْا اَنْتُمْ جُنُوْدِیْ
فَسَاقِی الْقَوْمِ بِالْوَافِیْ مَلَالِیْ

اور کہا قصد کرو اور پیو کہ تم میرا لشکر ہو۔ اور میرے ساتھ عقیدت محکم رکھو
کہ میں ساقی قوم اور تمہارا نگران حال ہوں

قصد سے اپنے پیو بے انتہا
کیونکہ ہو لشکر میرے تم برملا

ساقیٔ میخانہ عرفان ہوں
میں ہی ہر طالب کا اطمینان ہوں

حضور فرماتے ہیں۔ ہم نے اقطاب کو خطاب کیا۔ کہ قصد کرو اور ہمارے ساتھ اپنی نیاز کا ارادہ محکم رکھو۔ چونکہ تم ہمارے لشکری ہو اس لئے شراب عشق جس قدر چاہو نوش جان فرماؤ۔ ہم تم سب کے نگران حال ہیں جیسے شاہ اپنے لشکریوں سے خبردار ہوتا ہے۔ ایسے ہی ہم بھی اہل اللہ کی فوج کے ساقی ہیں کیونکہ میخانۂ عرفان کی کنجیاں ہمیں ہی تفویض کی گئی ہیں اس

میخانہ سے جس قدر بھی پیا جائے اس میں کمی نہیں ہو گی۔ کیونکہ یہ خزانہ نا متناہی ہے اور رحمت الٰہی کے طفیل گھٹتا نہیں۔ چنانچہ آنجناب نے بعض دوسرے مضامین میں اس امر کی تشریح یوں فرمائی۔ کہ انا بحر بلاساحل یعنی میں ایک سمندر بے کنار ہوں۔ جس سے ہزاروں دریا۔ نہریں۔ نالیاں۔ تالاب۔ مٹکے۔ گھڑے۔ کوزے بھر لئے جائیں۔ تو بھی یہاں پر ایک قطرہ کی کمی محسوس نہ ہو گی۔

اور یاد رہے کہ ھموا صیغۂ امر ہے اس کے معنی کسی شے کے حصول کا ایسا قصد کرنا ہے جس کی ضرورت کا احساس اور جس کے پانے کے لئے غم دل پر اثر انداز ہو۔ پس اس خطاب کا مطلب یہ ہوا کہ حصول عرفان الٰہی میں میری طرف رجوع لاتے ہوئے ایسا قصد کرو جس کے وصل کا حقیقی احساس تمہارے قلوب میں غم پیدا کر دے۔ کیونکہ اس دولت فقر کی نگہداشت وفور غم ہی سے ہو سکتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات اس پریشانی کے نہ ہونے سے یہ دولت ضائع ہو جاتی ہے۔ اور اس میں یہ بھی ایک باریک سی رمز ہے کہ ہماری بارگاہ کے آداب کو مدنظر رکھو۔ جیسے کہ لشکر اپنے بادشاہ کے لئے ہوتا ہے اور اس پر ناز نہ کرو کہ یہ خوبیاں اپنی ذاتی اور پیدا کردہ ہیں۔ یا ہمارے سبب سے بادشاہ کو کوئی بلندی حاصل ہے بلکہ یہ سمجھو کہ ہماری ملازمت کا حصول اور خدمات کا قبول شاہ کی مہربانی پر ہے۔ ورنہ اسے اور بہت ملازم مل سکتے ہیں۔ اسی مضمون کو سعدی علیہ الرحمتہ نے خوب فرمایا ہے۔ شعر

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمے کنی منت شناس ازو کہ خدمت بداشتت

سرکار بغداد کا یوں تمام اہل اللہ و طالبان حق کو پکارنا اور جنودی کے لفظ سے اپنا لشکر فرماتے ہوئے پکارنا ان معنوں میں ہے۔ کہ سپاہی کی بقاء سوائے تتبع اور شکر گزاری کے نہیں ہوتی۔ جیسے کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔

پیش شاہاں جز ادب بنود بقا ہر کہ باشاہاں ستیز دشد فنا
تیغ قہر شاہ جاں رابر کشد آبرد از قرب والبعد بود
نزد شاہاں قرب جز آداب نیست جز ادب آنجا کسے شاداب نیست

نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ہمارے مے خانے کی شراب معرفت تیز تر ہے۔ اس کو

پی کر پی سے ملو۔ لیکن پی پی کر پی کے آداب سے غافل نہ ہو جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ طور کی طرح بے پناہ تجلیات سے قضا کے شعلے کا سرمہ بن جاؤ۔ یا اپنی ہستی کو تُبـتُ اِلَیکَ کے ادراک میں لے جا کر عشق کے کوچہ سے لوٹ آؤ۔ یہ راہ نہایت پرخطر ہے جب تک مرد میدان بن کر باہوش طریق سے اس راہ میں نہیں چلو گے منزل مقصود نہیں پاؤ گے۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتی ہیں۔ شعر

گرفتم سہل سوز عشق را اول ندانستم
کہ صد دریائے آتش از شرارش میشود پیدا

واشربوا صیغہ امر مع واؤ عاطفہ کے ذکر فرمایا۔ جس میں یہ رمز ہے کہ جب تم ایک دفعہ قصد کر چکے ہو تو پھر پینے میں دیر نہ کرو۔ اور اپنا ارادہ و فعل فوراً یکجا کر دو۔ کیونکہ ان دونوں میں سے علیحدہ علیحدہ کوئی اکیلا کام نہیں دیگا۔ پینا بغیر ارادے کے ایسا ہے جیسا درخت بغیر پانی کے اور ارادہ بغیر پینے کے ایسا ہے جیسے زمین بغیر تخم کے چونکہ اس امر میں زمانہ کی قید نہیں لگائی گئی۔ اس لئے جب تک پیو پیتے چلے جاؤ۔

اس خطاب اور انتم جنودی فرمانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر طریق کے اولیاء اللہ گروہ درگروہ آپ کے سامنے صف بستہ حاضر ہیں اور خود آنجناب غوثیت کا تاج پہنے اور مخدومیت کے تخت پر جلوہ افروزی کئے اس حکم کا اجراء فرما رہے ہیں۔ شعر۔

پیو تشنہ لبو میخانہ عرفان کھلتا ہے ۔۔۔ بنو وہ رند جن کو دشمنی ہو لفظ سیری سے

سبحان اللہ اس گلزار سرمدی کی بادنسیم کے جھونکے کیسے ہر چہار جانب چل رہے ہیں۔ اور اس مقدس ہوا سے ہر متلاشی کے دل کی کلی کیسے کھل رہی ہے اور اس کے اثر سے ہر جان کا باغ کیونکر ہرا ابھرا ہو رہا ہے۔

الٰہی کرم و لطف غوث اعظم ۔۔۔ بمادح رارسانی فیض ہر دم
بشرح راز ایں خمخانہ دین ۔۔۔ کشائی موج بادہ صاف آمین

یہی وہ علوشان کی بے پناہ بلندیاں اور عرفان کی اتھاہ گہرائیاں تھیں۔ جن کے باعث قدم غوثیت تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر آیا اور سب نے سر تسلیم خم فرمایا۔ یہاں ضروری

معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کو بھی واضح کر دیا جائے کہ قدم غوثیت اولیاء کے کندھوں پر کیونکر تھا۔ اور ایک ہی غوث کا قدم کیا زمانہ بھر کے اولیاء اللہ کی گردن پر ہونا تسلیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس میں بعض حضرات صوفیا نے اس زمانہ میں اختلاف کیا ہے۔

بات یوں ہے کہ ایک دفعہ آپ مبلغانہ رنگ میں (جیسا کہ آپ کا قاعدہ تھا) ایک بھرے مجمع میں تقریر فرما رہے تھے کہ یکا یک، آپ کی زبان مبارک سے قدمی ھٰذا علٰی رقبة کل ولی اللہ ۔ نکلا یعنی میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ بہجتہ الاسرار کی روایت کے مطابق یہ سن کر نہ صرف ان مشائخین نے جو اس وقت جلسہ میں موجود تھے اور مشائخین عراق نے سر جھکا دیئے بلکہ تمام مشائخ عالم نے سر تسلیم خم کر دیئے۔ اور عملاً یہ ثابت کر دیا۔ کہ س آواز کی تعمیل کیونکر ہو سکتی ہے، اور حضرت شیخ علی بن ابی نصر الہیتی تو مجلس سے فوراً اٹھے اور منبر کے پاس جا کر ظاہری طور پر بھی آپ کا قدم پکڑ کر اپنی گردن پر رکھ لیا اور اس کے بعد تمام حاضرین مجلس نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

فقیہ ابو محمد الحسن بغدادی نے قاہرہ میں شیخ محمود بن احمد الکردی نے بغداد میں اور دیگر اولیاء اللہ نے جمیع بلاد اسلامیہ کے اندر اپنی اپنی گردنیں جھکائیں۔ چنانچہ سیر کی مستند کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عدی بن مسافر نے بالس میں حضرت شیخ سوید نے سنجار میں حضرت شیخ املان نے دمشق میں حضرت شیخ ابوالدنیا نے مغرب میں۔ حضرت شیخ عبدالرحیم فنادی نے فنا میں۔ حضرت شیخ احمد بن دفاعی نے ام عبیدہ میں۔ حضرت شیخ عبدالرحمٰن نے طنسوج میں۔ حضرت شیخ محمد بن موسیٰ نے بصرہ میں اور حضرت شیخ حیات بن قیس حرانی نے حران میں۔ اسی وقت اپنی اپنی جگہ آپ کی آواز سن کر عالم روحانیت میں اپنی اپنی گردنیں جھکا دیں پھر بہجتہ الاسرار میں یہ بھی لکھا ہے کہ عروس کے ساٹھ کو وقاف کے سینتالیس عجم کے چالیس، شام کے تیس، مغرب کے ستائیس یمن کے تیئس، مصر کے بیس، جزائر محیط کے چوبیس، حرمین الشرفین کے سترہ، حبش کے گیارہ اور سراندیپ کے سات، مشائخ نے اپنی گردنیں خم کیں۔ اور دنیا بھر کے کم وبیش دیگر تیرہ سو اولیاء اللہ نے حضور سیدنا غوث الاعظم کے اس فرمان فیض ترجمان پر لبیک کہا۔

جس روز حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ الفاظ اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے تھے۔ اسی روز اور اسی وقت تمام صوفیاء مشائخین نے اپنی چشم باطنی سے مشاہدہ کیا۔ کہ تاج غوثیت آپ کے سر مبارک پر رکھا گیا ہے۔ اور قطبیت کا علم آپ کے درجات کی بلندی میں لہریں لے رہا ہے۔ ایک خاص امر یہ ہے کہ عین اسی وقت رجال الغیب اور ابدال کی ایک جماعت ہوا میں اڑتی ہوئی نظر آئی۔ اور اس جماعت نے آپ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کیا۔

حضرت شیخ ابراہیم الاغرب بن شیخ ابی الحسن نے فرمایا کہ مجھے حتمی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ حضور سیدنا غوث الاعظم قَدَمِیْ هٰذَا فرمانے پر مامور ہوئے تھے۔ اور آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا وہ بفرمان ایزدی ہی تھا۔

شیخ حضرت ابو سعید قیلوی نے بھی جب لوگوں نے آپ سے اس مسئلہ اور غوث الاعظم کی اس آواز کے متعلق استفسار کیا۔ تو یہی فرمایا کہ حضور غوث الاعظم نے جو کچھ فرمایا تھا اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت فرمایا اور آپ اس کے فرمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے۔

بعض کتب تصوف میں واضح طور پر لکھا ہے کہ آپ کے ان الفاظ کے منہ سے نکالنے پر اکثر اکابر اولیاء اللہ متقدمین کی پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ کہ آپ پیدا ہوں گے۔ اور اپنی بلندی درجات کے ماتحت یہ دعوے کریں گے اور یہ الفاظ منہ سے فرمائیں گے جن کو سن کر آپ کے زمانہ کے تمام اولیاء اللہ اپنی گردنیں خم کر دیں گے۔

چنانچہ ابو محمد شبینکی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک دن شیخ ابوبکر ابن ہرار کی مجلس میں اولیاء اللہ کے حالات کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ آپ نے فرمایا۔ عراق میں ایک مرد عجمی عبدالقادر نام پیدا ہو گا اور بغداد میں سکونت کرے گا اور قدمی ھذہ علی رقبة کل ولی اللہ کہے گا۔ اور تمام اولیاء اللہ اس بات کو تسلیم کر کے گردنیں جھکا دیں گے۔ وہ اپنے وقت میں یگانہ ہو گا۔

شیخ بقا ابوالمظفر ابراہیم سے نقل کیا گیا ہے کہ ابتدائے زمانہ میں آنحضرت سیدنا

عبدالقادر جیلانی تاج العارفین ابوالوفا کی صحبت میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب شیخ مذکور آنجناب کو دیکھتے۔ تو تعظیماً اٹھ کھڑے ہوتے۔ لوگوں نے پوچھا اس جوان کی اتنی تعظیم کا مقصد کیا ہے تو فرمایا اس جوان پر ایک وقت آئے گا جب یہ قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله کہے گا۔ اور یہ کلمہ بالکل سچ ہوگا۔ سب اولیاء کرام اپنی گردنیں جھکا دیں گے اور خاص و عام اس کے محتاج ہونگے۔

شیخ ابوعمران موسیٰ بن ماہین سے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک روز شیخ عقیل نے ایک منجم سے پوچھا کہ اب قطب وقت کون ہے۔ اس نے کہا وہ مکہ میں پوشیدہ ہے۔ پھر عراق کی جانب اشارہ کرکے کہا۔ کہ آخرکار یہاں سے ظاہر ہوگا۔ اور قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله کہے گا جس کی اس آواز پر تمام اولیاء اللہ اپنی گردنیں اس کے قدم کے نیچے رکھ دیں گے۔

شیخ نجیب الدین سہروردی نے فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ حماد الدباس کی مجلس میں، میں حاضر تھا اور وہیں پر حضرت سید عبدالقادر جیلانی تشریف لے آئے۔ تو شیخ حماد نے بھی یہی فرمایا کہ اس جوان کا ایک قدم ہے جو اپنے وقت میں اولیاء اللہ کی گردنوں پر رکھے گا۔ اور وہ سب اس کے سامنے جھک جائیں گے۔

زبدۃ الابرار میں ہے کہ ایک دن چند درویش حضرت شیخ علی بن وہب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا عجم سے۔ پوچھا کس شہر سے۔ کہا: جیلان سے۔ فرمایا اِنَّ اللہَ نُوْر وجوهكم بظهور رجل منكم قريب" من فضل اللهِ تَعَالٰی اِسْمُہٗ عَبْدُ الْقَادر مَظْهَرُہٗ فِی الْعِرَاقِ وَ؟ فِیْ بَغْدَادِ وَيَقُوْلُ قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰى رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللهِ وَيُقِرُّہٗ اَوْلِيَاءُ عَصْرِهٖ بِاَمْرِ اللهِ تَعَالٰى۔ یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ نے روشن کئے منہ تمہارے ایک شخص سے کہ ظاہر ہوگا تمہارے گروہ سے نام اس کا عبدالقادر ہوگا۔ ظہور اس کا عراق میں ہوگا۔ سکونت بغداد میں ہوگی اور یہ کہے گا کہ میرا قدم کل اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے اور تمام اولیائے کرام اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبول کرینگے اور غبطۃ الناظر میں ایک روایت شیخ ابونجیب رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ہے کہ میں

نے چالیس سے زیادہ مشائخین کو ایسا ہی فرماتے سنا ہے۔

فقیر نے خواجہ غریب نواز سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اجمیری کے حالات میں پڑھا ہے کہ حضرت غوث الاغیاث قطب الاقطاب محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمتہ نے جب یہ آواز (قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ) بلند کی۔اس وقت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نجد کے پہاڑوں میں اپنے مجاہدہ میں مشغول و مصروف تھے۔ جونہی یہ آواز غیب سے کھلی فضا میں گونجتی ہوئی آپ کے کانوں میں آئی۔ سب سے پہلے اس آواز پر جس نے گردن خم کی وہ خواجہ غریب نواز اجمیری تھے۔ پھر زمانہ بھر کے اولیاء اللہ نے عمل کے ساتھ یہ ثابت کر دیا کہ حقیقتاً آپ کا قدم مبارک ہماری گردنوں پر ہے۔ کیونکہ جہاں تک آپ کی رسائی ہے۔ وہاں کسی کی بھی نہیں۔ گو حضرت غریب نواز سلطان الہند اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا خود حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیثیت خالہ زاد بھائی ہونے کے بہت احترام فرمایا کرتے۔مگر جب میدان معرفت الٰہیہ میں حفظ مراتب کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو غریب نواز ہی اس ارشاد پر سب سے پہلے جھکتے ہیں۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ۔ حضرت غوث پاک کے زمانہ میں ایک بزرگ شیخ صنعان تھے جنہوں نے اس آواز پر لبیک نہ کہی۔ اور انکار کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس ولی کے کندھے پر میرا قدم نہیں ہے اس کے کندھے پر خنزیر کا قدم آئے گا۔ چنانچہ بڑا مشہور قصہ ہے کہ شیخ صنعان اس واقعہ کے بعد ایک یہودیہ عورت ناپید نامی کے عشق مجازی میں گرفتار ہو گئے۔ مریدین چھوڑ گئے۔ یہودیوں کے دروازے پر بود و باش ہو گئی۔ ناپید کے عشق میں رات دن ان کے خنزیر چرایا کرتے۔ اور اس وقت تک چراتے رہے جب تک سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اس مخمصہ سے نہیں نکالا۔ اور اپنی کرامت کے ماتحت ناپید کو اسلام سے مشرف فرما کر نکاح نہیں کر دیا۔ پھر اس فرمان عالی کی سمجھ آئی۔ کہ کیونکر آپ کا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے اور اگر آپ اپنے اس لشکر کی نگہبانی نہ فرمائیں۔ تو کسی کا کسی مخمصے میں الجھ جانا اور منازل میں چکر کھا کر گرنا کوئی بعید از قیاس

بات نہیں۔ العیاذ باللہ۔

فقیر اس حقیقت اعلیٰ اور کیفیت عظمیٰ کو کہاں تک بیان کرے جس میں معانی جوش ور جوش اور خامۂ خامی بلحاظ ادب خاموش۔ یہ وہ کلام مبارک ہے جس کے رموز و اسرار کو سمجھنا بغیر اس کے محال ہے کہ ہر مقام کی بولی اس مقام کی بلندی میں پہنچ کر اور اسی ماحول کی وسعت میں اپنے آپ کو لے جا کر اسی متکلم کی روحانی امداد سے اپنے آپ پر وارد کر کے بولی جائے اور ان حقائق کو اسی کے دامن کے سائے میں بیٹھ کر اُسی دیس کی زبان میں ادا کیا جائے۔ وہ معترض جو اس حقیقت سے نا آشنا ہے۔ اسے اپنی بذلہ سنجی اور لن ترانی اپنے جیسے چمگادڑوں تک ہی محدود رکھنی چاہئے کیونکہ اس میدان میں آنا صرف مردان پاکباز کا کام ہے۔ شعر

بیان رمز و اسرار الٰہی — تو ان فہمیدن از انوار شاہی
زہے شاہ معلیٰ بارگاہے — کہ حکم اوست ماہے تا بماہی

فی زمانہ یہ مسئلہ چونکہ بعض صوفیا کے نزدیک نہایت مختلف فیہ ہو چکا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا بعض حضرات نقشبندیہ نے پنجاب میں اور بعض چشتیوں اور قادریوں بعض نظامیوں اور قادریوں وغیرہ مختلف سلاسل کے فقراء نے ہندوستان میں اس پر بہت معرکہ آراء بحثیں کی ہیں۔ اور دونوں جانب سے اس پر کچھ انداز و نہج سے تکرار ہوتی رہی ہے کہ الامان۔ اس مہذبانہ وصوفیانہ بحث میں اور ایک بڑی سے بڑی گستاخی میں کوئی فرق نہیں رہا۔ قادری حضرات نے اپنی عقیدت میں وہ زیادتی اختیار کی اور ایسے بڑھے کہ انہوں نے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ صرف معاصرین و متاخرین بلکہ مقتدمین حضرات تک پر بھی فضیلت دے دی۔ حالانکہ یہ امر تجاوز عن الحد تھا۔ اور اگر خود بھی حضور غوث پاک رضی اللہ عنہٗ اس بحث کو سنتے تو ہرگز ہرگز یہ گوارا نہ فرماتے کیونکہ متقدمین حضرات رحمہم اللہ میں خود ان کے پیران طریقت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی جماعت بھی شامل ہے۔ جن پر فضیلت غوثیت کسی طرح بھی جائز بلکہ ممکن ہی نہیں اور نہ ہی کوئی باخبر انسان اپنے شیخ کے متعلق اس قسم کے الفاظ استعمال کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ تو ایسے الفاظ تفوق و تعلیٰ کا تصور بھی

نہیں لاسکتا۔ پھر کیونکر باور ہوسکتا ہے کہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے پیران عظام اور مشائخین کرام کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ میرا قدم ان کی بھی گردنوں پر ہے اور میں ان سب سے افضل و اعلیٰ ہوں۔

اسی طرح چشتی اور نظامی حضرات بھی یہ کہنے میں حد سے بڑھ گئے کہ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمتہ اور حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مرتبہ حضور غوث پاک سے کہیں زیادہ بلند اور ان کی شان آپ سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ حضرت غوث کا زمانہ ان سے پہلے کا ہے۔ اور کوئی شخص دعوے سے نہیں کہہ سکتا کہ ان بزرگان دین کے کمال کا کیا عالم تھا۔ اسی طرح بعض نقشبندی حضرات نے بھی سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان قدمی ھذہ۔ کے خلاف کلام کیا ہے۔ اور وہ بھی بعض اولیاء اللہ نقشبندیہ کو اس فرمان سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ صاحب نظر (آنکھوں والے) لوگ اس باب میں خاموش ہیں اور جنہیں اس راہ میں کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ بلکہ آنکھیں ہی نہیں رکھتے وہ بحث و تمحیص میں مبتلا ہیں۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ یہاں اس افراط و تفریط سے تمہارا کیا تعلق ہے۔ اور کس نے تمہیں منصف بنایا ہے کہ تم حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی کی محبوبیت اور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبوبیت کا مقابلہ کراؤ۔ ترازو ہاتھ میں لو اور دونوں حضرات کی محبوبیت کا وزن کر کے انصاف کردو کہ کس کی محبوبیت بھاری اور علوشان رکھتی ہے کس نے تم سے فتویٰ پوچھا ہے کہ سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری کی شان اور غوث الاعظم کی شان کو ناپتے پھرو۔ اور بتاؤ کہ جاہل ملنگوں اور نام نہاد خشک صوفیوں کو دونوں حضرات میں سے کس ایک کو ذلیل کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ یہ تقدس و بزرگی کے مدعی نہیں سمجھتے کہ صرف ایک اللہ وحدہ کی شان ہی اس قسم کے اختلافات سے بری ہے جس کی کوئی نظیر اور مثل نہیں۔ خدا کے بندوں میں تو اختلاف مراتب ہوتا ہی ہے۔ مگر اندازہ وہ کرے جو ان سے آگے یا ان کا ہم پلہ ہو۔ یو۔ پی کے سموسے اور فاسفورس کا

تیل بیچنے والوں کو یہ فکر کیوں دامنگیر ہوئی۔ جو بیچارے درویش کو جانیں۔ نہ درویشی کو۔ مثل مشہور ہے۔ حلوا خوروں را روئے باید۔ غوثیت ومحبوبیت کا وزن کرنا ناشناسوں اور بازاری لوگوں کو زیب نہیں دیتا۔ اللہ کریم رحم فرمائے۔ اور مقبولان بارگاہ کی ان بلند ترین ہستیوں کو ایسے نا اہلوں کے ہاتھوں اور زبان سے مجروح نہ کرائے۔ ان مباحث میں حصہ لینے والے زیادہ تر وہی افراد ہیں جن کا باطن یا تو بالکل کورا ہے کہ اس کی مس سے بھی بے بہرہ ہیں۔ اور یا پھر ہیں تو مبادیات سے آگے قدم نہیں بڑھا سکے۔ ہر چہار خاندانوں کے منتہی بزرگ کبھی بھی اس قسم کے مباحث میں نہ الجھے اور نہ الجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس راہ میں ہر الوالعزم ہستی کا ادب واحترام شرط اولین ہے اور ہر شخص کو یہی شعار اختیار کرنا چاہیے۔

فقیر کہتا ہے کہ اس افراط وتفریط سے اہل اللہ کی توہین ہوتی ہے ہر درویش کو اس روش سے قطعاً اجتناب لازم ہے۔ اور اس مسئلہ میں سب سے مناسب وموزوں عقیدہ یہ ہے کہ اس فرمان غوثیت کو صرف عہد غوثیت کے تمام اولیاء اللہ تک محدود سمجھ جائے کیونکہ ایسا ماننے سے ایک طرف تو مختلف خیال آرائیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور دوسری طرف ایک صحیح راہ بھی مل جاتی ہے۔ کہ متقدمین حضرات میں جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور خود سیدنا غوث الاعظم کے پیشوایان دین شامل ہیں ان کی تنقیص شان نہ ہوگی۔ اور متاخرین میں سیدنا مہدی علیہ السلام اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی وغیر ہم رحمہم اللہ بھی اس امانت سے باہر رہ جائیں گے اور یہی فتویٰ حضرت شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دہلوی دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ قدمی ھذہ کے ارشاد کو عہد غوثیت کے اولیاء کرام تک ہی محدود رکھنا چاہیے بلکہ یوں فرمایا کہ یہ حکم اولیائے وقت کے ساتھ ہی مخصوص تھا اولیائے ماقبل ومابعد کے لئے نہیں۔ اسی طرح حضرت شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین عمر سہروردی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب عوارف المعارف میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ یہ کلمات آپ کی زبان سے حالت سکر میں صادر ہوئے تھے۔ بہر کیف اگر واقعی یہ الفاظ کہے گئے ہیں تو بہ امر الٰہی ہی کہے ہوں گے۔ کوئی شیخ وقت از راہ تبحر ایسے الفاظ اپنی زبان سے نہیں نکال سکتا کیونکہ

فقر اور فقیر میں رعونت وخودی بمنزلہ کفر ہے۔

ایسے الفاظ کا اطلاق واقعی اولیائے وقت پر ہی ہوسکتا ہے اور اگر حالت سکر میں یہ صادر ہوئے ہیں۔ جیسا کہ حضور سیدنا شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رضی اللہ عنہ نے ارقام فرمایا ہے تو پھر ان کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ اور نہ اس کا کوئی نتیجہ ہی مترتب ہوسکتا ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ یہ بحث کرنا ہی فضول ہو جائے گا۔ باقی رہی آپ کی علوشان اور علومرتبت۔ سواس سے نہ کسی کو انکار رہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔

آمدم برسر مطلب۔ اگر ساقی القوم سے مراد ذات غوث ربانی ہو۔ جیسا کہ ارشاد نہمت لکسرتی بین الموالی دلالت کرتا ہے۔تو جو معنے مندرجہ بالا بیان میں کئے گئے ہیں صاف اور ظاہر ہیں۔ اور ھموا وشرابو انہی معنوں کی طرف اشارہ ہے۔ نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ساقی سے مراد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہو چنانچہ۔ شربتم فضلتی اسی مطلب کا ادا کرنے والا اشارہ ہے۔ اور معنے بھی ظاہر ہیں یعنی قصد کرو اور پیو اور یہ خیال نہ کرو کہ ہمارے پینے سے شراب کم ہو جائے گی۔تم نے پسماندہ پیا ہے۔ ابھی شراب جوش میں ہے اور ساقی ہوش وخروش میں۔ اور اس میں مشار الہیہ نبی علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کی وسعت حوصلہ وفراخی رحمت ہے کیونکہ حضور کا حوصلہ حقائق اعلیٰ کا ایک بحر مواج ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ساقی سے مراد و ذات باری ہو۔ اور اس پر بھی لفظ ساقی کا اطلاق ازروئے شرع شریف جائز ہے۔ جیسے کہ اذا مرضت فھو یشفین واذا عطشت فھو یسقین ۔آیت قرآنی وحدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ماحصل ہے۔ اور بزرگوں کے اکثر ارشادات میں ایسا اطلاق پایا جاتا ہے اور ان معنوں میں یہ رمز ہوسکتی ہے کہ اللہ کریم خود اپنے اہل قرب کا ساقی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف کا مضمون ابیت عند ربی ھو یطعمنی و یسقینی ۔اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ بھی معنے لئے جاسکتے ہیں کہ ساقی قوم سے مراد عشق ہو۔ جیسے کہ فرمان سقانی الحب میں فرمایا گیا ہے کہ مجھے عشق ومحبت نے شراب وصل کے پیالے بھر بھر کے پلائے۔

نیز معلوم ہو۔ کہ الوافی کے معنے وفا کرنے والا اور ملال کے معنے غمناک کرنے والا ہیں اور وافی کے معنی تمام بھی ہوسکتے ہیں۔ اور ملال کے معنے اندوہ۔ پھر بہرحال وافی کا موصوف یا تو شراب ہے یا جام۔ پس دوسری صورت میں مبالغہ تمام کا تمام میں ہوگا۔ اور اس شعر میں طالبان عالی ہمت کی تسلی اور آنجناب کا حوصلہ ظاہر ہوتا ہے یعنی اے تشنہ لبو خاطر جمع رکھو اور شراب پیو۔ یہاں تک کہ تمہاری تمناؤں کے پیمانے لبریز ہو جائیں۔ کیونکہ ساقی قوم بفحوائے کل یوم ھو فی شان موج میں ہے اور تشنہ لبوں میکشوں کی کثرت کے باوجود بھی شراب خانہ وحدت کا دروازہ ابدی طور پر کھولے۔ فراخدلی اور جوش سے دعوت دے رہا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔

جام پنجم

بزم افروزی معانی

شَرِبْتُمْ فُضْلَتِیْ مِنْ بَعْدِ سُکْرِیْ
وَلَا نِلْتُمْ عُلُوِّیْ وَاتِّصَالِیْ

میرے مست ہوچکنے کے بعد تم نے میری پس خوردہ شراب پی مگر میرے
والا تقرب اور بلندیٔ مدارج تمہیں حاصل ہوسکا

پی چکا میں جب تو اک مستی ہوئی
پھر شرابِ معرفت سستی ہوئی

میرے پس خوردہ کا تھا یہ رنگ ڈھنگ
پی کے تم بھی ہو گئے شیرہ نہنگ

ارشاد ہوتا ہے۔ گو تم نے بھی میرے مست ہو چکنے کے بعد میری پس ماندہ و پس خوردہ شراب معرفت پی۔ مگر جو تقرب الٰہی اور علو مرتبت مجھ کو حاصل ہوا۔ وہ تمہیں حاصل نہیں ہوسکا۔ کیونکہ میرا مرتبہ تم سب سے بلند و بالا اور میرے فیض عام کا مقام سب سے اعلیٰ ہے۔ وہ شراب وصل گو ایک ہی چیز ہے۔ مگر استعداد کے لحاظ سے اس کا حصول جداگانہ حیثیت رکھتا ہے

اور اس کے پا لینے میں مساوات نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہر طالب کا درجہ اور استعداد الگ الگ اور ہر متلاشی کا ظرف علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔

یہاں پر یہ گمان نہ کر لینا چاہئے کہ یہ تقویٰ اور تعلیٰ کا کلام سرکار غوثیت مآب نے کیوں فرمایا ہے۔ اگر اپنے لشکر اہل اللہ پر شراب معرفت سے نوازش کی تھی۔ تو اس کا احسان جتانا کیا ضرور تھا۔ صاحب حوصلہ اور عالی ہمت حضرات اپنے ماتحتوں پر انعام و اکرام فرما کر احسان جتانے کا آئین نہیں رکھتے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نہ دوائے فوقیت ہے اور نہ ہی مسئلہ تعلیٰ۔ بلکہ جیسے ایک الوالعزم سردار یا بادشاہ اپنی قوم یا اس کے کسی فرد پر انعام فرما کر از روئے حکمت ساتھ ہی یہ بھی فرما دیتا ہے کہ یاد رکھو میں بادشاہ ہوں۔ اور میں سب کچھ کر سکتا ہوں تو اس سے اس کا مطلب اپنے مصاحب پر شہنشاہیت جتانا مقصود نہیں ہوتا کیونکہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب اس کو حد اعتدال پر رہنے کی تعلیم دینا اور ادب سکھانا ہے۔ تا کہ اس کا حوصلہ ان انعامات کا متحمل ہو جائے اور یہ برابری کا دم نہ مارنے لگے امیروں یا فقیروں سے جس کسی نے یہ شیوہ اختیار کیا۔ کہ اپنے ہی محسن کے ساتھ برابری کا شوق چرایا اور مدعی بن بیٹھا۔ تباہ و برباد ہوا۔ کیونکہ یہی شرک فی الاحسان اور بغاوت عن المحسن ہے جس سے ہر شخص کو ہر مقام پر اجتناب کی ضرورت ہے۔ شعر

ایں بود تعلیم شاہاں ہوشدار — ظاہرش جذبہ بدل مہر نگار
دید معشوقاں بود در چشم عام — دیدہ خونیں بخاصاں شادکام
تا توانی ہوشدار و ہوشدار — در وضوحش مثل گویم بار بار

چنانچہ ایک مشہور ولی کا ذکر آیا ہے کہ اس نے دل میں یہ گمان کیا۔ کہ جس حال کے اہل معرفت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اسی حال کا پانے والا میں بھی ہوں۔ اور یہ میری وراثت ہے اس کے اس وسوسہ قلبی کا جب حضور کو علم ہوا تو آپ قہر میں آ گئے۔ اور اس کے حال کو کچھ عرصہ کے لئے ضبط کر دیا۔ تا کہ اس کا یہ خیال نکل کر اس کی اصلاح ہو جائے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ ارادتمند کسی حد تک بھی جوش و خروش کیوں نہ

دکھائے علوم رتبت میں شیخ کی برابری کا دم نہیں مار سکتا۔ باپ کی بلندی درجات پر پنجہ مارنا صوری و معنوی دونوں لحاظ سے بیٹے کی حماقت کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آداب طریقت اور حفظ مراتب میں یہ چیز شامل کر دی گئی ہے اور تعلیماً بذریعہ نبوت تامہ امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ کو سبق دیا گیا ہے۔ مثنوی۔

عین فضل حق بہ بیں بر مصطفیٰ | قسم خوردہ در قرآں او والضحیٰ
باز وجدک عائلاً ضالاً بگفت | یعنی ایں دولت ندانی مفت مفت
شکرما بگذار ورنہ کبرما | جذبہ دارو زعالم ماورائے
رحم ماؤ قہر ما ابر و وردیف | یار ما باید کہ باشد خوش خریف
ہم بخند لیک گرید درنہاں | دلستانی ما بفہمد دستاں
قہر ہا بکنیم باشد رحمہا | ہست ایں اغراض ماصد فہمہا

درنہاں رحم است در ظاہر غضب
میتوانی یافت اے روشن لقب

سبحان اللہ۔ قصیدہ حمیدہ شریف کے اس شعر میں کس قدر اسرار ظاہر فرمائے ہیں۔ اور بلندی شان کن الفاظ و اشارات میں تذکرہ فرمایا ہے۔ تا کہ ہر کوئی اس راہ معرفت کا راہرو اپنی حقیقت سے آگاہ ہو کر قدم اٹھائے اور میری وساطت سے منزل مقصود کو پائے۔ شاید بندگان خدا کے نزدیک **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** کا مفہوم انہی معنوں میں لیا ہو یعنی **من عرف نفسہ فی الفناء فقد عرف ربہ بالبقاء**۔ جس نے اپنے نفس یا اپنے آپ کو اپنی حیثیت و حقیقت باطنی میں فنا کے لحاظ سے پہچان لیا۔ کہ میری ہستی فانی ہے۔ اس نے اپنے پیدا کرنے والے خالق و مالک کو اس کی بقاء کے ساتھ حی و قیوم اور لازوال باقی جان لیا۔ کیونکہ صانع کی تمیز مصنوع سے ہوتی ہے جسے ہر مقام پر اپنی ہستی کی تمیز نہیں ہوتی۔ وہ گمراہی و ضلالت کے گڑھے میں گرتا ہے اور فرعون و نمرود کے رستہ پر مرتا ہے۔ یہاں پر اس مضمون میں فقیر کو حضور غوث الاعظم کے ایک دوسرے قصیدہ کا شعر یاد آیا ہے۔ جس میں آپ نے اپنے کمالات کا عجیب رنگ میں تذکرہ فرمایا ہے۔

شعر

وَمَا قُلْتُ هٰذَا الْقَوْلَ فَخْراً فَاِنَّمَا　　تَکَلِّمُ رَبِّیْ مِنْ لِّسَانِ حَقِیْقَتِیْ
وَمَاقُلْتُ هٰذَا الْقَوْلَ مِنِّیْ فَاِنَّمَا　　اَتَانِیْ النَّدَاءُ لِتَعْرَفُوْنَ طَرِیْقَتِیْ

ترجمہ

آنچہ گفتم نیست از فخرو ریا　　بلکہ خود گفت از زبان خود خدا
من نہ گفتم ایں ہمہ گفت از خودی　　بل ندا آمد بگو راہ سوی
خود بیاں کن تو طریق خویش را　　تابود رہبر ہمہ درویش را

کلام الملوک ملوک الکلام۔ خاصان خدا کا طرز تکلم ہی انوکھا ہوتا ہے۔ الفاظ کچھ ہوتے ہیں اور مطلب کے اسرار کچھ ہوتے ہیں۔ ہر شخص ایسے کلام کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا۔ سوائے اس کے کہ رب العزت خود جس کو اپنا راز دار بنائے یا راز سمجھنے کی اہلیت بخشے۔ بعض کج فہم۔ بدعقیدہ مجہول۔ بزرگان دین کے بعض ان ارشادات پر معترض ہوتے ہیں۔ جو انہوں نے محویت و استغراق کی حالت میں زبان فیض بیان سے نکالے ہیں۔ چونکہ وہ کسی دور کے دیس کا راگ ہوتا ہے اور سمجھنے بیٹھ جاتے ہیں وہ جن کو شرعی طور پر استنجا بھی کرنا نہیں آتا۔ اور قدیم سے جن کے لیل ونہار کی گزرگاہ سینما کی عشرت گاہیں ہوتی ہیں۔ ایسے یاوہ گو لوگ بھلا کیا سمجھ سکتے ہیں۔ کہ راز الٰہی کیا ہے اور یہ آواز کس کی ہے۔ غیر ممکن کی رٹ جن کا مطمح نظر اور انسانیت کی انتہائی پستی کا تخیل جن کا بلند ترین نظریہ ہو۔ ان کو سر خدا کی منازل سے کیا تعلق۔ بس ہر بات میں ایک ناممکنیت ان کے دماغوں میں آ گھسی ہے۔ جس نے ان ناانجام شناس انسانوں کو کہیں کا بھی نہیں چھوڑا۔ جہاں پر ان کا ماؤف دماغ رسائی نہ رکھے وہ زمانہ بھر کے لئے ناممکن سمجھتے ہیں۔ مگر یہ اِن کے بس کا روگ نہیں۔ لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی نے کیا سچ فرمایا ہے۔

رباعی

منصور نے کہا خدا ہوں میں　　ڈارون بولا بوزنہ ہوں میں
سن کے یوں بولے میرے اک دوست　　فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اسرار و روحانیت کی حقیقت اعلیٰ کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو مولا کریم کی طرف سے پاکیزہ دل طبع بلند ہمت مردانہ اور ذوق سلیم ودیعت ہو چکا ہو۔ نا اہلوں کے اس میدان میں رینگنے کی مثال اس لطیفہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ لطیفہ۔ ایک بیوقوف طالب علم استاد سے فارسی پڑھ رہا تھا۔ متقی کا لفظ آ گیا۔ شاگرد نے استاد سے پوچھا کہ متقی کی کیا تعریف ہے۔ استاد نے اس کے سمجھانے کے لئے اتقاء و پرہیز گاری اور خوف خدا کی ایک انتہا بیان فرماتے ہوئے جواب دیا کہ متقی اس شخص کو کہتے ہیں کہ اگر ایک غیر مرد اور ایک غیر عورت کسی ایک مکان میں بغیر کسی خوف و حفاظت کے شب باش ہو جائیں تو صبح ان کو نہانے کی ضرورت نہ ہو۔ استاد صاحب نے اس شب باشی میں پاکیزہ خیالی بیان فرمائی۔ مگر شاگرد صاحب ناممکنیت کے حامل تھے۔ استاد صاحب کا جواب سن کر بولے۔ متقی کی تعریف سمجھ لی ہے۔ ہمارے وطن میں مخنث (ہیجڑے) کو متقی کہتے ہیں۔ جو نہ مرد ہوتا ہے نہ عورت۔ یہی حال ان بے لگام چودھویں صدی کے نام نہاد محققین کا ہے۔

شربتم میں جو کہ ماضی کا صیغہ ہے۔ اس موقعہ پر خواہ وہ اپنے ماضی ہی کے معنوں میں مستعمل سمجھا جائے۔ خواہ امر کے معنوں میں۔ جیسا کہ اوپر مذکر ہوا بہر حال اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ تمام اولیاء اللہ کا آپ کی پس خوردہ شراب پینا یا معرفت الٰہی کے خمخانہ سے سرور حقیقی پیدا کرنا ایک تحقیقی امر ہے اور خطاب میں بھی یہی رمز ہے کہ وہ تمام کے تمام بالا جسام یا بالا رواح حاضر و موجود تھے۔

دریں عالم چہ ارواح و چہ اجسام	طفیل مصطفیٰ اصحاب اعلام
غلام محی دین بہت خوش بفہمی	معانی را اگر فارغ ز وہمی

اور فصلتی میں جو یائے متکلم ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ آنجناب محبوب سبحانی۔ قطب ربانی۔ غوث صمدانی، شاہ شاہاں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ و عرفان تمام اہل قرب سے بلند تر ہے۔ کیونکہ حضور فرماتے ہیں۔ میرے پس خوردہ سے ان کے مدارج نے ترقی پکڑی اور اسی کی برکت سے سب کی بگڑی بنی۔

اور بعد سکری بھی اسی امر کی تصدیق کرتا ہے کہ میرے سیر ہو چکنے کے بعد دوسروں کو شراب وصل حاصل ہوئی ہے کیونکہ فضلہ کسی کھانے کا اسی وقت ہوتا ہے۔ جبکہ اس کو پہلے

کوئی کھا کر بقیہ چھوڑ چکا ہو۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

اور ولانلتم میں یہ ایک لطیف تر رمز ہے کہ ہر مرید اگر تصور شیخ کے ماتحت اپنی پوری پوری سعی کو کام میں لائے۔ اور فنا فی الشیخ کی منزل کو پائے تو اپنے پیر کے درجہ پر فائز ہو سکتا ہے مگر یہاں یہ حال ہے کہ اس دربار عالی میں کیا پیر اور کیا مرید سب حضور کے قدموں میں ہیں۔ اور نیز یہ بھی اشارہ ہے کہ کوئی مرید ہر چند ترقی کیوں نہ کر جائے۔ اپنے شیخ کے قدموں سے ہرگز ہرگز نہیں نکل سکتا۔ اور اگر اس کو کسی وقت میں یہ خیال باطل پیدا ہو بھی جائے کہ مجھے الوالعزمی کے ماتحت جو درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ اس میں مجھے اب شیخ کی ضرورت نہیں یا میں آئندہ منازل عرفان میں بغیر اس کی اعانت و دستگیری کے چل سکتا ہوں تو گمراہ ہو جاتا ہے رب العزت ہر ارادتمند کو ایسے باریک وسوسہ شیطانیہ اور خطرہ نفسانیہ سے محفوظ و مامون فرمائے۔ فقیر یہاں ایک نہایت عمدہ سبق آموز اسی حقیقت کی ایک حکایت لکھتا ہے اور وہ یہ ہے۔ حکایت۔

حضرات خواجہ مشکل کشا محبوب خدا سیدنا خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک مقام تنہا میں آپ کے ایک مخلص و صادق مرید خواجہ محمد پارسا رحمتہ اللہ علیہ عالم محویت واستغراق میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ حضرت شیخ خواجہ غریب نواز نقشبند علیہ الرحمتہ پاس جا کر کھڑے ہو گئے مگر خواجہ محمد پارسا کو اپنی محویت میں کوئی علم نہ ہوا۔ حضرت خواہ مخدوم شیخ بہاؤ الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ نے چاہا کہ اپنے اس مرید مخلص و عاشق کی پرواز کا معائنہ کرے۔ مگر جہاں تک روحانی پرواز میں پر مارے۔ معرفت الٰہی کی بلندیوں میں خواجہ محمد پارسا کی منزل کو نہ پا سکے۔ آخر جب پرواز عرفان کا یہ عالم دیکھا تو فوراً بیٹھ کر خواجہ محمد پارسا رحمتہ اللہ علیہ کے پاؤں پکڑ لئے اور بارگاہ الٰہی میں یوں گویا ہوئے کہ۔

الٰهی بحق این پائیے هائے مقدس خواجه محمد پارسا بر بهاؤ الدین رحم کن.

یعنی اے میرے خدا خواجہ محمد پارسا کے ان مقدس پاؤں کی طفیل بہاؤ الدین پر رحم فرما۔

بعض درویش اس کی تاویل میں کہ حضرت خواجہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرید کی پرواز کو اس وقت کیوں نہ پا سکے۔ یہ لکھتے ہیں کہ خواجہ محمد پارسا کی وہ پرواز عاشقانہ محویت کی تھی اور خواجہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کی اختیاری۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود وہی الوالعزم اور واجب الاحترام۔ قابل اتباع شیخ تھے۔ اور خواجہ محمد پارسا ایک فیض یافتہ غلام بے دام اور صحیح نقش قدم پر چل کر ان منازل کو پانے والے مرید بلند پرواز تھے۔ آخر شیخ کے قدوم میمنت لزرم سے ہٹ کر جائے کہاں۔ جتنی بلندیاں حاصل ہیں وہ انہی قدموں کی طفیل ہیں۔ کیونکہ جو شخص کسی بلندی پر چڑھتا ہے اور کسی مکان کی بالائی منزل کو پاتا ہے زینے کا حق اس کی گردن پر ہی ہوتا ہے۔

مثنوی

حق کشتی برگزر باناں بود　　گرچہ از دریا بآنسو میرود
حق قائف راہرواں را شکر خواہ　　حق بیداراں بغافل انتباہ
بندہ را گر شاہ بنشاند بہ تخت　　حق گرنگذاردش شد لخت لخت
حق لازم واجب آید برہمہ　　از خدا و بندگاں چوپاں رمہ
اوستادانرا بنی مولا بگفت　　نام ونگ از خدمت شاہاں بشست
تو کجا از حق شیخ آئی بروں　　ہرچہ یابی از طفیل اوست چوں
محو شودر امتثال امراوٗ
تابہ بینی نور رب از موبمو

یہاں پر لفظ سکر۔ علو اور اتصال کے معانی سمجھنے چاہئیں۔ اگر ان تینوں کو متحد بالذات سمجھیں۔ تو بھی روا ہے۔ مگر حیثیت اور اعتبار کے لحاظ سے فرق ہے۔ لفظ اتصال میں جس کے معنے وصول کے ہیں۔ قرب کا ہونا پایا جاتا ہے مگر ایسا قرب نہیں جو محض اضافی ہو بلکہ وہ قرب جو محو و فنا کی حد تک پہنچا ہو۔ اور اس کا ظہور بقا کا ظہور ہو۔

اتصال و وصل میدانی کہ چیست
محو و فانی گشتن است و زندگیست

علو میں عروج کا رستہ ناسوت کی گہرائی سے گزر کر لاہوت کی بلندیوں کو جاتا ہے اور اگرچہ یہ رتبہ درجۂ وصول تک پہنچتا ہے لیکن ارتفاع کے لحاظ سے کیونکہ علو بعض اوقات عارضی اور اضافی بھی ہوتا ہے۔مگر یہاں چونکہ سیدنا غوث الاعظم متعلق ہے۔اس لئے اسی درجہ کو انتہائی سمجھنا چاہئے کیونکہ سکر میں اپ سے بے خود ہو جانا جس سے مراد انو رحقیقی کے مشاہدہ سے وجود کا فنا ہونا ہے۔(اگرچہ یہ بھی حصول درجات میں ایک رکاوٹ ہی ہے) علو حقیقی کہلا سکتا ہے کیونکہ ذات حقیقی میں سکر وہی انتہا درجہ کی بیخودی ہے۔جس سے مراد وجود کا فنا ہو جانا اور اس کے بعد جو چیز باقی رہ جائے اس کا بقا ہے۔

مثنوی

سکر اوسط گریہ و زاری بود　　سکر کامل عین ہشیاری بود

گاہ بیخود گاہ صحو و گاہ سہو　　مبتدی را نیز باشد سکر و محو

کیونکہ سکر دو قسم ہے ایک محمود اور دوسرا مذموم۔محمود اس کو کہتے ہیں جو کہ عین صحیح ہو اور دوسرا مذموم جو کہ حیرت اور حقائق امور کی عدم شناخت سے پیدا ہو۔شعر

قصہ دور و سینہ ہازیں جوش جوش
مطلع انوار باشی دار گوش

تین چار الفاظ شعر میں جویائے متکلم کی جلوہ آرائیاں اور حقیقت کشائیاں ہیں۔اس کی رموز سے عقدہ کشائی اور عہدہ برآئی کا واسطہ بغیر رحمت الٰہی کے محال ہے۔قلم اس کی تحریر سے قاصر اور تخیل و ادراک اس کی تقریر سے عاجز ہیں۔ہاں اس کیفیت وجدانی سے وہی واقف ہو سکتا ہے جس کا خود ذوالجلال حامی و ناصر ہو۔طالب و مطلوب کے اشارات کی گرہ کشائی ایک ہیچدان سے ناممکن ہے۔

در دم از عشق تو اے مایہ شادی جذب است
شرب تو نوش صفا شکر بقائش عجب است
داروئے در دیدہ از لب شفای دلبر
اے کلام تو بقا بحر شفائش عذب است

جامِ ششم

فیضِ ربانی

مَقَامُکُمُ الْعُلٰی جَمْعًا وَّلٰکِنْ
مَقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَا زَالَ عَالِیْ

تم سب کے مقام ذاتی طور پر بہت رفیع ہیں۔ لیکن میرا مقام تم سب سے ارفع اور ہمیشہ بلند ہے جہاں کوئی نہ پہنچے۔

ہیں تمہارے وہ مقاماتِ بلند
پا نہیں سکتی جنہیں علمی کمند
پر مرا درجہ بہت محمود ہے
جو تمہاری منزلِ مقصود ہے

اس شعر میں بسوئے اقطاب خطاب فرمایا گیا ہے۔ کہ تمہارے درجات تقرب الی اللہ کی پہنائیوں میں بہت بلند و رفیع ہیں۔ جہاں تک رسائی بجائے خود رحمتِ الٰہی کا ایک خاص الخاص حصہ ہے لیکن وہ اس میدان معرفت کی انتہا نہیں ہے۔ جس پر عجب و ناز کر سکو کیونکہ میرا درجہ اور مقام تم سب سے زیادہ اتنا بلند وارفع ہے جہاں تک تمہاری رسائی محالات و ناممکنات سے ہے

اور باوجود سعی کے بھی تم وہاں تک نہیں پہنچ سکو گے۔ کیونکہ وہ درجہ خاص صرف میرے لئے ہی ودیعت فرمایا گیا ہے۔ الا ماشاء اللہ جسے محبوب نے نوازا ہو۔

یہاں پر الفاظ مقام وحال کو جو اصفیا و اولیاء کی خاص اصطلاحات سے ہیں غور کرنا لازم ہے۔ اس لئے کہ بعض جگہ وہ ان کے معنوں میں فرق کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ جب سالک اپنی منزل میں ترقی کرتا رہے۔ اور ہر لحظہ و ہر روز امتیازی حیثیت کے ساتھ اس کا کمال حصول مطلب تک پہنچتا رہتا ہے۔ تو اس کو حال وتصریف وتلوین وگردش کہتے ہیں اور جب وہ ایک خاص ایسے مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے کہ جس سے آگے گردش اور تحویل اس کے لئے ممکن ہی نہ ہو اور اسی منزل پر قرار پکڑ جائے۔ تو اس کو مقام کہتے ہیں اور بعض اوقات اس کا اطلاق اس مقام نوعی پر بھی ہوتا ہے۔ جس سے آگے نوعی تحویل اور تصریف ممکن ہے۔ چنانچہ پہلے سیدنا غوث الاعظم نے **بحالی وادخلوا** فرمایا۔ اور آگے چل کر یصرفنی وحسبی کا ارشاد سنایا ہے جو اسی کی طرف دلالت کرتا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ حال کے اپنے معنے اور لفظ مقام کے اپنے لغوی معنے مراد ہوں۔ اور اگر مقام نوعی ہی مراد لیا جائے تو اس میں بھی ایک خاص اشارہ پایا جاتا ہے کہ تم کو جب ہمارے ہی مقام نوعی تک رسائی نہیں تو تم مقام نوعی حقیقی تک کیونکر پہنچ سکو گے اور جب ہمارے حال ہی میں آنا محال ہو تو ہمارے مقام کی محفل میں دخل کیسا۔

اس فرمان میں قطبوں کو تسلی بھی دی گئی ہے کہ اگرچہ تم ہمارے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے مگر پھر بھی تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ بذاتہ تمہارے مقامات و درجات بہت بلند ہیں۔ جن کو پا لینا ہر راہرو کا کام نہیں بلکہ یہ پانے والے کی خوش قسمتی ہے جو خاص فضل ایزدی ہے۔

اس موقعہ پر اگر یہ شعر پہلے شعر کی تفسیر سمجھا جائے تو بھی موزوں ہے یعنی اقطاب کو فرمایا جارہا ہے کہ تم ہمارے علو واتصال کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ خواہ تمہارا مجاہدہ کسی حد تک ہمت سے بھی زیادہ اور تمہاری پرواز آپے سے باہر ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ مجھے جو رتبہ ملا ہے اس کے لئے میں ہی خاص کیا گیا ہوں۔ وَھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔

اس شعر میں یہ بھی ایک رمز ہے کہ آنغوث صمدانی ہر ایک قطب پر جو حضور کے زمانہ

میں موجود تھا۔ خواہ وہ کسی مقام اور مکان پر ہو۔ انفرادی اور مجموعی طور پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اور یہ جو بعض لوگ بضد ہو کر کہتے ہیں کہ ممکن ہے کوئی خاص ولی اس سے مستثنیٰ بھی ہو۔ اور اس کا درجہ حضور کے زیر قدم ہونے سے مبرا ہو مگر یہ قول حضور کے زمانہ کے اولیاء کے لئے بعید از قیاس اور غیر ممکن ہے کیونکہ حفظ مراتب و عرف مدارج میں یہ گروہ اہل جہاں سے بہت باریک خیال واقع ہوتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس بیت کی یہ غرض ہو کہ تمام اقطاب کو ترغیب دے کر اس عام گمان سے باہر نکال دیا جائے جنہوں نے اپنے زعم میں یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم وصول الی اللہ کے حصول مراتب میں کمال وانتہا کو پہنچ چکے ہیں تا کہ اسے کمال نہ سمجھیں اور نہ ہی یہ اس میدان کی منتہا ہے کیونکہ جب تلاش کی گئی ذات کی انتہا نہیں تو تلاش کی انتہا کیونکر ہوگی اور اگر وہ اس زعم میں پھنس گئے ہیں تو وہ کمالات وصول الی اللہ کو محدود نہ سمجھیں اور ہماری طرف دھیان کریں۔ جب وہ ہمارے مراتب تک رسائی نہیں رکھتے تو منتہی کیونکر ہو گئے۔ یہ تو وہ بحر نا پیدا کنار ہے جو عبور کرنے والوں کے لئے کنارہ ہی نہیں رکھتا۔ بلکہ آئیں اور ہماری شراب پئیں اور مزید سعی کریں تا کہ وہ ہر ترقی پر ایک اور ترقی کو پائیں اور ہر مقام سے اوپر ایک اور مقام کو معلوم کریں۔ پھر اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان کے مقامات بلند سے بلند ترین اور مقامات بھی ہیں۔ جن کے پانے میں ابھی یہ ایک مبتدی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شعر

آں مقامے کہ من وراں واعی ۔۔۔ کے توانی رسید اے ساعی

از خودی خود بر آو فیض بجو ۔۔۔ ہاں شرابم بنوش نغمہ شنو

نیز اس ارشاد سے بعض اقطاب و اولیاء علیہم الرحمتہ کا تردد و مغالطہ رفع کرنا بھی مقصود تھا۔ جو اپنے کسی حال میں بعض اوقات ایسے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ آگے کی منازل پر قدم اٹھانا عبث خیال کرتے ہیں۔ یا یہ سمجھ کر قدم اٹھاتے ہی نہیں کہ یہاں تک تو اطمینان سے منازل کا عبور رہا۔ آگے کا پتہ نہیں۔ کہ کیا گزرے۔ مبادا کسی الجھن میں گرفتار نہ ہو جائیں یہیں عمر گزار دینا اور اسی حال میں شاکر رہنا بہتر ہے۔ یا بعض کے نزدیک اسماء الحسنٰی سے کسی اسم مبارک کے انوار کا دسویں دوار (یعنی پیشانی کے اندر) ظہور ان کو مغالطے میں

ڈال دیتا ہے۔ جیسا کہ بعض درویشی کے مدعی لنگوٹ بند درویشوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اسی چمک و ضیا کو جو حبس کبیر کے وظیفہ میں معکوس پیشانی کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ میدان معرفت اور مقام فقر کی انتہا سمجھتے ہیں۔ اور ان کے اپنے زعم باطل میں اس سے آگے اور کوئی بلندی نہیں۔ بلکہ بعض کو تو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ انوار الٰہی ذاتی یہی ہیں۔ حالانکہ وہ انوار اسمی ہوتے ہیں جو ہر اسم کی تاثیر کے ماتحت ہر ایک کے لئے ہر وقت ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک صریح مغالطہ ہے اس لئے اس شعر میں میری سرکار غوث الاعظم نے جو رفع تردد کے لئے ارشاد کیا اس کا مطلب بھی یہی تھا کہ بعض اوقات سالکوں کو اپنا حال بزعم خود کمال نظر آتا ہے اور ہر چند اس سے اوپر اور مراتب ہوتے ہیں مگر وہ اپنے اسی مقام کو محبوب رکھنے اور اسی مقام پر مطمئن ہو جانے کے باعث اور درجات و مراتب پر نگاہ نہیں ڈالتے۔ اور جو کچھ ان کو حاصل ہوتا ہے۔ اسی پر قانع ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ چنانچہ بیرونی مراتب اور ظاہری مکاسب والے لوگ بمصداق **کل حزب بمالدھیم فرحون**. اور اسی طرح وہ اولیاء جن کو باطنی مراتب حاصل ہیں۔ اپنے مختلف درجوں پر راضی رہتے ہیں۔ اور جب تک ان کو متنبہ نہ کیا جائے تب تک وہ مزید ترقی کے لئے آگے نہیں بڑھتے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر کوئی سردار قوم اپنے کسی ماتحت سبزی فروش کو حکم دے کہ تم اب سبزی فروشی کے کام کو ترک کر کے اپنی تجارت کو فروغ دینے اور اپنی امارت کو بڑھانے کے لئے بزازی کا کام شروع کر دو تو اب چونکہ سبزی فروش اپنے اسی کسب کے ساتھ مانوس اور راضی ہے اس کسب سے علیحدگی دشوار معلوم کرتا ہے اور اگر اس سے علیحدگی قبول بھی کرتا ہے تو اس لئے نہیں کہ میں بزاز کے کام سے امیر الامراء بن جاؤں گا۔ بلکہ اس لئے کہ سردار کی نافرمانی سے کہیں گرفتار عتاب نہ ہو جاؤں۔ کیا اس کو ایسا کرنے میں حقیقتاً تردد کرنا لازم ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی لاعلمی کے باعث بزازی کے منافع اور اس کی حیثیت سے واقف نہیں ہوتا۔ ورنہ اس پستی پر اکتفا کر کے نہ بیٹھ رہتا اور سبزی فروشی کے مقابلے میں ہر بڑے منافع کے کسب سے جی نہ چراتا۔ شعر

مجملے گفتم بفہم ایں نکتہ را

یاد دار و یاد دار ایں گفتہ را

پس آنجناب غوثیت مآب رضی اللہ عنہ نے سالکان راہ کو ارتقاء منازل کی کیسی تعلیم دی ہے کہ جس سے رازداری کے غنچے کھلتے۔ اور اسرار کے فوارے ابلتے ہیں۔ خیال کی لوح نقش اوہام سے صاف اور فکر کا شیشہ زنگار سے شفاف ہو جاتا ہے ہر راہرو کو چاہئے کہ اس شعر میں جو مطالب مذکور ہیں ان پر خوب غور کرے کہ اس سے ہمت بلند ہوتی ہے اور اپنے کمال کے غلط گمان کے پردہ سے باہر نکلنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ الوالعزم لوگ اسی واسطے العلم حجاب الاکبر کے یہ معنے کرتے ہیں کہ جب انسان کو اپنے علم پر گھمنڈ ہو جاتا ہے تو وہ کبھی بھی درجہ کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔

مازال عال کے ارشاد میں بھی یہی رمز ہے کہ اپنے منتہائے درجات سے مطلع فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ ہمارا رتبہ ہر آن ترقی پر ہے اور راہروان راہ عرفان سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس درجہ کو پا سکے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔ شعر

ستارہ بودی واکنوں مہے ہنوز کجاست　　بایں حساب ترا آفتاب کے باشد

یعنی فنا فی الشیخ ستارہ کے رنگ میں ہوتا ہے اور فنا فی الرسول چاند کے رنگ میں اور بقا باللہ خورشید کے رنگ میں متصور ہوتا ہے۔ سرکار انبیاء منبع ہر ضیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ درجہ ازلی اور بالذات حاصل ہے اور تمام امت کے برگزیدہ افراد اغیاث و اقطاب وغیر ہم کو آپ کی تابعداری اور آپ کی طفیل سے عطائی۔

اوست صاحب خانہ دیگر تبع او
از طفیل مصطفیٰ شد دست شو

جن لوگوں نے اتباع نبوت اور راہ مومنین کے سوا دوسری راہ اختیار کی اور بغیر نسبت بزرگان عظام کے سلسلہ پیری مریدی کو چلایا وہ بے راہ چلے نسبت طریقت وہی صحیح ہے جو کسی باخدا درویش کے واسطہ سے ہو۔ خود ساختہ طریقت اور گھریلو بنائی ہوئی مشیخیت فی زمانہ ایک صریح گمراہی سے کم نہیں جیسا کہ ظہور ہو رہا ہے اور ایک جماعت ایسی پیدا ہو چکی ہے جس کی بے راہروی نے اپنے تقدس کا ڈھول پیٹنے کے لئے ظاہری علم کے حصول کے بعد بغیر کسی نسبت کے سلسلہ بیعت شروع کر دینا اور متقدمین اولیاء اللہ کے طریق سے

لوگوں کو منع کرنا اپنا شعار بنا رکھا ہے یہ لوگ خود میدان معرفت میں نامرد۔ گمراہ اور نور باطن سے ناواقف ہو کر مردوں کے راہزن ہوتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ نام نہاد بیعت کی رسم ادا کر لینے کے بعد اپنے ارادتمند کو قرآن کریم کی کوئی آیت یا اسماء الحسنٰی سے کوئی اسم تلقین کر کے چھوڑ دیں نہ کسی باطنی نسبت سے واقف کرتے ہیں اور نہ ہی خود ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ مکار اپنی ذمہ داری اور مرید کے فرائض کو محسوس ہی نہیں کرتے۔ انہیں تو تعصب کے رنگ میں ہر چہار سلاسل عالیہ کے بزرگان عظام سے اپنی نفسانیت کے ماتحت ایک قسم کی خاص کد ہے۔ جب یہ دیکھتے ہیں کہ درویشوں اور اہل اللہ کی تابعداری میں خدا کی مخلوق دیوانہ ہو رہی ہے تو یہ سرے سے پیری مریدی کی تردید اور بیعت کی مخالفت میں مضمون لکھنے لگتے ہیں۔ اور یہاں تک کہتے سنے گئے ہیں کہ یہ عمل ہی بدعت۔ حرام اور ناجائز و باطل ہے۔ اگر کوئی کسی دوسرے بزرگ کی بیعت کرے تو حرام اور اگر ان کی کر لے تو جائز۔

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

تعصب بری بلا ہے یہ بھی نہیں سوچنے دیتا کہ دشمن کا منہ سرخ ہے تو اپنا پیٹ کر نہ کیا جائے۔ اگر کسی بزرگ کی طفیل کوئی اہلیت پیدا کر لیتے تو اس حسد کے کوئی معنے بھی تھے۔ یہاں تو یہ مثل ہے کہ میرے ایک دوست ایک گاؤں میں بطریق مہمان گئے۔ وہاں کے امام مسجد کے واقف نہ تھے۔ مسجد کو نماز پڑھنے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پیشاب کر کے اٹھا ہے اور اس نے بھی سیدھا مسجد کا رخ کیا ہے اور مسجد میں پہنچ کر بغیر استنجا اور وضو کئے اس نے اذان دے دی ہے۔ میرے دوست نے سمجھا کہ شاید وقت کی قلت کی وجہ سے اس نے ایسا کیا ہوگا۔ اب نماز با جماعت وضو سے پڑھائے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا اور وہ امامت کے لئے اسی حال میں کھڑا ہو گیا۔ اب ان کو پتہ چلا کہ یہی امام مسجد صاحب ہیں۔ ان کو چونکہ اس کی عدم طہارت اور ناپاکیزگی کا علم تھا اس لئے انہوں نے اس کی اقتدا نہ کی اور اپنی نماز پڑھ کر ان امام صاحب سے پوچھا کہ حضرت یہ کیا حرکت ہے میرے سامنے آپ نے پیشاب کیا پھر نہ استنجا کیا نہ وضو اور نماز پڑھا دی۔ کیا اسلام یہی ہے کہنے لگے میاں کیا بتائیں کہنے کی بات نہیں یہ لوگ میرے خلاف ایک دوسرے

مولوی سے زیادہ محبت رکھتے اور اس کا دم بھرتے ہیں اور جو وہ کہتا ہے کرتے ہیں۔ اس لئے میں نے بھی ان سے بدلہ لینے کے لئے یہ طریق اختیار کیا ہے تاکہ ان کو کافر کر کے مارا جائے۔ بعینہٖ یہی حال ہمارے ان نام نہاد اور متعصب بناوٹی پیروں کا ہے۔ خدا ان کی اس اسلام دشمنی سے محفوظ فرمائے۔ شعر

خداوند تو اپنے سادہ لوح بندوں پہ رحمت کر

کہ یہ تقدیس کے نقال عیارانہ نکلے ہیں

یہاں یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ اس امر میں اختلاف ہے کہ روحانی مدارج میں ترقیات بحالت دینوی زندگی میں جاری رہ سکتی ہیں۔ یا مرنے کے بعد بھی یہ اجراء ممکن ہے۔ ہر درویش ان میں سے ایک عقیدہ ضرور رکھتا ہے مگر سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے اس بیت شریف میں دونوں جانب اشارہ ہے یعنی بحالت زندگی اور بعد موت بھی یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ موت سے یہ فیصلہ ہو جاتا ہے۔ کہ مرنے والا آدمی افضل ہے۔ یا ارذل۔ جس طرح ایک انار توڑا جائے یا سیب چیرا جائے تو اس سے اس کی اندرونی صفات کا پتہ لگ جاتا ہے کہ شیریں ہے یا تلخ۔ پرمغز و خوشبودار ہے۔ یا بوسیدہ و متعفن۔ اسی طرح موت سے انسان کے وہ روحانی فضائل ظاہر ہو جاتے ہیں جو جسمانی حجاب میں چھپے ہوتے ہیں۔ یا وہ نفسانی رذائل کھل پڑتے ہیں۔ جو حیات جسمانیہ کے پردہ میں مخفی ہوتے ہیں چنانچہ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ شعر

آنچہ بامعنے است خود پیدا شود

زانچہ بے معنے است خود رسوا شود

مولانا کے قول خود پیدا شود میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ صالحین کے مرنے کے بعد ان کے انوار کمالات کا پرتو پسماندگان پر کسی نہ کسی طرح پڑتا رہتا ہے۔

میر دردؔ نے اس مضمون کو اس رنگ میں ادا فرمایا ہے۔

کرتا ہوں پس از مرگ بھی حل مشکل عالم

بے حس ہوں پہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں

اور مازال عالی میں یہ ہی مضمر ہے اور نیز یہ ارشاد کہ اِنَّ اولیاءَ اللّٰہِ لا یموتون ولکن ینقلبون من دار الی دار۔ بھی عموم ترقیات کا موید ہے۔ درویش ربانی و بندہ حقانی صرف نقل مکانی کرتا ہے۔ مرتا نہیں جیسا کہ شہداء کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلاَ تَقُولُوا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَات" بَلْ اَحْیَآء" وَّلٰکِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے بَلْ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ۔ چنانچہ اسی امر میں اکثر بزرگان دین کے اعمال برزخ شاہد ہیں۔ کسی ہندی شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔ شعر

ہر مرے تو ہم مریں نہیں ہمری مرے بلا
سانچے گروکا بالکانہ مرے نہ مارا جا

قربِ ربّانی

اَنَا فِیْ حَضْرَۃِ التَّقْرِیْبِ وَحْدِیْ
یُصَرِّفُنِیْ وَحَسْبِیْ ذُوالْجَلَالِ

رب العزت کے تقرب میں میں یگانہ ہوں۔ (مراتب سلوک میں) میرے حال کو بدلتا رہتا ہے۔ اور میرے لئے وہی صاحب عظمت کافی ہے۔

ہوں یگانہ قُرب میں پیشِ اِلٰہ
وصل حاصل ہے مجھے شام و پگاہ
ہے بدلتا رہتا میرا حال و قال
ہے مجھے کافی خدائے ذوالجلال

حضور فرماتے ہیں۔ کہ ذات الٰہی کے عرفان اور تقرب الی اللہ کے میدان میں، مَیں یگانہ ہوں اور اس راہ کے راہروں سے میرے زمانے میں کوئی بھی میرا ہمسر نہیں۔ اور وہی میرا بزرگ و برتر خدا مراتب سلوک میں مجھے ایک حال سے دوسرے حال میں لے جاتا ہے۔ اور میرے لئے اسی ذوالجلال کی ذات کافی ہے۔ یعنی میرے مرتبہ اور مقام میں اس

قدر بلندی ہے کہ اس تقرب کی منزل میں کوئی میرا ساجھی نہیں۔ قرب خداوندی میں، میں ہی یگانہ اور مقامات سلوک میں، میں ہی مردانہ ہوں۔ کیونکہ میرا ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل ہونا محض ذات باری ہی کی طرف سے ہوتا ہے اور وہی بہ تقاضائے استعداد مجھے نور خاص بخشا رہتا ہے۔ وَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤتِیہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

تشریح۔ یاد رہے کہ لفظ انا کے دو استعمال ہیں یہ دو طریق اور مطالب میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک تو زبان عوام میں جہاں لوگ خودی اور کبریا غرور وفخر کے لئے بولتے ہیں۔ دوسرے جو بندگان خدا اور خاصان بارگاہ سے وحدت حقیقی کے ظہور پر تکلم میں آتا ہے اول ہر پہلو سے ناجائز اور ثانی ہر لحاظ سے عین صواب ہے۔ چنانچہ فرعون نے اِنِّیُ اَنَا اللّٰہُ کہا تو مرتد وملعون ہوا۔ اور منصور نے اَنَا الْحَقُ فرمایا تو مومن و مامون رہا۔ ابلیس کو طوق لعنت کا سبب یہی کلمہ اَنَاخَیرٌ مِّنْهُ ہوا۔ اور ذات پاک معصوم و مصطفٰی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اَنَا سَیِّد وُلِدَ آدَمَ وَلَا فَخُر. باعث تملیک رحمت کون ومکان بنا (فانهم) مثنوی

این اَنَا آمد ظهور ذات هو — آں اَنَا را خواری آمد چار سو
این اَنَا باشد نشانِ وحده — وآں اَنَا شد لائق سحقاله
این اَنَا شد شربت صافی مزاج — و آں اَنَا شد یوں حمیم لا نتاج
این اَنَا شد رونق هردو جهاں — وآں اَنَا شد صد بلاوصدزیاں
خود فناچوں ماند آنجا این اَنَاست — نفس کا فرچونکہ جوشدآں اَنَاست
خود نبی از سر خود درے بسفت — ہاں اَنَا احمد بلا میمے بگفت
یعنی آں حلقہ کہ میم از در اوست — از الف برخود بہ پیچیدہ گروست
چونکہ حلقہ میم را کر دی تو راست — خودالف ماندہ بہ بین بے کم وکاست
الف اول الف آخر در اَنَا ست — این الف ہم باعث ارض وسماست
گر یکے از دو الف غائب شود — برجهان هست تیغ لا زند
الف اللہ الف احمد را بہ بیں — جز حجاب میم گو تو چیست این

چوں ز اسرار بیا بم مے دین　　　از الف دانم بنائے ماؤ طین

از طفیل شاہ جیلان شد ظہور　　　از الف پیدا شدہ ایں نار و نور

چوں قلندر و اقف اسرار شد

از نوائے ازل برخوردار شد

اگر تمام حروف تہجی کا ملاحظہ کیا جائے تو تمام الف ہی کا ظہور نظر آتا ہے۔ اگر الف کے دونوں سرے بڑھا دیئے جائیں تو ب اور اوپر دو نقطے دینے سے ت اور تین نقطوں سے ث بنتا ہے اور اگر دونوں گوشوں کو پھر پہلی شکل میں لا کر کھڑا کر دیا جائے تو الف کا الف ہی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح سب حروف کا حال ہے اور سب میں اسی الف کی جلوہ فرمائی ہے۔ اسی کی ذات سے صورتیں بنتی اور اسی سے بدلتی ہیں۔ اور وہ نقطہ جو باعث ایجاد عالم ہے۔ اسی کے ایک ادنیٰ سے جزو کا نام ہے۔ مگر ان حقائق و دقائق کو دیکھنا کسی حق شناس آنکھ کا کام ہے۔ بات دور نکل گئی غرض اس سے انانیت کا بیان کرنا تھا کیونکہ انانیت ہی کی وجہ سے جواب لن ترانی ملتا ہے اور اسی کی عقدہ کشائی سے غنچہ دل کھلتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ صرف طریق کار اور استعمال حروف میں فرق ہے۔ ہر طالب کو مٹ کر مطلوب کی منزل ملتی ہے انانیت کا رکھنا حجاب اور نہ رکھنا وصل کی شراب ہے۔ جس نے اپنے آپ کو دیکھا وہ یار سے دور رہا اور جس نے انانیت کو مٹایا اس کے دیدار سے مسرور ہوا۔ اسی مقام پر اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ اپنا قتل انانیت مباح اور دوسرے کا قتل طمانیت گناہ ہے۔ اگر محبوب کو پانا چاہتا ہے تو اپنی ہستی موہومہ سے درگزر۔ پھر اسے پا سکے گا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ شعر۔

پس مردن بنائے جائیں گے ساغر تری گل کے

لب جاں بخش کے بوسے ملیں گے خاک میں مل کے

اس شعر میں لفظ فی جو لایا گیا ہے جس کے معنے داخل کے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ میں درگاہ ربی میں حسب اجازت دخیل کار ہوں۔ اور اللہ کے فیض سے احاطہ کیا گیا ہوں۔ میری ہستی اہل حضور سے ہے اور میری منزل قرب میں نام کو بھی حجاب نہیں وَھٰذَا

مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔

اور لفظ تقریب میں جس کے معنے دوسرے کو قریب کرنا ہے۔ حضرت محی الدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا درجہ ارشاد سب سے بلند ہے اور میں رتبہ ابدا میں یگانہ ہوں یہ اشارہ اقطاب کو کیا گیا ہے کہ تم ابھی وصول اور ہدایت کی منزل میں ہو۔ اور میں بمرتبہ ابدا فائز ہوں۔

خود خدا چوں تربیت گرد و مرا لیک در آغوش احمد مصطفیٰ
کے کسے واقف زراز و سرماست زانکہ اندر جان ما نور خداست

لفظ وحدی بھی ایک عجیب یگانگت و فردیت پر دلالت کرتا ہے کہ آں غوث ربانی کو مرتبہ فردیت ایسا حاصل تھا جس کی نسبت ایک دوسرے قصیدہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

انا فردا الفرد لاشریک لی

نیز یاد رہے کہ کمالات الٰہی احاطہ اور اعداد و شمار سے باہر اور نا متناہی ہیں۔ بندہ فانی کی کیا حیثیت ہے کہ بغیر اس کی رحمت و کریمی کے اس کی معرفت کے بحر بے پایاں میں تیر سکے۔ اور در مقصود کو ہاتھ میں لانے کے لئے غواصی کا ارادہ کرے۔ جو کوئی بھی اس اتھاہ سمندر میں تیرا ہے اسی کی مہربانی سے اور جس کسی نے اس میں غوطہ لگایا ہے اسی کی نگہبانی سے۔ نہ کسی کا اس میں اختیار اور نہ ہی کسی کا اپنے آپ پر مدار ہے۔ اسی کی بے نیازی ہے جسے چاہے اپنا قرب عطا فرمائے اور جسے چاہے راندہ بارگاہ بنائے۔

خاصان خدا نے فرمایا ہے کہ کمالات قدسیہ کا ظہور دنیا میں تین طریقوں سے ہوا ہے۔

۱ - نبوت۔۲ - ولایت خاصہ۔۳ - ولایت عامہ۔ پھر اول الذکر کے بھی جداگانہ مدارج ہیں۔ جن کی تشریح کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ صرف اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ میدان نبوت و معرفت میں تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ترین ہمارے نبی الانبیاء محبوب خدا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے۔ پھر نبوت خاتمہ۔ تامہ اور مستقلہ کے بعد ولایت خاصہ کے بھی بہت سے مراتب ہیں۔ جس

میں اصحاب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے بعد نیابت مطلق ہر زمانہ میں ہمیشہ سے قائم رہی ہے اور آئندہ تا قیام قیامت قائم رہے گی۔ جیسے اغیاث زمانہ کی نیابت جن میں سے ایک زمانہ کی حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی سیدنا پیر عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے وابستہ ہے اور آپ کے زیر قدم ہونے سے کوئی ولی بھی باہر نہیں رہا۔ اسی طرح ولایت عامہ میں بھی عام مومنین کے درجات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ جو ان کے ایمان کے استحکام کے موافق ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی ہر زمانہ میں ہر ملک اور ہر مقام پر ایک شخص صاحب عروج ہوا کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور اس شعر میں جو الفاظ یصرفنی و حسبی مذکور ہیں۔ جن کا مفہوم تصریف اور کفالت سے ہی ہوسکتا ہے یہ دونوں لفظ صوفیائے کرام کی مخصوص اصطلاح میں سے ہیں یعنی سالک طریقت کو تصریف من جانب اللہ ایک حال سے دوسرے حال اور ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں پہنچاتی رہتی ہے اور یہ تغیّر و ترقی بعض حالات و حوادث ظاہری کیساتھ بھی وابستہ ہوتی ہے۔ چنانچہ بزرگان عظام نے فرمایا ہے کہ سالک کو سوائے ذات الٰہی کے کسی چیز پر نظر نہیں رکھنی چاہئے بلکہ ارشاد نبوی علیہ السلام سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ استعانت غیر اللہ سے ایسی پرہیز کرے کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا سے ہی مانگے اور حَسۡبِیَ اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ. کا پورا پورا عامل بنے۔ جو درویش ذات باری کو کافی سمجھ کر اور یہ ایمان رکھتے ہوئے وَمَا مِنۡ دَابَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُھَا. وَاللّٰہُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ. پھر اپنے جملہ امور کو اس کے سپرد نہ کرے وہ اپنے دعوائے درویشی میں کاذب ہے۔ شعر

ناتوانی خویش راباحق سپار — تا بہ بینی روئے آں احسن نگار
چوں تو خودرابا خداداری عیاں — او کند کار تو جملہ اے جوان

یہاں لفظ ذوالجلال میں ایک قابل فہم رمز یہ ہے کہ تصریف وتلوین جو اصطلاحات صوفیائے عظام سے ہیں۔ (اور وصول وتمکین کا انہی پر وقوف ہوتا ہے) کا تعلق صفات

جلالیہ سے ہے جو ہر خام کی تربیت کرنے والی اور ہر طالب مقام کو ترقی بخشنے والی ہیں۔ اس سے ایمان بین الخوف والرجاء کے معنوں کی تصدیق ہوتی ہے۔اور قلب المومن بین اصبعین من اصابع الرحمن یقلبه کیف یشاء کا راز ظاہر ہوتا ہے کیونکہ ہر کام میں اسی کے جلال کا جلوہ ہے۔اور اس ذات اقدس کے آداب بجالانے میں جس نے دریغ کیا اس کی ہستی فانی حقیقتاً فانی ہو جائے گی۔اور وہ کبھی بامراد نہ ہوگا۔العیاذ باللہ۔

جام ہشتم

پروازِ لا مکانی

اَنَا الْبَازِیُّ اَشْہَبُ کُلِّ شَیْخٍ
وَمَنْ ذَا فِی الرِّجَالِ اُعْطِیْ مِثَالِیْ

میں بازِ اشہب ہوں اور مردانِ خدا میں سے کوئی نہیں ہے جس کو
عطائے ایزدی و مرتبۂ حقیقی میری مانند ملا ہو

بارگاہِ قدس کا شاہباز ہوں
لامکاں میں برسرِ پرواز ہوں
کون ہے کس کو ملا ہے یہ مقام
جس نے پایا مجھ سے پایا لاکلام

باغِ داد (بغداد) کی تاریخ غوثیت کا ہر ہر لمحہ اپنے اندر ہزار کیف اور بے شمار جاذبیتیں رکھتا ہے۔ شبانہ روز مجالس وعظ کی ترتیب۔ اتباعِ سنت کے اثر میں ڈوبے ہوئے بیانات۔ مذہب و اخلاق اور معاشرت و عرفان کا درس دینے والی تقریریں۔ ساکن و صامت فضاؤں میں آگ لگا دینے والی تحریریں۔ مقامی و بیرونی ارادتمندوں کی مستانہ وار

جذبات وعقیدت سے مسند ارشاد کے سامنے دست بستہ ایستادگی۔ علم شریعت کے معرکہ آراء معترضانہ سوالات کے جوابات۔ سالکان راہ طریقت کو معراج ترقی پر پہنچا دینے والی تعلیم۔ گم گشتگان منزل کو جادہ منزل کا ٹھیک پتہ بتا دینے والی تعمیم اور بانگ جرس پر حیران وششدر رہ جانے والے راہروں کو منزل کی صحیح رہنمائی شمع غوثیت پر عقیدت، مندوں کا پروانہ وار ہجوم اور منازل عرفان الٰہی کا مفہوم مجذوبوں کا ایک سالک پر مرنا اور اس کا چوروں کو قطب کرنا۔ وہ حیات افروز مناظر ہیں جن پر سرکار غوثیت مآب جس قدر مدعی بلندی مراتب ہوں ہر طرح بجا اور قطعی طور پر زیبا ہیں۔ ایک انصاف پسند آنکھ حضور کے اس دعوے کی یقیناً تائید کرے گی کہ۔

''میں آسمانِ عرفان کی بے پناہ بلندیوں کا بازاشہب ہوں۔ میرے سامنے مردان خدا سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کو وہ درجات معرفت عطا ہوئے ہوں۔ جو مجھے عطا ہو چکے ہیں۔ یعنی اصالتاً ہر مرتبہ حقیقی اقطاب واغیاث میں مجھ کو ہی عطا ہوا ہے اور باقی میرے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں اور جس کسی پر اور جب کبھی ولایت کا دروازہ کھلتا ہے میری ہی طفیل اور میری ہی توجہ سے کھلتا ہے''۔

ہر یکے از بحر جود محی دین　　قطرہٗ وارد زفیا ضیش بین

اس شعر میں منصب نیابت مطلق بلاشرکت غیرے کی جانب اشارہ ہے۔ کہ حضور شاہ جیلانی رضی اللہ عنہ میدان معرفت صمدی اور احاطہ دین محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور جمیع اولیاء اللہ حضور کے تابع فرمان۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے دعویٰ فرمایا کہ میں بازاشہب ہوں۔ جو سب بازوں کا سردار ہوتا ہے۔ ہر شیخ و ولی کا حال سلب کر لینا اور ہر ایک کو اپنا شکار بنا کر اس کا حال بدل دینا میری قوت غوثیت کا ایک ادنیٰ ترین کام ہے۔ ذرا سی شوخی پر کسی کے حال میں قبض وسلب پیدا کرنا اور کسی کی نیاز مندی پر بسط وکشاد کا عطیہ میرے بس کی بات ہے۔ مجھے جو اختیارات تفویض ہوئے ہیں وہ کسی ولی کو نہیں ہوئے۔ جو چاہے اپنی نیاز مندی کے ساتھ میرے سامنے آئے اور اپنے مقصود کا نفع

اٹھائے۔

یہاں لفظ باز دو معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ ایک باز۔ دوسرے بازی' اور آنحضور غوث پرنور کے اکثر کلام میں یہ دونوں لفظ پائے جاتے ہیں۔ لفظ باز میں صفت اور بازی میں بلندی کا دعویٰ مذکور ہے۔ جو اہل علم حضرات قصائد غوثیہ سے واقف ہیں ان پر یہ امر واضح ہے۔

اپنے آپ کو باز بیان فرما کر اس رمز کا اشارہ فرمایا۔ کہ رب العزت کی توحید و تقدیس کے میدان میں میری پرواز سب سے بلند ہے۔ اور جو لوگ ہوائے نفس کے جنگل میں آوارہ ہوں۔ ان کو شکار کر کے امر الٰہی کے فتراک کے ساتھ باندھ دینا میرا کام ہے اور ہر شیخ کو جو پرواز میں اپنے اندازہ سے باہر ہو جائے۔ تادیب کا پنجہ مار کر راہ راست پر لانا میری ہی شانِ غوثیت کا دام ہے۔

دیگراں کنجشک و من باز اشہم　　در نظر گاہ شہنشاہ مے پرم

گر کسے شاہین بود لیکن بباز　　کے تواند پر زدن اے یار راز

یعنی عنایت ازلی کی شکارگاہ میں ہی وہ باز اشہب ہوں۔ جو نظرگاہ شہنشاہ کی غیر محدود پہنائیوں اور لاتعداد وسعتوں میں ہر میدان کی جداگانہ پرواز رکھتا ہو۔ میں اس بلند پروازی میں ایسا یگانہ ہوں کہ کوئی اس میدان کے پرندوں سے میری ہمسری کا گروہ نہیں رکھتا۔

من چہ گویم وصف آں شہباز دین　　آنکہ دیں رازندہ کردہ بالیقین

جانہا از پر پروازش شکار　　عالمے از فیض او دارد بہار

اس شعر میں لفظ کل جو اپنی اضافت نکرہ کے لحاظ سے عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور جس سے زیادتی عموم پائی جاتی ہے۔ وارد ہے جس میں یہ رمز ہے کہ آنجناب غوثیت مآب کا تصرف تمام مشائخین پر ثابت ہے۔ اور حضور کے تصرف غوثیت سے کوئی باہر نہیں۔ نیز یہ اشارہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے پنجہ محیط میں اس جماعت کو محکوم و مامور کر رکھا ہے۔

اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ مردان خدا کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ بمشابہ مثل یا ظل کے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مثل ہمیشہ اصل کے برابر نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ مشابہ ہوتی ہے۔ اور یہ ضرور نہیں کہ ہر پہلو سے بھی مشابہ ہو۔ کسی ایک پہلو سے تشبیہہ پائی جائے۔ تو اس کو بھی مشابہ کہہ سکتے ہیں۔ اصل اصل اور مثل مثل۔ اسی لئے فرمایا کہ میں توحید وعرفان الٰہی کا آفتاب ہوں۔ باقی میری مانند روشنی میں مجھ سے مشابہ ہیں۔ حالنکہ وہ روشنی بھی مجھ ہی سے چاند کی طرح حاصل کی گئی ہے۔

یہاں پر عام مشائخین اور تمام ارادتمندوں کے لئے ایک واضح اشارہ یہ بھی ہے کہ ہر ارادتمند اپنے شیخ بیعت یا پیر صحبت کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ایک اس محتاج ذرّہ کے رنگ میں تصور کرے جو آفتاب کی روشنی سے اپنی جلا پاتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ آفتاب کے پرتو کے بغیر ذرّہ کی کوئی بھی ہستی نہیں ہوتی اور یہ مشاہدہ ہے کہ جب آفتاب مغرب کے افق میں ڈھلنے لگتا ہے۔ تو وہ ذرات جو چمکتے ہوئے دکھائی دے رہے ہوتے ہیں۔ سب کے سب معدوم ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں اگر کوئی متلاشی کسی ایک ذرّہ کی بھی تلاش کرنی چاہیئے تو وہ ہرگز نہ پا سکے گا۔ گویا ذرات کی زندگی آفتاب ہی کی روشنی سے ہے اور اسی کے سبب ان سب کی نشوو ارتقاء کا سلسلہ جاری ہے۔ گویا ان کی ہستی کی رونق ان کی ذاتی چیز نہیں۔ جس ارادتمند کو یہ وہم ہو جائے وہ صرف گمراہ ہی نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے برباد بھی ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خاصان خدا نے ارشاد فرما دیا ہے۔ کہ طالبان حق ومحبان جلوۂ نبی علیہ السلام کی بھی بعینہٖ یہی کیفیت ہے اور شہود الٰہی یوں ہی ہوتا ہے۔ پس یہ انوار الٰہی ہی ہیں جو انبیاء اور مشائخین کے رتبہ میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

اور ارشاد باری: فی انفسکم واللہ معکم اور اینما تولوا فثم وجہ اللہ کا یہی مطلب ہے۔ اور ارشاد اللہ ولی الذین امنوا اور اللہ نور السموات والارض کے معنوں کا مضمون بھی یہی ہے۔ مثنوی

چونکہ سالک را بود نور از وجود　　　خود خدا دروے دہد جلوہ شہود

چوں شود تاریک از ظلمت گناہ　　　عالمے از دید او باشد سیاہ

آفتاب محی دین برجانہا　　　میکشائد لحظہ لحظہ کانہا

سنگہا از آب او شد لعلہا

ازخلاش واژگوں شد لعلہا

ارادتمند کو چاہئے کہ وہ ذرّے کی طرح اپنے آپ کو چمکانے کے لئے ہر دم آفتاب کی روشنی کا متمنی ہو کر اور اس سیپ کی طرح جو موتی پیدا کرنے کی تمنا رکھتا ہوا برنیساں کا منتظر رہ کر سچی طلب اور حقیقی ارادت کا منہ کھلا کر کے اس طرح ہمہ تن چشم براہ ہو جائے کہ شیخ کی توجہ اس کے قلب کو مجلّا کرنے میں پورا کام کر سکے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو نامراد رہے گا۔ مشائخین عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ہر ارادتمند کو جو مراقبے کا طریق تلقین فرماتے ہیں اس کی علت غائی بھی صرف یہی ہے کہ فیض شیخ کو اخذ کرنے کے لئے بحیثیت ذرّہ کے اپنے آپ کو اس کے تصور یا اس کی ذات کے سامنے پیش کرے۔ تا کہ حقیقی روشنی حاصل کر سکے۔ کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ شعر

ریت پریت پریم رس چکوا کرے دھیان

بنی ہو کے سنگرے تب پاوے بھگوان

یعنی وہ کہتا ہے کہ تو نے سنا ہو گا۔ چکوا اور چکوی نر و مادہ دو جانور ہوتے ہیں۔ جن میں قدرت الٰہی سے ایک نیا قانون کام کرتا ہے۔ کہ وہ بچے پیدا کرنے کے لئے جفت نہیں ہوتے بلکہ جب ان کو یہ خواہش پیدا ہوتی ہے تو ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر ایسے محبت کی نگاہ اور مخلصانہ انداز سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کہ نظروں نظروں میں مادہ حاملہ ہو جاتی ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ تو بھی انوار شیخ اخذ کرنے کے لئے اسی مخلصانہ انداز میں بیٹھ تا کہ تیری طلب کی گود میں بوجھل ہو جائے۔ اور تو بھی مقصود کا موتی پیدا کر سکے۔ جب تک ذرّہ کی مانند ہمہ تن چشم نہ بن جائے گا۔ من ذا فی الرجال اعطی مثال کا مطلب ومفہوم تیری

سمجھ میں نہ آسکے گا۔

یاد رہے کہ اسی شعر میں لفظ اعطی (جو صیغہ مجہول اور جس کے معنے دیا گیا کے ہیں) وارد ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ عطائے ایزدی سے میرے اس جلوہ کی ضائیں تمام مشائخین زمانہ یکساں گھرے ہوئے ہیں۔ اور میرے ہی فیضان سے مستفید و مستفیض ہیں۔ نیز میرے متبعین کو عطائے ذات الٰہی کی مدد ہی تربیت کرتی ہے۔ اور اسی سے ان کے انوار واسرار کا سلسلہ تر و تازہ رہتا ہے۔

جام نہم

خلعتِ لاثانی

کسانی خلعۃ بطرازِ عزمٍ
وتوّجنی بتیجانِ الکمالٖ

مجھے نیابت و بزرگی کا خلعت اور وصول و کمال کا وہ تاج پہنایا گیا جو عزم و قصد اور دوام و قیام کے نقشوں سے آراستہ تھا

خرقہ پہنایا مجھے تعظیم کا
سر پہ میرے تاج ہے تکریم کا

ہے الوالعزمی میری ادنیٰ کنیز
بے نیازی ہے مری عقلی تمیز

جب جناب غوثیت مآب شراب عشق کے پیالوں کو طلب فرما کر اور اپنے مجاہدہ کی بساط میں اہل مجلس کو گرما کر۔ خمر طہور پی کر اور تقرب الی اللہ کے میدان میں باہوش جی کر۔ تو حید و تمجید کے مقامات میں شہبازی کر کے اور فردانیت کے رتبہ میں یار کو راضی کر کے۔ مقام نیابت و محبوبیت آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پہنچے۔ تو آپ کو نیابت

و بزرگی کا خلعت اور وصول و کمال کا وہ تاج پہنایا گیا جو امتیازی حیثیت سے عزم وقصد اور دوام و قیام کے نقوش سے آراستہ تھا کیونکہ منتہائے ولایت کاملہ حضور ہی کے لئے مقدر تھی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسانی وتوجہٗ کی ضمیر حب اللہ کی جانب ہو۔جس سے آپ کے ارشاد پاک کا یہ مفہوم ہو جائے۔ کہ میں نے یہاں تک عشق کمایا۔ کہ وہی عشق میرے کمال کا سبب بن گیا۔ اور بارگاہ حقیقی سے مجھے خلعتوں اور سعادتوں کے تاج حاصل ہو گئے اس درجہ اور منزل کا نام منزل صدق ہے۔ شعر

سر پنہاں است در ہر لفظ و حرف
گر تو خواندی علم نحو و علم صرف

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کے ان فضائل ومحاسن کا ذکر کر دیا جائے۔ جو آپ کی اس نیابت محبوبیت پر شاہد ہیں اور جن کا تعلق ابتدائے ولادت سے ہی آپ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ وابستہ تھا۔ اور یہی ایک وہ باب ہے جس کو صحیح معنوں میں سوانح حیات کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ۴۷۱ھ ہجری المقدس کی شب یکم رمضان المبارک تھی۔ جس میں یہ قطب ربانی وغوث صمدانی کتم عدم سے پردہ وجود پر جلوہ گر ہوئے۔ پیدا ہوتے ہی فضائے بسیط میں نور وضیا کی لطیف لہریں دوڑنے لگیں۔ اور دنیائے روحانیت میں ایک بیداری پیدا ہوگئی۔ سعادتوں کے ابواب کھل گئے اور بزمہائے ایقان وعرفان میں چہل پہل نظر آنے لگی۔ آسمان والوں نے زمین والوں پر رحمتوں اور برکتوں کی بارش قدوسیوں میں ہر طرف ایک شور تہنیت برپا ہو گیا! چنانچہ شب ولادت ہی میں آپ کے والد بزرگوار سید ابو صالح نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پرنور شافع یوم النشور نبی کریم محمد رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے احباب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم واولیائے عظام کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ اور انوار غیبی سے پورا مکان کا مکان منور فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے ابو صالح آج اللہ کریم نے تجھے وہ فرزند جلیل عطا فرمایا ہے جو شیخ العہد قطب وقت اور غوث زمان ہوگا۔ شاید اسی بشارت کی برکت تھی۔ کہ آپ کی تاریخ ولادت مالک الرقاب وزیب تاج اولیاء لکھی گئی۔

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے ایک فقید المثال اور صاحب تصرفات

بزرگ تھے۔ زندگی میں آپ سے اس قدر کرامات کا ظہور ہوا جن کا بیان تحریر سے باہر ہے۔ اور اس موضوع پر ایک مستقل ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ شیخ ابو عمر نے بالکل درست فرمایا۔ کہ آپ کی کرامتیں سلک مروارید کی طرح تھیں جن کا تسلسل قائم ہی رہتا تھا۔ اور کرامات بھی وہ جن کی نوعیت بہت ارفع و اعلیٰ ہوتی تھی۔ اور جن سے بیک نظر یہ واضح ہو جاتا تھا کہ یہ کرامات جن سے صادر ہو رہی ہیں وہ کتنی عظیم القدر قوت کے حامل ہیں شیخ الاسلام عزیز الدین بن عبدالسلام نے بھی یہی فرمایا ہے کہ جس تواتر و کثرت کے ساتھ آپ سے کرامات کا صدور ہوا اور کسی ولی سے نہیں ہوا۔ چنانچہ فقیر شارح یہاں پر مشتے نمونہ از خروارے بعض کرامات کو بالکل اشارۃً اور مجمل الفاظ میں پیش کرتا ہے کیونکہ ان کی تفصیل کے لئے دفتر بھی کم ہے۔ لہٰذا اس اجمال کی تفصیل جسے دیکھنی منظور ہو وہ دوسری کتب تصوف و سیر کا مطالعہ کرے۔ مثلاً

۱ - پیدا ہوتے ہی رمضان المبارک کا احترام اور دودھ نہ پینا۔۲ - کمزور ناقہ میں نئی طاقت بھر دینا۔ ۳ - ابوالحجر حامد الحرانی کو ایک دعا سے نورالدین زنگی کا ناظم اوقاف بنا دینا۔۴ - انہدام مسافر خانہ کی قبل از وقت خبر پالینا۔۵ - حضرت امام احمد حنبل کا مزار اقدس سے باہر آنا۔ ۶ - چھت سے غیر متوقع طور پر جانور کا گرنا۔ ۷ - سبز پرندے کا ظاہر ہونا۔ ۸ - ایک پرندہ کا محض الفاظ سے مر جانا۔ ۹ - ایک ارادتمند کو عذاب قبر سے مخلصی دلانا۔ ۱۰ - چور کا ابدال وقطب کر دینا۔ ۱۱ - ایک عرض گزار کو بیداری میں بیٹھے ہوئے کعبہ شریف کی زیارت کرا دینا۔ ۱۲ - غائبانہ امداد فرما کر ایک قافلے کو ڈاکوؤں سے بچانا۔ ۱۳ - نہاوند میں ایک ابدال کا مقرر کرنا۔ ۱۴ - قلبی امور سے آگاہی پالینا۔ ۱۵ - اور مافی الضمیر کا بتا دینا۔ ۱۶ - بربط نواز کو بارگاہ صمدیت سے انعام دلانا۔ ۱۷ - دریائے دجلہ کی لہروں پر سجدے کرنا۔ ۱۸ - مادر زاد اندھے اور مفلوج بچے کا صحت پانا۔ ۱۹ - کھائے ہوئے مرغ کا زندہ کر دینا۔ ۲۰ - جنات کی جماعت سے ایک گمشدہ لڑکی اس کے والدین کو واپس دلا دینا۔ ۲۱ - بعض واقعات آئندہ کی تصریح فرمانا۔ ۲۲ - بعض شوخ اور مغرور نفس کے فریب خوردہ فقیروں کا حال سلب کر لینا۔ ۲۳ - عصائے مبارک سے روشنی نمودار ہونا۔ ۲۴ - ایک چیل کا محض دیکھنے سے سر کاٹ دینا۔ ۲۵ - خاموش پرندہ کا بولنا ۲۶ - غیب سے تازہ سیب نمودار کرانا۔ ۲۷ - سلب علوم وحروف کا

تصرف فرمانا۔ وغیرہ وغیرہ آنحضور غوثیت نشور کے وہ نشانات سعادت ہیں جو ازل ہی سے آپ کے بخت بیدار اور قسمت پر اسرار میں ودیعت فرما دیئے گئے تھے۔ ابھی سرکار غوثیت کی شانِ عبودیت۔ عقائد و عبادات۔ نماز و تلاوت۔ مقالات و ارشادات حالات و معاملات۔ فضائل و اخلاق۔ ایثار و سخاوت۔ استغنا و محویت۔ ہیبت و عظمت۔ سادگی و بے نفسی۔ حق گوئی و حق نوازی کے اوصاف فطری مزید برآں قابل تشریح ہیں۔ جن کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں اور جن سے پتہ چلتا ہے کہ نیابت و محبوبیت کا خلعت بطفیل سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضور کو ملنا اور آپ کا اس کے متعلق مدعی ہونا کس طرح حقیقت اصلیہ پر مبنی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضور نے اپنے قصد و عزم کے انضباط میں وہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں جن سے ہٹنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

کیونکہ تاج نیابت جس سے مراد ولایت کاملہ کا وہ درجہ جو محبوبیت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاص سایہ ہے پا لینے میں حضور مشہور اور تاجدار بن چکے ہیں اور توجیٰ کا مفہوم یہی تاج ولایت کاملہ ہوسکتا ہے اس لئے کہ دین کو زندہ کرنے کی دائمی دولت کا خلعت اور محی الدین کی مصدقہ سند کا تاج حضور ہی کے لئے موجب زینت اور باعث تکریم و فخر ہے۔ کیونکہ ترک و دنیا و بیخودی سالک کا عزم اور بقا باللہ کا علو اس کا خلعت ہوتا ہے اور اگر اس سے یہ معنی اخذ کئے جائیں کہ حق تعالیٰ نے بے شمار ظاہری خلعتوں اور تاجوں سے حضور کو نواز رکھا تھا۔ تو یہ بھی بیجا نہیں۔ بلکہ حضور خود ایسے بیشمار خلعتوں کے تقسیم فرمانے والے ہیں جیسا کہ لکھا ہے کہ آپ کی مجلس شریف میں درگاہ الٰہی سے خلعت ملا کرتے تھے اور لوگوں نے دیکھا کہ قدرتی طور پر مستحقین میں سرخ و سبز لباس بٹ رہے ہیں اور دینے والا نظر نہیں آ رہا پھر جب غوث الاعظم کے بھیک منگوں اور گداگروں کی یہ کیفیت ہے تو آپ کے اپنے لئے فضیلتوں کے تاجوں اور الوالعزمی کے خلعتوں کی بارگاہ ایزدی سے کیا بخشش نہ ہو گی۔ اور یہ درجہ کہ آنجناب غوثیت مآب کو ہر صبح دو گھڑی تک انوار الٰہی محیط رہتے اور گھیرے رکھا کرتے تھے۔ خلعت الوالعزمی نہیں تو اور کیا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ خلعت اور لباس بغیر تاج کے کوئی حیثیت نہیں رکھتا لہٰذا جہاں خلعت الوالعزمی حضور کو حاصل تھا۔ وہاں آپ سلطان الاولیاء ہوتے ہوئے تاج تکریم کے حامل بھی تھے۔

یادرہے کہ بعض نسخوں میں یہ الفاظ بتیجان الکمامل کی بجائے بتیجان الجمال لکھے ہیں۔ اس سے بھی وہی بیان وصول مقصود ہے۔ کیونکہ کمال آخری درجہ کے معنوں میں آتا ہے اور درجۂ جمال انوار حقیقی کے جلوہ کو کہتے ہیں جو کہ سالک کو جلال الٰہی کی تصریف وتلوین کے ساتھ ادنیٰ درجے سے اعلیٰ درجہ تک پہنچاتا ہے۔ تاکہ بصیرت قلبی کی رویت کا جلوہ ذاتی اور حقیقی جمال کے نظارہ سے مسرور و مطمئن ہو جائے اور ہر سالک راہ ومتلاشی بارگاہ الٰہ کو اپنی استعداد روحانی کے مطابق یہ کشائش نصیب ہو جاتی ہے۔ اور آنجناب غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کو یہ درجہ منتہائے استعداد کے ساتھ حاصل تھا۔ چنانچہ حضور نے خود اپنے بعض قصائد میں اس قسم کی روایت کا بیان بلفظ عین البصیرت فرمایا ہے۔

چونکہ فیضان الٰہی کی حدونہایت کوئی نہیں اس لئے کمال کا صحیح مفہوم سمجھ میں آنا محال ہے۔ ہاں اتنا سمجھ لینا آسان ہے کہ یہاں پر جن معنوں میں کمال کا تذکرہ ہوا ہے اس سے مراد وہ سبقت ہو جو آنجناب غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کو دوسرے اولیاء اللہ پر حاصل ہے۔ باصطلاح تصوف کمال کی دو قسمیں ہیں۔ کمال فی السیر الی. اللہ اور کمال فی السیر فی اللہ ۔قسم اول کے لئے ایک حد معین ہے۔ اور اولیاء اللہ بحسب استعداد مل کر اس کو حاصل کر کے ایک حد معین کے اندر ایک دوسرے پر برتری اور تفوق حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر قسم دوئم میں کوئی حد معین نہیں۔ بندگان خدا کے لئے ترقی کا میدان ایسا بے انتہا اور غیر معین ہوتا ہے کہ اس فرقہ کے مقربین اپنے شوق تقرب الی اللہ میں کبھی سیر نہیں ہوتے۔ اہل عرفان نے فرمایا ہے۔ هو المرتبة الاخيرة التى هى عبارة عن الخروج الكلى عن ارادة العبد والفناء الكلى الذى يعقبه البقاء الكلى المنتهى اليه السير الى الله عزوجل۔

ترجمہ۔ وہ ایک مرتبہ آخری ہے جس میں کسی چیز کا ارادہ ہی نہ کیا جائے۔ اور نہ کوئی حاجت وطلب دل میں جگہ پا سکے۔ بلکہ انسان کا وجود ہی ارادۃ اللہ ہو جائے۔ پس جب انسان کا وجود ہی ارادہ الٰہی بن گیا تو اس کی ہستی مٹ گئی۔ اور جب ہستی مٹ گئی تو مطمئن ہو گیا۔ کیونکہ الابذکر الله تطمئن القلوب. کا یہ مقام ہے پھر پورا اطمینان حاصل ہو چکنے کے بعد درویش تصرفات الٰہی کے ایسا تابع ہو جاتا ہے جیسے انگوٹھی انگلی کے تابع ہوتی

ہے۔ اس وقت خارق عادت افعال وکرامات گو انسان کی جانب منسوب کئے جاتے ہیں لیکن ان کا فاعل حقیقی خدا ہوتا ہے۔ شعر

بیا اینجا شنو شرح مقدس | که بنیاد حقائق زیں موسس
گفته او گفته الله بود | گرچه از حلقوم عبد الله بود

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاللہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْلَمُوْنَ ۔ اور اس میں اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے۔ لیکن بعض نافہم ایسے اقوال پر کفر کی لاٹھی ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں۔ اور تمام اولیاء اللہ سے برہم رہتے ہیں۔ یہ ان کا اپنا قصور ہے کہ وہ اس حقیقت سے واقف نہیں ہو سکے۔ معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء اللہ برحق ہیں۔ کیونکہ یہ عوام کے لئے اسباب ہدایت ہیں جو بحکم الٰہی ظاہر ہوتے ہیں۔ انبیاء و اولیاء تو فقط ایک مظہر ہیں۔

ان طاعنین کی ایک جماعت ہے۔ جس کی سمجھ میں ابھی خدا کے بندے کی شان نہیں آئی۔ خداوند عالم جل مجدہ کو کیا سمجھ سکیں گے۔ یہ اپنی جنگ سفیہانہ میں ہمیشہ الفاظ کی ہڈیوں اور معانی کے شوربے پر جھگڑے کرتے ہیں۔ اس چیز پر غور نہیں کرتے کہ ان الفاظ کو جس کی دعوت کے لئے وضع کیا گیا ہے وہ کون اور کیا ہے۔

ان کو تو بھلا بدیں غرض معذور جانئے۔ کہ یہ لوگ اس راہ کے راہرو ہی نہیں ہیں۔ تعجب تو اس بات کا ہے کی فی زمانہ اکثر مشہور درویش اور بعض نام نہاد درویشوں کے متبعین جن پر رہبانیت کا رنگ چڑھ گیا ہے ایک نئے فتنے میں پھنس گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ رویت بصری (یعنی بدنی چشم و ظاہری آنکھ سے رویت ذات باری تعالیٰ کے قائل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ فقیر کے ایک دوست کو ایک مدعیٔ معرفت الٰہی سے جو عارف بھی کہلاتا تھا۔ اور تمام شرعی اصولوں کا منکر و تارک تھا۔ اس مسئلہ میں گفتگو کرنے کا موقعہ ملا۔ اس نے جہاں یہ دعویٰ کیا کہ میں نے سر کی ظاہری دو آنکھوں سے اپنے خدا کو دیکھا ہے وہاں اس نے اس قول کی تشریح بھی ساتھ ہی کر دی کہ وہ ایک خوبصورت بچہ کی شکل میں تھا جس کے بال سنہری اور گھونگر والے تھے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۔ کس قدر دیانت و امانت اور فقر و فقیری سے بعید ڈھکوسلہ ہے جس کو رویت تو درکنار رویت کے لفظ سے بھی

دور کا تعلق نہیں۔ اور درحقیقت یہ کیفیت مسائل شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت سے دور رہنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ نہ الفقر فخری کی مدعی شان کا مطالعہ کیا۔ نہ اس کے ارشادات کو پڑھا۔ اور نہ ہی دربار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی حق پرست کے ذریعہ رشتہ جوڑا جس کا نتیجہ بصورت گمراہی یہ ظاہر ہوا کہ خدا بھی نعوذ باللہ من ذالک اور مخبوط الحواسوں اور شوریدہ سروں کولونڈوں کی شکل میں نظر آنے لگا۔ وہ لا تدرکہ الابصار کے ارشاد کو ایسے بھولے ہیں کہ بزرگان دین کے ابیات اور متقدمین کے اقوال کو بھی جو رویت قلبی کے شاہد تھے ظاہری آنکھ کی دید پر محمول کرنے لگے اور اسی بناء پر سوابق اولوالعزم لوگوں کو اپنی خرافات کا گواہ سمجھ لیا۔ پھر ان نام نہاد درویشوں میں ایک اور جماعت بھی ہے۔ جو بالکل ان کے برعکس جاتی ہے۔ یعنی یہ اسبات کے قائل کہ دنیا پر ظاہری آنکھ سے خدا دیکھا جا سکتا ہے۔ اور دوسرے اس کے بیان کنندہ کہ انسان اس کو کبھی بھی نہیں دیکھ سکتا اور نہ دیکھ سکے گا۔ نہ دنیا میں اور نہ عقبیٰ میں۔ گویا دیدار باری تعالیٰ کے قطعی منکر۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ حقیقت سے قطعاً دور ہیں۔ اور ممکن ہے اس عقیدہ فاسدہ کی بنا پر دیدار الٰہی سے محروم رہیں۔ رب العزت رحم فرمائے۔ اور اس نفسانی وشیطانی وسوسہ اور مخمصہ سے بچائے۔ آمین۔

فقیر کے استاد اعلیٰ حضرت مجدد ماتہ حاضرہ مستند الکل للکل قبلہ مولانا الحاج احمد رضا خان رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بروز محشر رویت باری تعالیٰ کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ تو بتائیے کہ دیدار باری تعالیٰ کیوں کر ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہم اس کے قائل ہیں کہ ضرور ہو گا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیونکر ہوگا ہاں جب دیکھیں گے دکھا دیں گے۔ سبحان اللہ۔

بلند بخت ہیں وہ ہستیاں جنہیں یہ شرف نصیب ہو اور ان کی روحانی سیر میں ابواب کرم ربانی وا ہو جائیں۔ لذات والطاف کی ایک جنت سامنے ہو اور مشاہدہ الٰہی میں مستغرق ہو کر حقیقی لطف وراحت کے حامل بنیں۔ آنکھیں ملاء الاعلیٰ میں دیکھیں اور قلوب اشارات الٰہیہ سے متاثر ہوں۔

وہ بھی ایک منظر ہوگا جب مولائے کل جناب سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مومنین کو لئے رب العالمین کی ذات پاک کے سامنے ہوں گے اور رب کونین کی ذات

بے پردہ محبوب کے سامنے ہوگی۔ مومنین کی آنکھوں پر سے پردے اٹھا دیئے جائیں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے اس دنیا میں ہم ان محبوب آنکھوں سے چودھویں کے چاند (ایک آسمانی سیارہ) کو دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح ان دو بے حجاب آنکھوں سے اکرم الاکرمین کی ذات بے حجاب کو دیکھیں گے۔ کیوں نہ ہو۔ سید ولد آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد جو ہمارے سامنے ہے۔ واللہ انکم سترون ربکم کماترون هذا القمر ليلة البدر لاتضامون فی رویته۔

ترجمہ۔ ''میرے نقش قدم کو مشعل راہ سمجھنے والو! مجھے رب کی قسم ہے تم بہت جلدی اس دوسرے جہان میں پہنچ کر اپنے رب کی ذات کو دیکھو گے۔ جس طرح اس آسمان پر چمکنے والے چاند کو چودھویں رات میں دیکھا کرتے ہو۔ کہ تمہیں اسے دیکھنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔''

رب رحمت، اپنے رحمتہ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے ہمیں وہ منظر دکھائے۔ کہ ہم رب کی ذات کے جلوہ میں اس طرح بے حجاب اور بے تکلف محو ہوں۔ ہمارے چہرے رونق سے کھل رہے ہوں اور رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان پر ایمان نہ لانے والے مرجھائے ہوئے چہرے لے کر نظریں زمین میں گاڑے کھڑے ہوں۔ وُجُوہ'' يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اَللّٰهُمَّ احفظنا من وساوس الشيطان و نور قلوبنا بمحبته رسولک الامین۔

بہرکیف چونکہ یہ ہرکہ ومہ کے سمجھنے کی چیز نہیں۔ اس لئے فقیر اتنی بحث پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ اس سے زیادہ خامہ فرسائی عبث ہے۔ درویش کو چاہئے کہ جس حیثیت میں ہو۔ اتنا ہی کلام کرے۔ بساط سے بڑھ کر باتیں بنانا اور خودساختہ خود کاشتہ ولایت کے زعم باطل میں ہمچو ماد گیرے نیست کا ورد کرنا نفس کا ایک کھلا فریب اور ایک بے پردہ گمراہی ہے۔ العیاذ باللہ۔

جام دہم

اسرار نہانی

وَاَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ
وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِیْ

اور مجھے اپنے ازلی راز وقدیمی بھید پر آگاہ کیا ہے اور مجھے مامور فرمایا اور
میری آرزو یا میرے سوال کو پورا فرمادیا

ہو گیا میں واقفِ اسرارِ حق
عہدِ ازلی کا ہُوا از بر سبق

آرزوئیں ہو گئیں پوری تمام
میں نے جو مانگا وہ پایا لا کلام

ارشاد ہوا۔ کہ مجھے رب الغرت یا محبت الٰہی نے اپنے کرم وفضل اور سرکار انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ توالی علیہ وسلم کی طفیل راز قدیم پر اآگاہ فرمایا۔ مطلع اور مامور کیا۔ مجھے اپنی غلامی میں قبولیت وفرمانبرداری کا قلادہ پہنایا اور اپنا ہونے کا نشان دے کر عزو شرف بخشا۔ مجھے میری آرزو دے دی اور میں نے جو مانگا اس کی رحمت سے وافر حصہ پایا

یاد رہے کہ جس طرح قلاوہ گلے میں ڈالنے اور اس کے جسم پر رنگ لگانے یا نشان کرنے سے قربانی کا جانور پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح سرکار بغداد بھی دیگر اولیاء اللہ سے ممتاز نظر آتے ہیں تقلید کے معنے درحقیقت گردن میں تمغۂ امتیاز ڈالنا ہوتا ہے۔ پھر جو انسان اپنے وجود ظاہری کو وجود حقیقی کی طلب میں گم کردے اور فقر کے میدان میں چلے وہی مقلد ہے اور اہل جہاں سے الگ ہو کر اس قربانی کی راہ کو امتیازی طور پر اختیار کرنا ہی تقلید کہلاتا ہے۔

بعض نسخوں میں اطلعنی کی بجائے اوقصنی لکھا ہے جس کے معنی ہیں کہ مجھ کو واقف کیا اور مجھ پر پوری طرح واضح ہو گیا۔

اب یہاں یہ معلوم کرنا ضروری ہے۔ کہ سر قدیم سے کیا مراد ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس سے مراد راز وحدت الوجود ہو سکتا ہے۔ یعنی مولا کریم نے مجھ پر وحدت الوجود کے راز کو واضح فرما دیا۔ اور مجھ کو معلوم ہو گیا کہ وہ ذات جس کا متعدد جلوؤں میں ظہور ہوا۔ خود آفتاب حقیقی ہی تھی۔ جس نے قلوب پر ضیا پاشی فرمائی اور اپنے جلوہ بے حجابانہ سے گرما دیا۔ بعض اہل اللہ نے فرمایا کہ۔ سر قدیم سے مراد رُتبۂ تکوین بھی ہو سکتا ہے جو اولیاء اللہ کو متخلق باخلاق اللہ ہونے کے بعد عطا ہوتا ہے۔ بعض نے لکھا کہ اس سے مراد ذات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور اس پر مطلع ہونا گویا حقیقت محمدی کا منکشف ہونا ہے جس کو جوہر قدیم فرمایا گیا ہے۔ بعض نے سر قدیم کا ترجمہ یہاں پر وصول کیا ہے یعنی خدائے قدوس عز اسمہ کا راز پوشیدہ پر مطلع فرمانا۔ اور کنت کنزاً مخفیاً کا بھید سمجھانا۔ بعض صوفیاء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد عہد الست بربکم کی حقیقت اور اس سے قبل کے زمانہ کے حالات سے مطلع ہو جانا ہے اور بعض عارفان حقیقت نے یہ بھی بتایا ہے کہ سر قدیم کا مطلب اس شعر میں الانسان سری و انا سرہ کا اشارہ ہے یعنی اس ارشاد میں جو حقیقت پوشیدہ ہے اس سے واقف کیا جانا۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سرکار غوثیت مآب رضی اللہ عنہ نے اس شعر میں مدارج

ولایت کو بالترتیب بیان کر کے اپنی الوالعزمی کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ مثلاً ابتدائی درجہ شریعت ہے اور شریعت کا مدار قرآن پر ہے۔ اور قرآن کریم قدیم ہے پس قرآن پاک کے نکات و بطون معانی اور علوم نہانی پر مطلع ہونا سرہ قدیم پر مطلع ہونا ہے۔ پھر قرآن کریم کی تقلید احکام کا رشتہ گردن میں ڈالنا عزت حصول رضاؤ تسلیم ہے۔ پھر رضاؤ تسلیم کی منازل کو پانا اور راضی برضا ہو جانا مرتبۂ طریقت ہے اس کے بعد جب تمام مرادیں حاصل ہو جائیں۔ یہ حقیقت ہے اور اذاتم الفقر فھوا اللہ کا نام معرفت۔ غرضیکہ سر قدیم میں ایسے ایسے اشارات ہیں کہ ہر اشارہ بجائے خود ایک راز کی حیثیت رکھتا ہے۔

لفظ قلدنی جس میں نیابت اور ولایت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہرت مراد ہے یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خدمت ہمیشہ کے لئے آں غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے کردی ہے اور اس بلند منصب کا نشان اپنے فضل و کرم سے ان ہی کی گردن میں ڈال دیا ہے۔

ذات او شایان درجہ ارتفاع　　　از خود تو درود عالم صد شعاع

اور اعطانی سوالی سے مراد ہے بارگاہ ایزدی سے اپنی ہر مطلوبہ شے کا پانا اور خلعت الوالعزمی کے ساتھ ہر مانگی ہوئی چیز سے سرفراز فرمایا جانا۔ بعض خاندان قادریہ کے درویشوں نے لکھا ہے کہ حضور نے بارگاہ الٰہی میں درخواست کی تھی میرے مریدین سے عذاب دوزخ اٹھا دیا جائے۔ اور ان پر آتش جہنم حرام کر دی جائے۔ اس دعا کو شرف اجابت بخشا جانا ہی اعطانی سوالی کا ترجمہ ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ روایت گو قابل تحقیق ہے تاہم ناممکن نہیں سمجھتا لیکن یہاں پر یہ لکھے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ کہ اگر کوئی ایسی دعا مریدین باصفا کے لئے حضور نے طلب فرمائی ہے۔ تو کیا اس کی قبولیت و شمولیت کا اہل ہر وہ مرید ہو سکتا ہے جس کو صرف خوش اقتصادی سے مطلب اور ضرورت کی وقتی عقیدت ہو حقیقت یہ ہے کہ حلوا خوردن راروئے باید۔ غوث الاعظم کی ارادت و مریدی بھی کارے وارد کا مضمون ہے۔ ہر بدعمل اور ہر شریعت و طریقت سے بھٹکا ہوا انسان اور ہر راندہ انسانیت اس دربار

عالی کی نسبت صحیح نہیں پا سکتا۔ مرید وہ ہوتا ہے جو اپنے ارادہ کو چھوڑ کر اس کو پیر کے ارادہ کے ساتھ بدل دے اور خود اس کے بعد اپنے اندر کوئی ارادہ قائم نہ کرے۔ کیونکہ مرید صادق المرید لا یرید بنفسہ کے ماتحت ہی پاکیزہ زندگی گزار سکتا ہے۔ پس جو انسان اس حقیقت ارادت و مشیخیت کے ماتحت نہیں چلتا وہ مرید کہلانے کا مستحق نہیں اور نہ ہی اپنی نسبت ایسے الوالعزم شیخ سے کرسکتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ حضور غوث الاعظم کا نامِ نامی و اسم گرامی محی الدین مشہور ہے جس کے معنے دین کے زندہ کرنے والے کے ہیں۔ اور ہر چیز کی زندگی اس کی تربیت میں ہوا کرتی ہے، اور تربیت دو چیزوں پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ اس کے ضرر کو اس سے دور کرنا۔ دوسرے یہ کہ اس کا منافع اس کو پہنچا دینا۔ کیا ایسے مرید کو معلوم ہے کہ دین محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مضرت کیا ہے۔ یہی اعمال قبیحہ اور اخلاق رذیلہ جن سے دین کو بچانا ہے بلکہ ان کو ایسا دور کیا جائے کہ یہ سالک کے لئے ہمیشہ کے واسطے حجاب راہ نہ رہیں کیونکہ اعمال قبیحہ و اخلاق رذیلہ جب تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تو انوار الٰہی ظہور کرتے ہیں اور اگر اخلاق میں رذالت ہو۔ تو اعمال بھی غبار آلودہ اور فحش ہو جاتے ہیں پھر کیا ایسا مرید جو دین کے معاملہ میں بے دین اور بد اعمال واقع ہو۔ دین کے خلاف جا کر غوث محی الدین رضی اللہ عنہ کا مرید بن سکتا اور کہلا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ مثل مشہور ہے کہ ایک جگہ چند درویش بیٹھے تھے۔ ایک نے پوچھا کہ بھائی ارادت کی تعریف کرو۔ مرید کیونکر مرید حقیقی کا درجہ پا سکتا ہے۔

ایک درویش نے جواب دیا کہ ہر معاملہ میں اپنے ارادہ کو ترک کر دے۔ اور شیخ کے ارادہ کو وارد کر لے۔

دوسرے نے کہا۔ کہ اتباع شیخ میں اپنی منزل تکلف کو نہ دیکھے۔

تیسرا بولا کہ شیخ کے نقش قدم پر چل کر ہر وقت ہر قربانی کے لئے تیار رہے۔ اور کسی حکم میں ڈگمگانے نہ پائے۔

چوتھے صاحب بولے کہ اس کی مرضی پر راضی رہے اور اپنی ہر تمنا سے کنارہ کش ہو کر

اس کے کسی حکم میں تنگدلی کو جگہ نہ دے۔

حضرت عبداللہ بن سہل تستری بھی اسی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ فرمانے لگے۔ یہ جوابات صحیح نہیں بلکہ ارادت کا حق یہ ہے کہ شیخ کی طرف سے میدان ابتلا میں جو بھی ایذا اس کو پہنچے اس میں لذت حاصل کرے۔

حکایت

ایک درویش باخدا سے کسی بے تکلف دوست نے سوال کیا کہ آپ کے اس قدر مریدوں کی تعداد ہے۔ قیامت میں آپ ہر ایک کی ذمہ داری کو کیونکر سرانجام فرمائیں گے۔ آپ اس کے جواب میں فرمایا کہ فلاں تاریخ یا فلاں دن کو آؤ تم کو دکھا دیں گے۔ چنانچہ آپ نے یہ انتظام کیا کہ اپنے مکان کے اوپر کے حصے میں دو چار بکرے منگا کر رکھ دیئے۔ اور اپنے غلام کو کہا کہ جب میں نیچے سے کسی آدمی کو اوپر بھیجوں تو تم اس کو بٹھا دینا اور خود ان جانوروں سے ایک ذبح کر دینا جس کا خون اس پرنالہ سے گلی میں نظر آئے۔ اسی طرح دوسرے اور تیسرے چوتھے آدمی کے اوپر آنے پر کرنا۔ ادھر یہ انتظام کیا ادھر وہ دوست اور مریدین بھی آ گئے۔ مکان کی نچلی منزل میں یہ مجلس تھی کہ اس دوست نے اچانک پھر وہی سوال کیا۔ آپ نے اس کے جواب میں مریدین کی جماعت کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کون ہے جو آج اپنے آپ کو میرے کہنے پر اللہ کے لئے قربان کرے۔ اور دین و دنیا میں سرخرو اور کامیاب ہو جائے مجھے چند ایسے مخلصین کی قربانی کی ضرورت ہے جو میری غلامی کو ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں۔ پھر کیا تھا مجلس معتقدین پر ایک سناٹا چھا گیا۔ ہزاروں کی تعداد سے صرف ایک مرید نکلا جس نے اس آواز پر لبیک کہا اور قربانی کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ حکم ہوا کہ اوپر چلے جاؤ۔ وہاں تم کو ذبح کیا جائے گا۔ چنانچہ وہ اوپر گیا۔ تو غلام نے اس کو جگہ دی اور خود ایک بکرا ذبح کر دیا جس کا خون نیچے والے تمام اہل مجلس نے دیکھا۔ اور یقین کر لیا کہ وہ ذبح ہو گیا۔ اب پھر شیخ نے پکارا کوئی اور ہے جو اپنے آپ کو راہ خدا میں قربانی کے لئے پیش کرے۔ پھر ایک شخص اٹھا اور عرض کیا کہ میں حاضر

ہوں فرمایا اوپر چلے جاؤ وہاں تم سے وہی سلوک ہوگا جو پہلے سے ہوا چنانچہ وہ بھی اوپر چلا گیا اور غلام نے اس کے جانے پر بھی حسب ہدایت ایک بکرا ذبح کر کے اس کا خون نالی میں بہا دیا۔ جو نیچے والے اہل محفل نے دیکھا اب پھر تیسری بار آواز اٹھی کوئی ہے جو اپنے آپ کو اللہ قربان کرے۔ اب دیر تک کوئی نہ بولا۔ پھر ارشاد ہوا کوئی میرا مرید مخلص ہے جو میرے حکم پر جان قربان کرے ہزاروں کے مجمع سے ایک نحیف سی آواز آئی اور ایک شخص بہ ہزار تساہل اور اٹھا اور کہنے لگا مجھے حکم دیا جائے کہ میں اوپر جا کر قربان ہو جاؤں حکم ہوا کہ جاؤ مگر قدم نہ اٹھتا تھا مجبوراً پاؤں گھسیٹتے سیڑھیوں تک گیا اور جان دینے کے خوف سے سیڑھیوں میں ہی گر گیا۔ اس کے بعد جتنی مرتبہ پکارا مریدین پر سکتہ کا عالم تھا اور مجلس کی مجلس صدائے برنخاست کا نقشہ تھی۔ اس درویش نے اوپر والے دونوں دوستوں کو اور تیسرا اس کو جو سیڑھیوں میں ہی گر گیا۔ بلا لیا اور اپنے اس دوست سے جس نے سوال کیا تھا۔ فرمانے لگے۔ یہاں یہ اڑھائی مرید ہیں جن کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے دو وہ جو کامل ہمت و ایمانی استقامت سے بارادہ قربانی مکان کے اوپر چلے گئے اور آدھا یہ جو سیڑھیوں میں گر گیا۔ باقی سب مدعیان ارادت غرض پرست ہیں۔ نہ یہ اپنے فرائض میں پورے اتریں۔ نہ ہم پر ان کی ذمہ داری عائد ہو۔ کیا پیران عظام و بزرگان ذوی الاحترام کے ماننے والے۔ اس حکایت سے سبق حاصل کرنے کی سعی کریں گے درحقیقت ارادت و عقیدت کی یہی سچی تعلیم ہے اور کوئی مرید بغیر اتباع کامل اپنے شیخ کے اور بغیر پیروی شریعت غرا کے مقصود کو نہیں پا سکتا۔ جو درویش راہ طریقت میں اس عمل کے بغیر مدعی ارادت ہوتا ہے وہ کاذب ہے۔

جس مرید کا شیخ محی الدین (دین کا زندہ کرنے والا) ہو اور مرید ماحی دین (دین کے مٹانے والا) اور عملاً بھی ثابت کراتا ہو کہ دین شیخ سے کوسوں دور ہے۔ پھر اس کا مرید کہلانا یا دعویٰ مریدی کرنا کیا معنے رکھتا ہے فقیر کے پاس ایک شخص آیا۔ جس کو کوئی دنیا کی غرض تھی۔ کہنے لگا۔ مجھے جو ارشاد ہو گا وظیفہ یا چلہ یا روزہ یا صدقہ یا کوئی اور محنت شاقہ تو بھی

اس پر عمل کروں گا۔ مگر میرا کام ہو جانا چاہئے۔ مجھے بزرگان دین سے بڑی محبت ہے اور فلاں بزرگوں کا ملنے والا ہوں۔ آپ اس مسئلہ میں میری ﷲ امداد فرمائیں۔ فقیر نے کہا کہ کسی محنت شاقہ۔ کسی وظیفہ۔ کسی چلہ کشی کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک بات اور وہ بھی بڑی مختصر اور سہل کہتا ہوں۔ اگر سچے ایماندار ہو تو اس پر عمل کرو کام تمہارا اکیس دن میں ہو جائے گا اور اگر نہ ہو۔ تو فقیر کو پکڑ لینا۔ پھر تو وہ خوش ہو کر کہنے لگا۔ فرمائیے۔ ضرور کروں گا۔ فقیر نے اس سے تین بار عہد لے لیا کہ کرو گے کہنے لگا۔ کروں گا۔ فقیر نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی سنت سمجھ کر داڑھی رکھ لو اور آئندہ کے لئے نہ ترشوانے کا عہد کرو۔ تمہارے کام کی ذمہ داری فقیر لیتا ہے۔ وہ شخص اس قدر سٹ پٹایا جس کی حد نہ رہی اور کہنے لگا کہ حضرت مجھے آپ اگر یہ فرما دیتے کہ آدھا قرآن پاک ہر روز پڑھا کرو۔ تو وہ میرے لئے سہل تھا۔ مگر یہ داڑھی رکھنا بہت دشوار۔ فقیر نے کہا۔ جس کا صدقہ کھاتے ہو اسی کی نافرمانی کر کے کامیاب بھی رہنا چاہتے ہو۔ یہ غیر ممکن ہے جاؤ اور بھٹکتے پھرو۔ کیا ایسے انسان اپنے دعوائے غلامی میں حق پر ہو سکتے ہیں۔ شعر

ایں بود اسرار نام محی دین	ناتوانی یاب کام محی دین
ایں مرید شاہ محی الدین سرور	گو برآئی از غرور نفس زور
نوکر شاہ آں بود کہ اسم شاہ	برتن و دل خویش وارد بے کراہ
رومیاں راروم باشد نورجاں	کے کند زنگی و عادی رومیاں

تاتوانی درشریعت گام زن
تامرید محی دین باشی سمن

لقب:۔ اوپر جو کچھ کہا گیا یہ تو حضرت محی الدین رضی اللہ عنہ کے اس نام نہاد مرید کے لئے تھا۔ جو ظاہر و باطن اور قول و فعل جدا گانہ رکھتا ہے۔ اب یہ بھی دل چاہتا ہے کہ خود محی الدین کے لقب محی الدین کی ذرا وضاحت کر دوں تا کہ یہ پہلو بھی تاریکی میں نہ رہ جائے جس کے متعلق بعض معاندین اور جاہل بکواس کیا کرتے ہیں کہ یہ خوش عقیدہ مریدوں کی

عطا کردہ ڈگری ہے۔ درحقیقت غوث بغداد ایسے نہ تھے۔

اس کے متعلق کہ غوث الاعظم کی ذات ستودہ صفات کیا تھی۔ نہ فقیر کے پاس قوت بیان اور نہ بتانے کو زبان ہے کہاں سے وہ علم لاؤں جو اس پیکر نور سے نقاب اٹھاؤں۔ اور کہاں سے وہ قلم حاصل کروں جو اس حقیقت کو معرض تحریر میں لانا آسان سمجھوں۔ آپ کے علو مراتب اور محاسن و مکارم اتنے رفیع ہیں کہ ان پر جتنا بھی لکھا جائے نفس عبارت کی تشنگی کم نہ ہو گی۔ جتنا کہا جائے گا اتنا ہی کہنا باقی رہے گا۔ جس کو پوری دنیائے اسلام محبوب سبحانی۔ قطب ربانی غوث یزدانی اور عارف صمدانی۔ بزرگ جیلانی کے نام سے پکار رہی ہے۔ اس کے متعلق کیا اظہار خیال کیا جائے ہاں بہت بڑی ہستی تھی۔ بلند مرتبہ تھے۔ رفیع الشان تھے۔ ہدایت خلق۔ احیاء دین اشاعت اسلام اور اصلاح مسلمین کے لئے پیدا ہوئے تھے۔

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں فرزندان اسلام اعتقادی حیثیت سے بہت زبوں صورت اختیار کر چکے تھے۔ ان کی ساری مذہبیت ضعف و مداہنت کے بھنور میں پھنس گئی تھی۔ نئے نئے فرقے نئے نئے اعتقادوں اور نئے نئے ارادوں کو لے کر پیدا ہوتے اور پھیلتے چلے جاتے تھے۔ شیعہ وسنی کے جھگڑوں نے بے حد نازک صورت اختیار کر لی تھی۔ دنیا پرستی۔ جاہ طلبی اور دنیا نوازی کا جذبہ عام ہو رہا تھا۔ بغداد کی عظمت خلافت اور تاریخی اہمیت بہت کچھ مٹ گئی تھی۔ خلفاء کا اقتدار گو قائم تھا مگر بہت محدود ہو چکا تھا۔ مسلم کے ضعف واضمحلال سے غیر مسلم طاقتیں پیدا ہو رہی تھیں۔ اور ہر لحظہ اپنے قدم بڑھاتی چلی جاتی تھیں۔ ایسے گھٹا ٹوپ ظلمت کدہ میں قدرت ایزدی سے حضور غوث الاعظم قائد عالم کی حیثیت سے دنیا میں تشریف لائے۔ مخموران غفلت کو جگایا۔ بھٹکے ہوؤں کو امرت پلایا۔ جاہلوں کو پڑھایا اور مردہ دلوں کو جلایا۔ سرکار مدینہ علیہ السلام کی ہدایت پر وہی کیا جو انبیائے بنی اسرائیل اپنے اپنے وقت میں کرتے چلے آئے تھے۔

زندہ کر ڈالے ہزاروں مردہ دل اک آن میں
جلوہ گر جس دم ہوئے اہل جہاں میں محی دین

محی الدین اسی لئے آپ کو کہا جاتا ہے۔ کہ آپ نے دین کے جسم و جان میں نئی روح پھونکی اور اس آخری سانس لیتی ہوئی نعش کو قوت و توانائی بخش کر کھڑا کر دیا۔

ایک مرتبہ کسی سائل نے آپ سے سوال کیا۔ کہ محی الدین آپ کو کیوں کہا جاتا ہے۔ اور یہ لقب صرف آپ کے لئے کب اور کیونکر شروع ہوا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ مجھے اور تو کچھ علم نہیں صرف اتنا یاد ہے کہ میں ایک بار گھر سے نکل کر باہر سیر کے لئے جنگل کو جا رہا تھا۔ کہ ایک سنسان مقام پر راستے میں مجھے ایک شخص ملا۔ جس کی قوتیں اس کو جواب دے چکی تھیں اور وہ شدت ضعف کے باعث اپنے قدموں پر کھڑا بھی نہ ہو سکتا تھا۔ نہایت کمزور و نحیف نظر آتا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بڑی منت کے ساتھ اپنے پاس بلایا۔ اور استدعا کی کہ میری دستگیری فرمائیے میں بہت بیچارہ و نزار ہو چکا ہوں مجھے اس کی منت و زاری پر رحم آ گیا۔ میں اس کی طرف بڑھا اور اس کی صحت کے لئے کچھ پڑھ کر اس پر پھونکا۔ میرے دم کرتے ہی اس کی تمام لاغریاں اور کمزوریاں آن واحد میں معدوم ہو گئیں اور ایک توانا و چاق و چوبند صورت میں منتقل ہو کر بولا۔

غوث الاعظم آپ نے یہ کرم فرمائی تو کی کہ مجھے از سر نو صحت و زندگی عطا فرمائی لیکن کیا آپ مجھے جانتے بھی ہیں کہ میں کون ہوں۔ میں آپ کے نانا پاک تاجدار کائنات مختار شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین ہوں اور میرا نام اسلام ہے خدا کی بے راہرو مخلوق کے فسق و فجور اور گناہ و معاصی نے میری یہ حالت کر دی تھی جس سے آپ نے مجھے نجات دلائی۔ واقعی آپ دین اسلام کے مجدد اعظم مصلح اکبر اور محی الدین ہیں یہ کہا اور میری آنکھوں سے فوراً غائب ہو گیا۔ میں اسی حیرت و استعجاب سے شہر کی جانب رخ کر کے چل دیا ابھی راستے میں ہی تھا کہ ایک اور شخص تن برہنہ دوڑتا ہوا آیا اور اس نے میرے پاس پہنچ کر تین بار بلند آواز سے سیدی محی الدین کے نعرے لگائے اور نظروں سے اوجھل ہو گیا میں بغداد آیا مسجد گیا اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ سلام پھیرا تو دونوں جانب سے محی الدین محی الدین کہتی ہوئی مخلوق مجھ پر جمع ہونے لگی۔ حالانکہ اس سے قبل میں نے

کبھی کسی کو اس خطاب سے پکارتے نہ سنا تھا۔

چند گویم آں شہباز دین | آنکہ دین رازندہ کردہ بالیقین
جانہا از پر پرداز ش شکار | عالمے از فیض او دارو بہار
درزمیں او محی دیں دار ولقب | در ملائک نور عظمیٰ خوش نسب
ملاء اعلیٰ باز اشہب نام او | غوث اعظم نزد قرب حق شنو

گوید از عشق شہ دنیا و دین
ایں قلندر محی دین و محی دین

جام یازدہم

اختیاراتِ حکمرانی

وَوَلَّانِیْ عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا
فَحُکْمِیْ نَافِذٌ فِیْ کُلِّ حَالِ

مجھے تمام قطبوں پر مختار و حاکم بنا دیا اور میرا حکم ہر حال میں نافذ و جاری و ساری رہے گا۔

ہو گیا اقطاب کا میں حکمران
زیرِ فرماں ہیں مرے سب بے گمان
حکم جاری ہے مرا سب کے تئیں
ہر زمان و ہر مکاں میں بالیقین

اظہارِ اختیارات میں لب کشائی ہوتی ہے کہ مجھے تمام اقطاب پر حکومت تفویض فرمائی یا تمام قطبوں کو میری سپردگی میں دے دیا گیا ہے۔ گویا میں ان کا مختار و حاکم ہوں۔ اور میرا حکم ان پر ہر حال میں نافذ و جاری ہے۔ ان کی ابتداء و انتہا حیات و ممات در قبض و بسط۔ خواہ وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں۔ شمال میں ہوں یا جنوب میں۔ قریب ہوں یا بعید۔

حاضر ہوں۔ یا غائب۔ میرے تصرف میں ہے۔ **وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء**

یہاں پر سرکار بغداد غوث الاعظم میراں محی الدین کے اس فرمان عالی میں یہ اشارہ ہے کہ خدمت کا کام مجھے عطا فرمانے کے بعد مجھ کو نافذ الحکم بھی بنا دیا۔ کیونکہ کسی کے ذمہ اگر کوئی خدمت ڈالی جائے تو وہ اس خدمت کے متعلق اپنے ماتحتوں میں حکم جاری کر سکتا ہے اس لئے کہ سید القوم خادم القوم ہی کہلاتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی سیادت وسرداری میں احکام جاری نہ کر سکے تو یہ بات نہایت غیر موزوں اور بے معنی ہوگی جیسے یہ کہہ دیا جائے کہ فلاں زمانہ میں ایک بادشاہ تھا وہ بڑا غریب ومفلس تھا پس یہ خدمت غلامانہ نہیں بلکہ شاہانہ ہے۔ اور نفاذ حکم ہی بمعنے خدمت ہے نیز یہ کہ جب قطبوں پر حکومت دی گئی ہے تو عوام بھی اس میں داخل ہوں گے کیونکہ تمام جہان تصرف اقطاب میں ہوتا جیسے کہ دیوبندی جماعت کے بڑے مایۂ ناز بزرگ محمد اسماعیل دہلوی بھی اس اقرار کے بغیر نہیں رہ سکے۔ گو ان کی جماعت آج اس بلندئ درجہ کی منکر نظر آتی ہے وہ لکھتے ہیں۔ کہ ''ہم چنیں اصحاب ایں مراتب عالیہ وارباب ایں مناصب رفیعہ ماذون مطلق در تصرف عالم مثال وشہادت مے باشند۔ ایں کبار اولی الایدی والابصار رامیرسد کہ تمامی کلیات رابسوئے خود نسبت نمایند مثلاً ایشانرا میرسد کہ بگویند از عرش تا فرش سلطنت ماست''۔ یعنی اولیاء کرام وبزرگان عظام کو یہ استحقاق ہے کہ وہ یہ فرمادیں کہ عرش سے لے کر فرش تک ہماری ہی بادشاہی ہے کیونکہ ان کو تمام جہان اور جہانیوں پر تصرف حاصل ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بزرگان دین کے اِن مدارج کی تشریح بھی کر دی جائے۔ جن سے وہ خاص وعام کے نزدیک پکارے جاتے ہیں تا کہ اس میدان کے چلنے والوں کے لئے موجب تمیز بن سکے۔ اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ ایک وہ ہستی جو غوث کی حیثیت سے زمانہ میں ممتاز ہوتی ہے۔ اس کی بلندی اور تصرف کہاں تک ہوتا ہے۔ اور کیا وہ کچھ اپنے اختیارات خصوصی سے کسی کے سلب وجلب اور نفع وضرر قبض وبسط میں دخیل ہونے کی قوت من جانب اللہ رکھتی ہے یا نہیں۔

پس اس جماعت واصلین کے مندرجہ ذیل مراتب ہیں:

۱-افراد' ۲-اقطاب' ۳-اوتاد' ۴-ابدال' ۵-نجبا' ۶-نقبا' وغیرہم۔

افراد:- اس جماعت کا نام ہے جو قطب زمانہ کے دائرہ تصرف سے باہر ہوتی ہے کیونکہ افراد ملائکہ کے ظل ہیں اور ملائکہ تصرف ارضی سے بالاتر ہوتے ہیں۔

اقطاب:- وہ ہیں جو مدار وجود خلائق اور شہود حقائق ہیں۔ جیسا کہ فلکیات کے مرکز قطب صرف انتظام امور عالم کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اصطلاح تصوف میں قطب بھی صاحب مقام مخدع ہے پھر قطب ایک زمانہ میں کئی ہوتے ہیں۔ جو قطب الاقطاب کے ماتحت ہوتے ہیں جس کی تعریف کتب تصوف میں یوں آئی ہے۔ هُوَبَاطِنُ نُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَكُوْنُ اِلَّا لِوَرَثَتِهٖ لِاُخْتِصَاصِهٖ بِالْاَكْمَلِيَّةِ فَلَا يَكُوْنُ خَاتِمُ الْوَلَايَةِ وَقُطْبُ الْاَقْطَابَ اِلَّا عَلٰى بَاطِنِ خَاتِمِ النُّبُوَّةَ. یعنی قطبیت نبوت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باطن ہے۔ پس نہیں حاصل ہوتی مگر اس کے ورثاء کے لئے کیونکہ حقیقی کمال ان کے لئے مختص ہے۔ پس خاتم الولایت اور قطب الاقطاب سوائے باطن خاتم النبوت کے نہیں ہوسکتا۔ پھر قطب ایک زمانہ میں کئی ہوتے ہیں اور قطب الاقطاب یا غوث (جس سے مراد درجہ قطبیت کبریٰ ہے) صرف ایک ہوتا ہے پھر اقطاب کے مختلف مدارج ہیں۔ مثلاً۔

قطب ارشاد

یہ ولی اللہ آسیائے ہدایت کا مدار ہوتا ہے جس سے عصیان وطغیان اور کفر وضلالت کی تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔

قطب اوتاد

اوتاد جمع وتد کی ہے۔ اور وتد عربی میں میخ کو کہتے ہیں جس طرح میخ کسی چیز کے قائم رہنے کی ضامن ہوتی ہے۔ اسی طرح قطب الاوتاد جہان کا ضامن ہوتا ہے گویا اس طبقہ کا ہر ایک فرد ایک میخ ہے جس کے ساتھ زمین و آسمان۔ بحر و بر۔ شجر و حجر۔ چرند و پرند وابستہ

ہیں جب کوئی قطب دنیا سے سفر کر جائے یعنی انتقال فرمائے تو اوتاد سے ان کی جگہ پر کی جاتی ہے۔

قطب ابدال

یہ اولیاء اللہ اس طبقہ سے متعلق ہوتے ہیں جن کو دن بدن ترقی مدارج درجہ کمال تک ہوتی رہتی ہے ان کو ابدال اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایک کے مرنے پر دوسرا اس کا بدل بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اسی طبقہ کے توسل سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے اور یہ جماعت ہمیشہ چالیس اولیاء اللہ پر مشتمل ہوتی ہے۔

نُجَبَا

یہ بھی چالیس اولیاء اللہ کی ایک جماعت ہوتی ہے جس سے قطب ابدال بنائے جاتے ہیں۔

نقبا

یہ جماعت تین سو اولیاء اللہ پر مشتمل ہوتی ہے جو عام مقامات میں کام کرتے ہیں۔

سیدنا غوث الاعظم چونکہ قطب الاقطاب ہیں اس لئے اس شعر میں اپنے مدارج متصرفہ کا اظہار فرماتے ہیں۔ ایک ولی جو ولانی سے سمجھا جاتا ہے۔ دوم قطب الاقطاب جو کہ ولانی علی الاقطاب جمعاً سے ظاہر ہوتا ہے۔ سوم حاکم جو فحکمی سے مفہوم ہوتا ہے اور مخدوم کو وہ بھی اسی میں مضمر ہے اور نائب مطلق جو اس تمام مصرعہ کا مشار" الیہ ہے پس چونکہ حضور سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت تا قیامت باقی رہے گی۔ اس لئے اس کی نیابت یا باطن نبوت کا بھی اسی کمال سے تا قیامت باقی رہنا لازم ہے۔ حضور غوث الاعظم ایک اور قصیدہ میں فرماتے ہیں۔ شعر

اَفَلَتْ شُمُوسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا

اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ آفتاب دیگراں کردہ غروب۔ آفتاب مابود دائم شہوب۔ اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی روشنی ایک مداومت رکھتی ہے۔ جو ہر زمانہ میں اولیاء اللہ تک پہنچتی رہے گی۔ اس میں ظاہری زندگی شرط نہیں جو لوگ اس کو زمانہ حیات کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں ان کو لفظ کل حال کی ندا کو سمجھنا چاہئے۔ نیز لفظ جمعاً سے اس راز کی جانب اشارہ ہے کہ آپ جامع الولایات ہیں اور ہر ولی پر آپ کا حق غوثیت ہے کیونکہ آپ کا حال اور وقت ہر ولی کے حال اور وقت کا والی ہے۔ گویا ہر ولی ہر رتبہ میں حضور ہی کے مرتبہ سے فیض یاب ہوتا ہے اور یہ غیر ممکن نہیں کیونکہ کرامات اولیاء اللہ بعد موت کے بھی ثابت ہیں۔ حضرت علامہ شیخ احمد حموی حنفی نے اس پر ایک رسالہ **نفحات القرب والاتصال باثبات التصرف لاولیاء اللہ والکرامۃ بعد الانتقال** لکھا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ جمیع مذاہب کے اہل تحقیق کا اتفاق اسی پر ہے کہ تصرفات اولیاء اللہ ان کی زندگی میں ان کی کرامات سے ہیں۔ رہے تصرفات بعد موت وہ بھی حکم اللہ سے ہوتے ہیں اور انہی تصرفات کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بزرگی دی ہے۔ اور یہ کبھی بطور الہام کے اور کبھی بوجہ ان کی دعا کے اور کبھی ان کے اختیار سے اور کبھی بغیر ان کے اختیار اور قصد کے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس پر برماوی نے اپنے رسالہ دلائل الواضحات میں یوں لکھا ہے کہ ہر گاہ مرجع کرامات اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جانب ہے تو ایسی حالت میں اولیاء اللہ کی حیات و ممات میں فرق نہیں۔ اس واسطے کہ خالق ان کا خدا ہے۔ اور اپنے اولیاء کے ہاتھ سے اس لئے جاری کراتا ہے تا کہ ان کو بزرگی حاصل ہو۔ نیز علماء اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات غیر منحصر ہیں۔ کچھ ان میں سے اللہ تعالیٰ جاری کر چکا ہے اور کچھ اس امت کے اولیاء اللہ کے ذریعہ سے بطور کرامت کے زندگی میں اور بعد موت کے قیامت تک جاری کرے گا اور یہ امر ایسا ہے کہ جس کا حصر غیر ممکن ہے۔

پس تحقیق کرامات اولیاء اللہ بھی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات سے ایک معجزہ ہے۔ جو حضور کی دنیا سے تشریف بری کے بعد بھی باقی ہے اور ہر زمانہ میں ہر وقت قیامت

تک ان کی صحبت نبوت پر دلالت کرے گا۔ جیسا کہ شیخ الاسلام بن شحنہ حنفی اور شیخ عبدالباقی مقدسی اور شیخ احمد غنیمی اور ابن صلح رحمہم اللہ نے لکھا ہے۔ اللہ کریم ہر مسلمان کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ امت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پیدا ہوکر اپنی شان اور بزرگان دین مبین کی شان بلند کو سمجھ سکے۔

جام دوازدہم

تصرف کن فکانی

فلو القیت سری فی بحار
لصار الکل غورا فی الزوال

پس اگر میں اپنے بھید کو دریاؤں (سمندروں) پر ڈال دوں تو وہ تمام دریا
خشک ہو کر زوال پذیر ہو جائیں

میں اگر ڈالوں یہ دریاؤں پہ راز
جس نے مجھ کو کر دیا ہے شہباز
خشک ہو جائیں وہ سارے سربسر
اور اک قطرہ نہ پائیں پُر حذر

ارشاد ہوتا ہے کہ میں اپنے راز الٰہی (جو صرف مجھ ہی کو حاصل ہے) یا اپنے کمال کے پر تو یعنی توجہ یا اس طاقتِ خداداد کو (جو صرف میرے ہی لئے ودیعت فرمائی گئی ہے) دریاؤں پر ڈال دوں۔ تو ان سب کا پانی زمین میں معدوم و خشک ہو جائے۔ کیونکہ میرے راز باطنی کے انوار اس قدر شعلہ زن ہیں۔ کہ دریا بھی باوجود اپنی کثرت آب کے ان

شعلوں کی قوت برداشت نہیں رکھتے اور یہ دعویٰ کوئی بعید از قیاس نہیں۔ راز الٰہی بہت بڑی چیز ہے جس کے اٹھانے سے یہ ارشاد قرآن پاک انا عرضنا الا مانة علی السموات ولارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا و حملھا الانسان انه کان ظلوما جھولا۔ زمینوں، پہاڑوں، آسمانوں غرضیکہ کل کائنات نے انکار کر دیا تھا جس کو صرف انسان نے اٹھایا کیونکہ اس کا قیام صرف اسی کے سینہ میں ہوسکتا تھا۔ نیز اس دوسری آیت میں بھی اسی جانب اشارہ ہے۔ لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایته خاشعا متصدعا من خشیة الله۔ کہ اگر ہم اس قرآن کریم کو جو ہمارا راز ہے پہاڑوں پر نازل فرماتے تو اے محبوب آپ دیکھتے کہ وہ خشیت الہ سے ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو کر گر جاتے۔

گویا دریا کا خشک کر دینا یا اس پر تصرف کرنا اولیاء اللہ کے لئے کوئی اچنبہ نہیں۔ بلکہ ان کی حیثیت میں داخل ہے کہ وہ ایسا کر سکنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ سرکار غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی شان تو بڑی بلند ہے۔ عام الوالعزمان ملت بعض اوقات وہ کچھ کر گزرتے ہیں جن پر فضیلت و شرافت انسانیہ سے ناواقف انسانوں کو سخت تعجب ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ جائے تعجب نہیں۔ جس قدر کسی کا خداوند عالم جل مجدہ سے تعلق ہوتا ہے۔ اسی قدر اس پر انعامات ایزدی اور اسی قدر اس میں یہ قوتیں ودیعت ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی ایک نعت میں لکھتے ہیں۔

قطرۂ درد دل جامی بدریا افگنی

سینہ سوزاں دل تپاں ماہی زآب آید بروں

یعنی اگر جامی کے درد دل کا ایک قطرہ تو دریا میں ڈال دے۔ تو مچھلیاں بھنی ہوئی اور جلی ہوئی پانی سے باہر آ جائیں۔ گویا دریاؤں پر تصرف بندگان خدا کی قوت کے مقابلے میں کوئی بڑی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ ایک تاریخی روایت میں آتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فوجوں کے مشہور ترین جرنیل حضرت خالد بن ولید (جن کو سیف اللہ کا خطاب تھا) رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنی اسلامی فوج سمیت دریا عبور کر رہے تھے کہ ایک

عسکری کا لکڑی کا ستو پینے والا پیالہ دریا میں بہہ گیا وہ سپاہی قطار کو توڑ کر پیالہ کے پیچھے جاتا تھا۔ کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ کیا کرتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ پیالہ پانی میں بہہ گیا ہے اس کو حاصل کرنے کی سعی کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم اپنے ہمراہیوں سمیت دریا سے باہر نکل آؤ۔ پیالہ میں خود دریا سے وصول کر لوں گا۔ چنانچہ وہ سپاہی نکل آیا۔ تو آپ نے دریا کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا۔ اے دریا۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ فوج غلامان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔ اگر ان کا پیالہ تجھ میں ضائع ہو گیا تو قیامت کے دن بھی تجھ سے وصول کر لیا جائے گا۔ یہ آواز پہنچی تو پانی میں ایک چکر آیا جس نے ڈوبے ہوئے پیالے کو تہہ سے اٹھا کر باہر کنارے پر پھینک دیا۔
ایسے ہی وہ قصہ ہے جو دریائے نیل سے خلیفۃ المومنین عدل مجسم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیش آیا۔ دریا کا سال بسال پانی رک جایا کرتا تھا۔ لوگوں کو تکلیف ہوتی پانی نہ ملتا تو ہر سال ایک نوجوان لڑکی کو ہار سنگار کر کے دریا کی بھینٹ چڑھاتے اور نذرانہ ادا کرتے۔ تو پھر دریا جاری ہوتا۔ یہ انسانی قربانی انسانیت پر ظلم تھا مگر جب مصر پر مسلمانوں کا اقتدار ہوا۔ اور حاکم اعلیٰ مصر نے دیکھا کہ یہ ظلم ہو رہا ہے تو آپ نے لوگوں کو منع فرمایا کہ تاحکم خلیفۃ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ نہ کیا جائے اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اعظم کی خدمت میں یہ حال لکھا۔

حضور نے اس کے جواب میں دریا کے نام مدینہ منورہ سے ہی ایک رقعہ لکھ بھیجا جس کا مضمون تھا کہ اے دریا۔ اگر تو خدا کے حکم سے جاری ہے تو تجھے خدا کی مخلوق کو ستانے کا کوئی حق نہیں اور اگر اپنی مرضی سے جاری ہے تو تیری مرضی کو درست کرنے کے لئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درۃ کافی ہے۔ یہ رقعہ لکھا تو حاکم مصر کو بھیج دیا۔ اور ساتھ ہی فرما بھیجا کہ یہ میرا رقعہ دریا کے کنارے پر پڑھ کر دریا میں ڈال دو۔ اور اگر جاری نہ ہو تو مجھے فوراً اطلاع کرو۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس وقت سے دریائے نیل جوں جاری ہوا ہے پھر آج تک بند نہیں ہوا۔ یہ کیا تھا۔ اسی راز کی رازداری کا اثر جس کا ذکر غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں۔ حضرت سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ میں اور میرا ایک

دوست ہمسفر تھے۔ اتفاق سے راستہ میں دریا آ گیا۔ کشتی کے ذریعہ عبور کرنا چاہا۔ ملاحوں نے پیسے مانگے۔ میرے پاس اپنے لئے تھے۔ میں نے دے دیئے اور سوار ہو گیا مگر وہ میرا دوست رہ گیا۔ کیونکہ اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ کشتی اس کو چھوڑ کر روانہ ہو گئی۔ ا ر مجھے اس کے پیچھے رہ جانے کا بے حد ملال ہوا۔ لیکن میرے تعجب کی حد نہ رہی جب میر ا نے اس کو اگلے کنارے پر پہنچ کر نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم کیوں پہنچے اور پھر مجھ سے بھی پہلے۔ تو کہنے لگا۔ مصرعہ

ترا کشتی آ ‌رد و مارا خدا

جب کمال تصرف عام درویشوں کا دیکھا جاتا ہے۔ تو غوثیت وصحابیت کے انوار رازداری تو نہایت وراء الوراء ہیں۔ کہا موسیٰ علیہ السلام کا دریا و بحر کو پھاڑنا اور عبور کرنا یاد ہے۔ اگر ہے تو غوث الاعظم کا دعوےٰ راز اور دریاؤں کو خشک کر دینے کا ارشاد اسی راز کی ایک کڑی ہے کیونکہ سرکار مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے جس سے خارق عادات افعال ایسے ہی سرزد ہوتے ہیں۔ جیسے اس نبی علیہ السلام سے ہوئے جس کے یہ قدم پر ہو۔ اور انتظام وقیام عالم سب انہیں محبوبان خدا کے وجود باجود سے وابستہ ہے اور انتظام وتصرفات کونیہ کے لئے ان کو ذریعہ بنایا گیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے۔ عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لن تخلو الارض من ثلثین مثل ابراھیم خلیل الرحمن بھم تقاتلون و بھم ترزقون و بھم تمطرون ۔یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین اللہ کے تیس مقبولوں سے خالی نہ ہوگی۔ جو حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی مانند ہوں گے کہ انہیں کی بدولت تم کو جنگوں میں فتح ونصرت ملتی ہے۔ اور انہیں کی وجہ سے تم رزق دیئے جاتے ہو اور انہی کے باعث تم مینہ برسائے جاتے ہو۔

بات دور نکل گئی۔ غرض یہ تھی کہ کسی اللہ کے بندے کی نظر قہر سے دریاؤں کا خشک ہو جانا کوئی قابل تعجب چیز نہیں۔ یہ سب کچھ خدا کی قدرت میں ہے جس بندے سے چاہے

اسے نواز کر اپنی طاقتوں کا اظہار کروائے۔ اس قصیدہ میں چار شعر ایسے ہیں جو کلمہ لو سے شروع ہوتے ہیں جو اکثر فرضیات میں مستعمل ہوتا ہے۔ اور جس میں یہ اشارہ ہے کہ باوجود اس امر کے کہ جناب کو بہت بلند درجہ حاصل ہے۔ آپ کسی پر عتاب نہیں فرماتے۔ اور اگر کوئی بیڈھب انسان کسی وجہ سے آپ کے قہر میں مبتلا ہو جائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔

یہاں بحار سے مراد اگر ظاہری بحار ہوں۔ تو مطلب صاف ہے اور اگر اس سے مراد بحار باطن (اولیاء اللہ) لئے جائیں تو یہ بھی بیان سابق کے عین مطابق ہے۔ اور لفظ القاء کے فرمانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ایسے کام کے لئے کسی خاص توجہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور یہ سب کام آنخضور کے نزدیک بے حد سہل الوقوع ہیں۔

لفظ کل کے اشارہ سے پایا جاتا ہے۔ کہ آنجناب کا معمولی سا رنج بھی بڑے بڑے امور کی تباہی کا باعث ہوسکتا ہے۔ جس میں تمام بحار یا تمام بحار کا پانی ذکر کرنا مقصود ہے۔ پھر غوراً فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ کسی بزرگ کی چھوٹی سی ناراضگی بہتے ہوئے دریاؤں کا پانی اس طرح دریا کی تہہ میں معدوم وخشک کرسکتی ہے جیسے کہ کبھی تھا ہی نہیں۔ غوراً کا مطلب دریا کی زمین نہیں بلکہ اس کی سب سے نچلی تہہ مراد ہے۔ جس سے دوبارہ پانی کا اوپر لانا دشوار ہو۔ اور پانی کا سطح دریا پر نام ونشان ہی نہ رہے۔ شعر

زقہر محی دین دریا چو آتش
زھے ذاتش زھے اسرار ذاتش

بحار سے مراد اولیاء اللہ کا بھی بعض حضرات نے ترجمہ کیا ہے۔ کیونکہ جو غرض بحار کے پانی سے ہوتی ہے۔ وہی فوائد معنوی لحاظ سے اولیاء اللہ سے مخلوق کو حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً دریا کا پانی خود پاک اور پاک کنندہ ہوتا ہے۔ اس کی وسعت کی بناء پر اس پر طاہر و مطہر کا حکم دیا جاتا ہے۔ ہر چیز کی زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔ دریا امر الٰہی کے ماتحت والہانہ طور پر جاری وساری ہیں۔ جن کی روانگی میں ان کا دخل نہیں۔ ہر چند خاک پر جاری ہوتے ہیں۔ مگر عجز کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ فرقت مقامی میں یسبح للہ ما فی

السموات وما فی الارض کے ماتحت ذکر الٰہی جہر کرتے ہوئے اور نعرے مارتے ہوئے چلتے ہیں مگر ذاتی دعوے نہیں رکھتے۔ یہی وہ اوصاف ہیں جن سی سالکان راہ بھی متصف ہوتے ہیں۔ لیکن اگر حضور غوث الاعظم ان پر بھی اپنا راز باطنی ڈال دیں تو ان کی بھی روانی میں بندش اور ان کی روحانی زندگی میں ایسی پیوست پیدا ہو جائے کہ نہ وہ خود چل سکیں اور نہ کسی دوسرے کو چلا سکیں۔ کیونکہ کسی ولی اللہ کے حال کا سلب ہونا اس کو کہیں کا بھی نہیں رکھتا۔

غوث اعظم رحمت و فیض اللہ
کرو جاری سرہائے دلربا

جام سیزدہم

فخرِ سرِ عرفانی

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ جِبَالٍ
لَدُکَّتْ وَاخْتَفَتْ بَیْنَ الرِّمَالِ

اور اگر میں اپنے ظاہری اور باطنی راز کو پہاڑوں پر ڈالوں تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور ریگستان میں مل جائیں۔

اور گر ڈالوں میں ان اسرار کو
دیکھ کر اک سخت جاں کوہسار کو
پارہ پارہ ہو کے مٹ جائیں ضرور
بیچ ریگستان کے مانندِ طور

جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا۔ کہ یہ چار شعر ایسے ہیں جو لو کے لفظ سے شروع ہوتے ہیں جن کا مطلب مشروط ہے یعنی اگر میں ایسا کروں۔ تو یہ ہو جائے۔ چنانچہ پہلے شعر میں اپنے سرِّ الٰہی کے جذبہ کا یوں اظہار فرمایا۔ کہ اگر اس سرِ خداوندی کو میں دریاؤں پر ڈالوں۔ تو وہ اس حقیقت کے حامل نہ ہوتے ہوئے کالعدم ہو جائیں۔ اور ان کا پانی ایسا زیرِ زمین ہو جائے کہ گویا یہ دریا

کبھی جاری ہی نہ تھے جس کی مختصر تشریح گزر چکی ہے۔

اب اس شعر میں پہاڑوں کے عدم تحمل راز اور ریزہ ریزہ ہوکر ریگستان میں مل جانے کا اشارہ فرمایا ہے۔ گویا وہ دردِ عشق یا میرے قہر کے صدمات سے ایسے متاثر ہوں کہ ریت کے ذروں میں مل جائیں۔ اور کالعھن المنفوش ہو جائیں۔ گویا انسان ہی اس راستہ میں ایک برگزیدہ ہستی ہے جو سرِ الٰہی کی حامل ہوسکتی ہے۔ ورنہ دوسری تمام کائنات اس کی اہلیت نہیں رکھتی۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے میرے محبوب اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کیا ہوتا اور راس کو بھی شعور ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ خدا کے ڈر سے جھک گیا ہوتا اور پھٹ جاتا پھر ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے کہ ہم نے راز الٰہی بطور امانت پہاڑوں وغیرہ پر پیش کیا وہ سب ڈر گئے اور انکار کر دیا تیسرے مقام پر موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا جبکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے درگاہ باری تعالیٰ میں دیدار بے حجابانہ کی تمنا کی تھی۔ تو ارشاد ہوا تھا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اس پہاڑ پر نظر کیجئے جس پر ہم تجلی ڈالیں گے۔ پس اگر یہ پہاڑ ہماری تجلّےٰ سے اپنی جگہ پر ٹھہر جاتا ہے تو تم بھی اپنے پروردگار کو دیکھ سکو گے۔ پس موسیٰ علیہ السلام کے پروردگار نے پہاڑ پر جلوہ فرمایا۔ پہاڑ چکنا چور ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ پہاڑ اور پتھر جیسی سخت جان شے بھی سرِ خدا کے لئے قوت برداشت نہیں رکھتی۔ برخلاف اس کے کہ ایک مرد خدا کے سرِ خدائی سے جو محل مشاہدہ جلال ہے۔ پہاڑ متزلزل ہو سکتے ہیں اور اس کے دل میں وہ طاقت ودیعت ہو جاتی ہے جس سے وہ راز الٰہی کا حامل ہو جاتا ہے۔

حالانکہ پہاڑوں کو رب العزت نے زمین کے سینے میں میخوں کی طرح گاڑ رکھا ہے تا کہ اگر زمین اپنی خودی میں آ کر کسی وقت جنبش کرنے لگے۔ تو ان میخوں کے باعث برقرار رہے مگر ایک اولوالعزم بندے کی ادنیٰ سی نگاہ اور معمولی سی گفتگو ان لاجب میخوں کو بھی آناً فاناً حرکت میں لا کر تہہ و بالا کر سکتی ہے۔

حکایت

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمتہ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ ایک پہاڑ پر

کھڑے تھے کہ آپ کے ایک مخلص مرید نے سوال کیا کہ حضرت یہ تو ارشاد فرمائیے کہ کسی ولی میں کتنی طاقت ہوتی ہے آپ نے فرمایا۔ ایک ولی کی معمولی سی طاقت کا یہ ظہور ہوتا ہے۔ کہ اگر پہاڑ کو کہہ دے کہ اپنی جگہ سے ٹل جا تو وہ ٹل جاتا ہے۔ آپ اپنے مرید کو یہ مسئلہ سمجھا رہے تھے کہ پاؤں کے نیچے سے پہاڑ نے حرکت شروع کر دی۔ آپ نے اس پر پاؤں مار کر فرمایا۔ تو کھڑا رہ تجھ کو حکم نہیں دیا۔ بلکہ ہم آپس میں بات کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ، بندگان خدا کی زبان بھی کیا زبان ہوتی ہے جس پر خدا بولتا ہے۔ اور کن فیکونی طاقتیں اس میں ودیعت ہو جاتی ہیں۔ اس شعر میں پہاڑوں سے مراد اگر پہاڑی ہی لئے جائیں تو مندرجہ بالا واقعہ کے لحاظ سے پہاڑوں کا حضور غوث الاعظم کے راز کے سامنے ریزہ ریزہ ہو جانا کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ اور اگر راس سے مراد اکابر اولیاء اللہ لئے جائیں تو بھی جبال میں اور اولیاء اللہ میں ایک خاص مناسبت پائی جاتی ہے جیسی کہ پہاڑ قیام زمین کے لئے میخوں کا کام دیتے ہیں ان میں لعل و جواہر، یواقیت و زبرجد کے خزانے مخفی ہوتے ہیں۔ ان میں ہزارہا قسم کی عجائبات اور مفید مطلب عقاقیر ہوتی ہیں۔ اور ان کے پتھر بجائے خود بیشمار ضروریات کے حامل ہوتے ہیں۔ ایسے ہی اولیاء اللہ بموجب حدیث شریف دنیا کے قرار کا باعث مظہر انوار۔ علوم و کشوف کے ظاہر کرنے والے اور اہل جہاں کے لئے مشکل کے وقت میں مشکل کشا ہوتے ہیں لیکن یہ بھی حضور غوث الاعظم کے معاملہ راز الٰہی میں ہیچمدان ہی ثابت ہونگے۔ کیونکہ حضور کے جلال کے مقابلہ میں بہت کم نسبت رکھتے ہیں اور حضور ان کی ہزارہا بلندیوں کے باوجود ان سے بلند ہیں اگر ان میں سے بھی کسی پر کسی وجہ سے تصرف فرمائیں تو یہ اس دائرہ متصرفہ سے باہر نہیں ہو سکتے۔

کوہ گرد داز شکوہش آب صاف ـــ گر بیفتد سر اوبر کوہ قاف

سر جو شد بحر را مانند دیگ ـــ سر سازد کوہ ہارا ہمچو ریگ

اور اگر جبال سے مراد یہاں بڑے بڑے سرکش منکرین و متکبرین لئے جائیں تو بھی درست ہے کیونکہ ان کے قلوب قاسیہ کو قرآن پاک میں پتھروں ہی سے تشبیہ دی گئی ہے اور فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَة" فرمایا گیا ہے۔ پھر ایسے قلوب کا علاج

اگر کوئی طاقت کر سکی ہے تو وہ انبیاء علیہم السلام ہیں یا ان کی طفیل اولیاء اللہ کی جماعت ہے قرآن کریم میں مغرور انسان کی مناسبت پہاڑوں سے یوں بھی ذکر کرائی گئی ہے۔ کہ اے انسان تو زمین پر اکڑ کر نہ چل نہ تیرے پھسلنے والے پاؤں کی ایڑی زمین کو پھاڑ دے گی اور نہ تو سر غرور کو پہاڑوں سے بلند کر سکے گا۔ گویا وہ تجھ سے غرور کا سر زیادہ اونچا رکھتے ہیں پھر اگر حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں بہت ہی سخت دل انسان جو بباطن پتھر ہیں راہ ہدایت پا جائیں اور گردنوں کو جھکا جائیں تو ناممکن نہیں ہے کیونکہ حضور کا اسم گرامی محی الدین ہے اور احیاء دین کے ماتحت محی الدین ہی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ ان سخت ترین قلوب میں وہ توجہ فرمائیں کہ خشیت الٰہی سے گر جائیں اور ان کی نافرمانبرداری کی سختی پانی کی طرح بہہ کر نکل جائے اور ایسا ہوا ہے۔ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں تین شخص ایک عیسائی ایک یہودی اور ایک دہریہ۔ مناظرہ کے لئے حاضر ہوئے آپ نے ان کو مسند بچھا دی اور فرمایا کہ بیٹھ جائیے پھر تین پیالوں میں پنیر کھانے کے لئے منگوایا اور کہا کہ تم میرے مہمان ہو پہلے یہ کھاؤ پھر جو بات کرنی ہوگی کر لینا۔ کیونکہ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی دوسرے شخص کے پاس جائے اور وہاں سے بغیر کچھ کھائے پیئے کے واپس آ جائے تو وہ یوں سمجھے کہ اس نے ایک مردہ سے ملاقات کی یعنی مردوں کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں ہوتا۔ وہ تینوں شخص پنیر کھانے لگے۔ جب فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا بتاؤ کیا چاہتے ہو اور کس موضوع پر گفتگو کرو گے اس کے جواب میں وہ کہنے لگے کہ آپ ہمیں کلمہ طیبہ پڑھائیے اور مشرف با اسلام فرمائیے آپ نے فرمایا تم تو مناظرہ کے لئے آئے تھے۔ بولے یہ ٹھیک ہے مگر اس پنیر کے کھانے سے وہ نورانیت حاصل ہوگئی ہے کہ اب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ شعر

عالم از قدرت نمودہ راز ہو — چونکہ محی دین آمد پاک خو
درود عالم قدرت او ظاہر است — شاہ عبدالقادر اینجا ماہر است
جام وحدت عاشقا نرا عام داد — سر غوث الاعظم از وے خوش کشاد

جام چہاردہم

در جذبہ نورانی

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ نَارٍ
لَخَمِدَتْ وَانْطَفَتْ مِنْ سِرِّ حَالِیْ

ور اگر میں اپنے بھید کو آتش دوزخ پر ڈالوں تو البتہ وہ نابود ہو جائے اور
میرے راز وحال کے جذبہ سے بجھ جائے

آتشِ سوزاں پہ ڈالوں گر میں راز
جذب کے شعلے سے ہو وہ جاں گداز
نار کیا ہے نور کے پیشِ نظر
آتشِ نمرود سے ہو سرد تر

ان اشعار سے جن کی ابتدا لو کے حرف سے ہوئی ایک یہ بھی ہے۔ جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر میں اس سر معرفت الٰہیہ کو جو مجھے اس کی رحمت سے حاصل ہے آگ پر واضح کروں (خواہ وہ عشق کی ہو یا دوزخ کی۔ دنیا پر جلنے والی ہو یا قیامت میں) تو وہ بجھ جائے۔ سرد ہو جائے اور اس کے شعلے بیٹھ جائیں اور اس کی تیزی کا نام ونشان نہ رہے۔ بلکہ اس کی اصلی کیفیت حدت

اور جو ہر شدت ایسا معدوم ہو کہ اس کی ذات ہی برودت سے بدل جائے کیونکہ آگ کا جو ہر میرے راز کے مقابلہ میں کوئی توازن نہیں رکھتا۔ اور نور کو نار پر ہمیشہ غلبہ ہوتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ حال و مقام کی تشریح کسی گزشتہ بحث میں گزر چکی ہے جس کی مزید وضاحت کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ البتہ مختصر طور پر اتنا واضح کر دینا سابقہ بحث کی یاد دہانی کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حال و مقام کی تعریف کیا ہے۔ تا کہ قارئین کرام شعر کی حقیقت کو ادراک میں جگہ دے سکیں۔

حال:۔ اصطلاع صوفیہ میں افیضان (نور الٰہی) کو کہتے ہیں جو عنایات الٰہی سے درویش کی سعی کے بغیر مانند شعاع آفتاب کے اس کے قلب پر وارد ہوتا ہے۔ اور لغت میں زمانہ ماضی کی انتہا اور زمانہ مستقبل کی ابتدا کا نام ہے۔ اور

مقام:۔ اس درجہ کا نام ہے جہاں درویش اپنی ریاضت و تصور سے نور الٰہی کو ہمیشہ کے لئے دل میں قائم کر لیتا ہے اور وہ نور اس کے دل کا ایک جزو ہو جاتا ہے۔

یعنی نور الٰہی کا ابتدائی فیضان (حال) ہے اور اس کا دل میں مستقل ہو جانا (مقام) کہلاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر میں اپنی اس طاقت یا اس راز کو جو درجہ حال کے مطابق مجھے ودیعت ہے۔ آگ پر ڈالوں تو وہ سرد ہو جائے۔ گویا میری ابتدائی کیفیت سر حال ہی اس کے نابود کرنے کو کافی و وافی ہے۔ انتہائی طاقت سر مقام کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ یہ مقام غور ہے کہ جس کا سر حال یہ ہوا اس کا سر مقام کیا ہوگا۔

آنجناب غوثیت مآب کا یہ ارشاد کسی غیر ممکن حقیقت پر مبنی نہیں۔ کیونکہ آتش سوزاں کا کسی اللہ کے بندے کے حال سے ٹکرا کر اپنی خصوصیتوں کو چھوڑ جانا قرآن پاک میں مذکور ہے جبکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ایذا کے لئے نمرود نے آگ جلائی۔ تو بحکم جلیل سیدنا خلیل کے حال جمیل سے وہ آتش نمرود سرد ہو گئی تھی۔ یہاں پر بعض وہ لوگ جو ان کوائف سے واقف نہیں فوراً بول اٹھیں گے۔ کہ اس میں ابراہیم علیہ السلام کا کیا دخل تھا۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ ہم نے آگ کو حکم دیا تھا کہ سلامتی کی سرد ہو جا۔ یہ صحیح ہے مگر ان تمام افعال کو حضور غوث الاعظم نے بھی خدا کی قدرت و رحمت کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے۔ اور اپنا کوئی

دخل ظاہر نہیں فرمایا کیونکہ ہر شے کی علت العلل وہی ذات ہے کیا معترض صاحب کو ابو مسلم خولانی تابعی کا وہ واقعہ یاد نہیں جب مسلیمہ کذاب نے ان کو خندق آتش میں ڈالا تھا۔ اور وہ سرد ہو گئی تھی جس پر سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو مسلم کی کرامت جانتے ہوئے الحمد للہ فرمایا تھا۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ درجہ افراد امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت والسلام مدارج انبیاء بنی اسرائیل کے مساوی ہے۔

اور سنئے۔ بارگاہ قادریہ کے شیدائی حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اخیار الاخیار میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک وقت میں ملتان میں آگ لگ گئی۔ لوگوں نے سید جلال الدین بخاری کو اطلاع دی۔ کہ حضرت ملتان چند منٹوں میں راکھ کا ڈھیر ہو جائے گا کوئی توجہ فرمائیے۔ آپ نے ایک مٹھی خاک ہاتھ میں لی اور منہ سے یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی شئیا اللہ کہہ کر آگ کی جانب پھینکی آگ بفضلہٖ تعالیٰ فوراً سرد ہو گئی۔ اور اس کے بعد سے آج تک پھر ملتان میں وہ آگ نمودار نہیں ہوئی جو ہر سال پس و پیش اوقات میں ہوا کرتی تھی۔ فقیر شارح کے ایک بزرگ نے ایک نہایت دلچسپ چشم دید واقعہ بیان فرمایا جس سے قصیدہ شریف کی تاثیر و تقدیس کا پتہ چلتا ہے فرمانے لگے۔ مجھے ایک دفعہ دریائے چناب سے پار علاقہ بجوات ضلع سیالکوٹ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک بزرگ حضرت حافظ کا کا صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے ایک ارادتمند کے ہاں قیام فرما تھے کہ ان کے کسی دوسرے دوست کے مکان کو آگ لگ گئی۔ لوگ بجھانے کے لئے دوڑے۔ اور حافظ صاحب بھی شور و شر سن کر آگے بڑھے۔ مالک مکان نے لوگوں کو بجھانے سے منع کر دیا۔ کیونکہ آگ بہت زور پکڑ چکی تھی۔ اور حافظ صاحب نے مخاطب ہو کر عرض کیا۔ کہ قبلہ میرا آپ سے تعلق ہے۔ اور آپ کی بزرگی پر ایمان بھی۔ اگر آپ کے ہوتے ہوئے میرا مکان جل گیا۔ تو تمام عمر حافظ جی صاحب کے خطاب سے مخاطب نہیں کروں گا۔ حافظ صاحب سن کر مسکرائے اور یہ کہتے ہوئے ولو القیت سری فوق نار اس جلتے ہوئے مکان میں داخل ہو گئے۔ آگ جہاں جہاں تھی وہیں بجھ گئی۔

اے عزیز۔ اللہ کا بندہ بن جانا ایک وہ حیثیت رکھتا ہے کہ کائنات کی بڑی سے بڑی چیز

بھی اس کے تصرف میں ہوتی ہے۔ سعدی علیہ الرحمتہ بوستان میں لکھتے ہیں کہ میں نے رودبار کے میدان میں ایک شخص کو دیکھا جو چیتے پر سوار ہو کر میرے سامنے آیا۔ میرے پاؤں دیکھتے ہی خوف کے مارے چلنے سے رہ گئے۔ اس شخص نے مسکرا کر ہاتھ ہونٹوں پر رکھا اور فرمایا۔ کہ سعدی جو کچھ تو دیکھ رہا ہے قابل تعجب نہیں۔ شعر

تو از حکم داور گردن مپیچ

گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ

تو خداوند تعالیٰ کے حکم سے گردن نہ پھیر کائنات کی کوئی چیز تیرے حکم سے سرتابی نہ کرے گی۔

حضور خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنے ذکر وفکر میں مشغول تھے کہ اجمیر کی کافر جماعت نے جس کا یہ خیال تھا کہ آپ کو مار دیا جائے۔ آپ کی چلہ گاہ کے پاس آ کر سوچا کہ اس وقت تو بہت اچھا مواقعہ ہے۔ آپ اپنے ذکر میں محو ہیں بہتر ہے کہ گھاس پھوس کی جھونپڑی کو آگ لگا دی جائے۔ آپ بھی اندر ہی جل جائیں گے اور کوئی معلوم بھی نہ کر سکے گا کہ یہ درویش اور اس کی جھونپڑی کیونکر جل گئی۔ چنانچہ انہوں آگ لگا دی اور آپ کی جھونپڑی جلنے لگی۔ مگر آپ اس قدر یاد الٰہی میں مستغرق تھے کہ آپ کو کوئی خبر نہ ہوئی اور نہ کوئی ایذا پہنچی۔ جھونپڑی کی لکڑیاں جل جل کر چاروں طرف گری ہوئی سلگ رہی تھیں۔ کہ آپ فارغ ہوئے اور معاندین کی اس شرارت کو دیکھا اور دیکھتے ہی آگ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کمبخت تیرے جلانے کو فقیر کی جھونپڑی تھی۔ راجہ پرتھی راج کے محل کو کیوں نہ لگ گئی۔ یہ کہنا تھا کہ یہاں سے بجھ گئی اور راجہ پرتھی راج کے محل کو جا لگی۔ اور وہ جل گیا۔ سبحان اللہ۔ اللہ کریم نے اپنے مقبول بندوں میں بھی کیا نشانیاں اور طاقتیں ودیعت فرما رکھی ہیں۔

فقیر کے گاؤں میں ایک بزرگ حافظ قاری محمد ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ رہا کرتے تھے جن کا صبح وشام قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کا شغل تھا جس کو ایک مستقل درس کی حیثیت حاصل تھی۔ آپ قادری سلسلہ عالیہ میں بیعت اور قصیدہ شریف غوثیہ کے عامل تھے۔ اکثر

اوقات اپنے معمولات سے فارغ ہو کر رات کو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اپنے مکان پر مدد دستگیر۔ مدد دستگیر کے بآواز بلند نعرے لگایا کرتے تھے۔ ایک رات آپ اسی طرح مشغول تھے کہ آپ کا ایک عقیدت مند گلاب ارائیں دوڑتا ہوا آیا۔ اور عرض کرنے لگا کہ ہم نے فلاں جگہ جو گیہوں کاٹ کر خرمن بنا رکھا ہے۔ اس کو کسی نے آگ لگا دی ہے۔ جو بجھائی نہیں جا سکی۔ کوئی دعا فرمائیے۔ آپ نے وہیں کھڑے کھڑے۔ ولو القیت سری فوق نار پڑھا اور اس طرف منہ کر کے پھونک دیا۔ آگ فوراً بجھ گئی۔ شعر

ازنام تو اے شاہ دو عالم نور است

از پرتوات سنگ کہستان طور است

اے عزیز اس نام کی دولت پیدا کر۔ تا کہ تیرے ایمان میں زیادتی ہو اور تیرے دل کی کلی محبت بزرگان دین سے کھل جائے۔

بات دور نکل گئی ہے۔ اس شعر میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر میں اپنے سر حال و مقام کو آگ پر ڈالوں تو وہ میرے نور معرفت کے شعلہ سے نابود ہو جائے پھر آگ کی تخصیص نہیں فرمائی ہر وہ جنس جس کو آگ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس سے مراد ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جنات پر بھی وہی تصرف ہے جو اس ظاہری آگ پر۔ کیونکہ ان کی پیدائش نار سے ہے اور جنات پر تصرف کے بیشمار واقعات آپ سے مذکور ہیں۔ جن کی اس مختصر میں گنجائش نہیں نیز آگ سے مراد وہ عشق مجازی کی آگ بھی ہو سکتی ہے جو متبدیوں کو ان کے مقصد وحید معرفت توحید سے روک کر پیشین آنے والے اور آگے چل کر پانے والے مدارج کی ترقی میں حائل ہو جاتی ہے اور جب تک کسی کامل کا پرتو ان پر نہ پڑے وہ اس مخمصہ سے نجات ہی نہیں پا سکتے۔ شاید اس سے یہ مراد ہو کہ اگر ایسے عشاق کی اس آتش نار عشق پر اپنا راز ڈالوں جو ان کی ترقی مدارج و منازل میں حائل ہے تو وہ اس قابل ہو جائیں۔ کہ اس مجاز کی آگ سے مخلصی پا لیں۔ اور منازل طریقت کو طے کر سکیں۔ کیونکہ اربعہ عناصر کا اعتدال جسمانی ترقی کے لئے اور مطلوبہ عناصر کا اعتدال طلب معرفت الٰہی کے لئے نہایت ضروری ہے اور بزرگان دین نے لکھا ہے کہ اگر طالب معرفت پر خاصیت عنصر غالب آ جائے تو

اس کی باطنی ترقی رک جاتی ہے اور ایسی حالت میں وہ بغیر مرشد کامل کی توجہ کے آگے قدم نہیں اٹھا سکتا۔

واضح ہو کہ طریقت سے مراد سلوک باطنی کی راہ ہے اور اولیاء اللہ اسی راستہ پر چل کر درجہ ولایت کو پہنچے ہیں اس کی نو شرطیں ہیں۔ ان میں سے چار شرائط کا تعلق ظاہر سے ہے۔ مثلاً

اوّل:- تھوڑا کھانا۔ کیونکہ پرخوری یعنی پیٹ بھر کر کھانا دل کی سیاہی اور غفلت کا باعث ہوتی ہے۔ اتنا کھانا چاہئے جس سے انسان زندہ رہ سکے اور یہ بھی اس وقت جبکہ بھوک کا غلبہ حد سے زیادہ ہو مگر اس قدر تھوڑا بھی نہ کھانا چاہئے کہ عبادت الٰہی میں بھی قیام کی طاقت نہ رہے۔

دوئم:- کم کلام کرنا۔ زیادہ گفتگو بھی غفلت وتساہل اور خرابی کا موجب بن جاتی ہے۔

سوئم:- گوشہ نشینی۔ یعنی عزلت وتنہائی۔ کیونکہ ہر لحظہ عوام سے مخالطت مخاطبت یاد خدا سے دوری کا سبب ہوتی ہے لیکن قبول دعوتِ طعام۔ شرکت جنازہ شغل حصول علم۔ عیادت مریض۔ یا کسب حلال کے لئے باہر نکلنا اور عوام کی طرف متوجہ ہونا گوشہ نشینی کے منافی نہیں۔

چہارم:- شب بیداری یعنی کم سونا۔ کیونکہ زیادہ سونے سے وسوسہ زیادہ اور اکل حلال و صدق مقال میں کمی ہو جاتی ہے۔ باقی پانچ شرائط جو باطن سے متعلق ہیں یہ ہیں۔ مثلاً

اوّل:- صدق یعنی خالق اور مخلوق کے ساتھ معاملہ اور کلام کرنے میں صادق ہونا۔

دوئم:- توکل یعنی ہر حال میں خدا پر بھروسہ کرنا اور ہر معاملہ میں اسباب ہی کا پابند نہ رہنا۔

سوئم:- عزم۔ یعنی ہر کام میں مستقل ارادہ کرنا اور ولی ارادت سے اس راہ میں ایسا مضبوط ہونا کہ جان جائے مگر نہ ٹلے۔

چہارم:- صبر یعنی ظاہر و باطن میں مصیبتوں اور کلفتوں سے نہ گھبرانا زیادتی کی طلب سے بچنا اور جو خدا دے اس پر قانع ہونا۔

پنجم:- رضا یعنی خدا کی جانب سے آئی ہوئی۔ ہر غمی وخوشی پر ایسا راضی ہونا کہ کبھی شکوہ یا رعونت ظاہر نہ ہو۔ اور دل وجان سے مرشد کامل کی مرضی کا پابند رہے۔ وباللہ التوفیق۔

جام پانزدہم

در حیاتِ جاودانی

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ مَیْتٍ
لَقَامَ بِقُدْرَۃِ الْمَوْلٰی تَعَالٰی

اور اگر میں اپنے راز کو مردہ تن یا مردہ دل والوں پر ڈالوں تو وہ بلاشبہ رب العزت کی قدرت سے زندہ کھڑے ہو جائیں

گر میں اپنا راز دوں مردے پہ ڈال
زندہ ہو جائے بفضل ذوالجلال
ہے خداوندِ دو عالم کی پسند
جس کو چاہے بخش دے درجے بلند

سرکارِ غوثیت مآب سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر میں اپنی خداداد توجہ کو مردہ جان یا مردہ دلوں پر۔ یا منکروں پر۔ یا ان مردہ روحوں پر جو شہود کی روشنی سے محجوب ہیں یا ان سالکوں پر جو اپنے حال میں مسلوب ہیں۔ ڈال دوں تو وہ میرے مولا کریم کے انعام اور قدرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوں۔ ان کی آنکھیں کھل جائیں اور ان کے مراتب مسلوبہ اور حالات

مجوبہ بحال ہو جائیں یہ رب دو عالم کی بخشش ہے جس کو چاہے یہ طاقتیں ودیعت فرما دے۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ۔یعنی امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیہا الصلوات والتسلیمات کے علماء ربانی بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں۔ گویا نبوت کا دعویٰ ان کے لئے جائز نہیں۔ باقی حال وقال کرامات وکمالات ۔ مدارج ومراتب علیہ۔ احسان وعرفان میں ایسے ہی بلند ہیں جیسے مستقل صاحب کتاب نبی کے بعد دیگر انبیاء اس کی اتباع وتبلیغ کے لئے دنیا میں تشریف لاتے رہے۔ مثلاً حامل تورات اور مستقل شریعت کے مالک بنی اسرائیل سے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام تھے لیکن ان کے بعد چار ہزار یا کچھ کم وبیش انبیاء ظہور پذیر ہوئے جو احیاء دین کے لئے کسی نئی کتاب یا نئی شریعت کے حامل نہ تھے بلکہ اسی تورات شریف کی تبلیغ فرماتے رہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ چونکہ سرکار دو جہاں سرورِ کون ومکان تاجدار کائنات مختار شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی اور نبوت کے سلسلہ کو قیامت تک کے لئے ختم فرمانے والے تھے۔ اس لئے اسلام کی ضروریات کو ہر زمانہ میں پورا فرمانے کے لئے اپنی بلندیٔ شان رسالت کا یوں اظہار فرمایا کہ نبوت کا وہ سلسلہ جو متقدمین انبیاء کے بعد جاری تھا۔ میرے ہاتھ پر ختم ہوتا ہے۔ اب مجھ سے بعد کوئی نبی نہ مستقل نہ غیر مستقل۔ نہ ظلی نہ بروزی۔ نہ تشریعی نہ غیر تشریعی کوئی نہیں آئے گا۔ لہٰذا مجھ سے بعد میری امت میں احیاء دین کا کام میرے وہ غلام انجام دیں گے۔ جن کے اندر میں نے بنی اسرائیل کے انبیاء کی طاقتیں بھر دی ہیں۔ گویا حضور پرنور کا کمال نبوت یہ ہے کہ سوابق انبیاء علیہم السلام کا جو کام بعد کو امم سابقہ میں غیر تشریعی نبی آکر کرتے رہے۔ وہ سرکار مدینہ نے اپنے ادنیٰ واعلیٰ غلاموں سے لے لیا۔ اور ان میں وہ خوبیاں اور محبوبیاں بھر دیں کہ حقیقتاً ان کی موجودگی نے نبوت کے خاتمہ پر تبلیغ دین میں کوئی ایسی کسر نہیں چھوڑی جس کے لئے دنیا میں کسی غیر تشریعی یا ظلی نبی کی ضرورت محسوس ہوتی۔ مثلاً تبلیغ تفہیم تشریح، تنظیم، کشف وکرامات۔ مکاشفات و محاسبات۔ عظمت ونیابت، شہرت وولایت۔ ایثار وسخاوت، عیادت وشفقت۔ سادگی وبے

نفسی ۔ استغنا و محویت ۔ حق گوئی و حق نوازی ۔ باحسن وجوہ پوری ہوئیں ۔ اور اہل زمانہ نے جان لیا کہ فیض محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدستور جاری ہے ۔ اور اس میں کوئی کمی نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے وقت میں جو شخص مدعی نبوت ہو اور کوئی اس سے جا کر اس کی نبوت کی دلیل مانگے ۔ اہل اللہ ور علماء امت نے اس کو کافر کہا ہے ۔ کیونکہ یہ ارشادات نبویہ اور احکام الٰہیہ کے خلاف ہے ۔

سبحان اللہ ۔ سرور کائنات ۔ مختار شش جہات محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت تامہ کا مرتبہ کتنا بڑا اور کس قدر بلند ہے ۔ کہ قیامت تک اس کے نور کا ظہور اولیاء اللہ اور افراد امت میں ہوتا رہے گا ۔

الغرض اس شعر میں اس طاقت خداداد کا اظہار فرمایا گیا ہے ۔ جو کسی مردہ پر ڈالنے سے مردہ کو نئی طاقتیں بخش کر کھڑا کر دے ۔ اور یہ بتا دے کہ جس بندہ کا تعلق قادر و قیوم سے صحیح ہو جائے اس میں یہ قدرت ظہور کر جاتی ہے ۔ کہ مردہ ارواح و اجسام میں تصرف کر کے عبدالقادر کہلائے اور مردوں کو دوبارہ قیام جہاں بخشنا یہ کوئی غیر ممکن فعل نہیں کیونکہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا ۔ **وابری الاکمہ والابرص واحی الموتیٰ باذن اللہ** ۔ پس مردوں کو زندہ کر دینا ممکنات سے ہے اور ایسے ہی مولا کریم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ اور زبان سے مختلف پرندوں کو زندہ کروا دیا پس جو لوگ کلام اللہ پڑھتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں ۔ ان کے لئے یہ آیات حجت قاطعہ ہیں ۔ اس قسم کے واقعات سے انکار بدیہات کا انکار کرنا ہے ۔ انسان کے لئے علم وہ ہے جو خود پسندی سے ہٹائے اور خدا رسیدہ بنائے ورنہ جس کسی کو ایسا علم رفیق زندگی نہیں وہ دنیا کی طلب میں گناہ کے درجے پر ہے ۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ درویش کے لئے یہ دعویٰ کوئی بے معنی چیز یا کوئی فتنہ نفس نہیں ہے ۔ بلکہ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے اور وہ اپنے تعلق کی بناء پر مالک کے حکم سے مالک الملک ہو جاتا ہے ۔ تمام علوم اسماءُ ملائکہ' باران رحمت کے قطرے' توحید کی معرفت منازل' مقامات' الہام' تجلیات' ذات' صفات اور اسماء باری تعالیٰ اگرچہ بیشمار ہیں ۔ مگر اسے

ان کی گنتی معلوم ہوتی ہے اور علم کیمیا۔ سنگ پارس۔ پہاڑوں کے جواہرات اور غیبی خزانے' فتوحات علم وارادات' کتب لاریبی کے تصرف کے خزائن اس کے علم میں ہوتے ہیں۔ بلکہ اولیاء اللہ نے لکھا ہے کہ درختوں کے پتے اور ہر قسم کی روئیدگی۔ اسرار اسم اعظم اور تعداد اولیاء زمانہ سب اس کی لوح قلب پر مندرج ہوتے ہیں۔ پھر اس علو مرتبت کے باوجود کسی مردہ کو زندہ کر دینے میں تعجب کرنا ایک صریح ایمانی کمزوری ہے۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا مشہور واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ حضور کی خدمت میں ایک عورت اپنے ایک بچے کو لائی اور عرض کیا کہ یہ بچہ آپ سے بہت عقیدت رکھتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کو آپ کی نذر کر دوں۔ تا کہ یہ اپنی ارادت وعقیدت کے ماتحت یہاں ہی رہے اور تربیت پائے۔ حضور بہت خوش ہوئے اور فرمایا چھوڑ جاؤ۔ چنانچہ وہ بچہ حضور کی غلامی میں رہنے لگا۔ ایک مرتبہ بچے کی ماں بچے کو دیکھنے آئی۔ تو ماتا کی ماری نے بچے کو بہت نحیف وکمزور پایا۔ جب اس کی خوراک پر غور کیا تو معلوم ہوا۔ کہ وہ جو کی روٹی کھاتا ہے۔ اس کو مل کر جب حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تا کہ بچے کے متعلق کچھ عرض کرے تو دیکھا۔ کہ آپ مرغ بھنا ہوا کھا رہے ہیں جب آپ کھانے سے فارغ ہوئے۔ تو اس عورت نے افسوس کے لہجہ میں عرض کیا کہ میں نے بچے کو یہاں پرورش اور تربیت کے لئے رکھا تھا۔ نہ کہ بھوکوں مارنے کے لئے۔ وہ تو سخت تر کمزور ہو گیا ہے اور آپ کو اس کی جانب کوئی التفات نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تو کس طرح جانتی ہے کہ التفات نہیں۔ عرض کیا کہ یہ التفات ہے کہ آپ مرغ کھائیں۔ اور اس کو جو کی خشک روٹی دیں۔ کاش کہ آپ اس کو اولاد کی طرح سمجھتے۔ آپ نے جو مرغ کھا کر اس کی ہڈیاں جمع کر رکھی تھیں' ان پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا اور قم باذن اللہ۔ فرمایا۔ آپ کے اس ارشاد پر ان ہڈیوں نے فوراً ایک زندہ مرغ کی صورت اختیار کر لی۔ پھر فرمایا جب تیرے بیٹے میں بھی یہ قوت پیدا ہو جائے گی۔ اس وقت اس کو بھی اختیار ہو گا جو چاہے کھائے اور جس طرح چاہے رہے۔

اسی طرح کا ایک وہ قصہ جو قرآن کریم میں حضرت خرقیل علیہ السلام کا آتا ہے جنہوں

نے ایک اس قوم کی گلی سڑی ہڈیوں اور مردہ اجسام میں جان ڈال دی تھی۔ جو قوم طاعون پڑنے سے اپنے رہائشی مکانات کو چھوڑ کر موت کے ڈر سے بھاگ گئی تھی۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے **وھم الوف** اور ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زندہ ہو کر ان کی نسلیں بھی آگے چلیں اور ان کی اولادیں پیدا ہوئیں جن کے جسموں سے اور پسینے سے مردنی کی بو آتی تھی۔

اسی طرح آنجناب غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کا ایک مطرب کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کو زندہ فرما دینے کا قصہ مشہور ہے جو قبر سے اٹھا تو اس کے گلے میں ڈھولک بندھی ہوئی تھی۔ پھر اگر حضور فرمائیں کہ میرے حکم کے سننے اور راز ڈالنے سے مردہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو یہ اولوالعزمانہ شان کے نفاذ حکم کا درجہ کمال ہے جبکہ اس کے ساتھ حضور غوث الاعظم کسی اپنی ذاتی خصوصیت کی نسبت دے کر دعویٰ نہیں فرما رہے۔ بلکہ **بقدرۃ المولیٰ تعالٰی**۔ یعنی میرے مولیٰ کریم بلند و برتر کی طاقت سے ایسا ہوتا ہے اور وہی میرے ہاتھ پر یہ سب کچھ ظاہر فرماتا ہے۔ یہ جملہ **بقدرۃ المولیٰ تعالٰی** گزشتہ چاروں شعروں سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی بحار اور جبال۔ آگ اور میت میں جس قدر تصرف القائے سر سے ظاہر ہوتا ہے وہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

پس اس سے یہ مطلب ظاہر ہوا کہ آنجناب کی ذات انوار ذات باری تعالیٰ میں فنا تھی آپ کا ایسا ہر قول و فعل۔ ہر ارادہ۔ ارادہ الٰہی تھا آپ کی یہ طاقتیں اللہ تعالیٰ کی طاقتیں تھیں۔ جیسا کہ مولانا روم علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔ شعر

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

یعنی جب انسان کا درجہ عبودیت اپنے منتہا و کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ تو اللہ کریم کی قدرت و صفات اس میں کام کرتی ہیں۔ اور کن کہہ کر زندہ کرنے کی طاقت اس میں ودیعت ہو جاتی ہے جو منہ سے نکلتا ہے۔ فوراً وارد ہو جاتا ہے اور **ید اللہ فوق ایدیھم** کے مرتبہ میں یہ حقیقت بعید از قیاس نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کیفیت میں انسانی صفات خدائی

صفتوں کی ظل اور آثار ہوتی ہیں بندہ فانی کی نہ کوئی اپنی ذات کام کرتی ہے۔ نہ صفات۔ مولوی جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ شعر

نیا وردم از خانہ چیزے نخست

تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

جو کچھ ہے اسی کا ہے پس ایسے امور کے اظہار کا ارادہ بھی اسی کی طرف سے سمجھنا چاہئے قائل تو ایک قسم کا کسی دوسرے کی آواز کا ریکارڈ ہوتا ہے جو اس میں بھرا جاتا ہے وہی آواز آتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

رشتہ در گردنم افگندہ دوست

مے برو ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

عطائے رحمانی

وَمَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْدُهُوْرٌ تَمُرُّ وَتَنْقَضِىْ اِلاَّ اَتَالِىْ

اور کائنات میں جس قدر مہینے سال اور زمانے عبور کرتے ہیں ان میں جو واقع ہونے والا ہوتا ہے اس کی پہلے مجھے اطلاع ہوتی ہے۔

دہر میں آتے جو ماہ و سال ہیں
تابعِ فرماں میرے ہر حال ہیں
سب سے پہلے آتے ہیں وہ میرے پاس
پھر جہاں میں کرتے ہیں اعمال خاص

علماء جماعت احناف اور اہل سنت کے صوفیا کرام کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ اللہ کریم جل و علا شانہ حسب ارشاد قرآن پاک اپنے اولیاء وانبیاء علیہم الرحمتہ والسلام کو علوم غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے۔ اور وہ آئندہ زمانہ کے پیش آنے والے حالات کو بیان فرمادیا کرتے ہیں۔ اور دیگر جمیع انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پرنور شافع یوم

النشور علیہ السلام والصلوٰۃ کی حیثیت علم وفضل تو بالکل جداگانہ ہے یعنی جمیع انبیاء علیہم السلام کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے مقابلہ میں سات سمندروں سے ایک قطرہ ہے۔ کیونکہ حضور مختار یوم النشور عالم ما کان وما یکون ہیں۔ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے حضور اس کے عالم ہیں۔ عرش کی بلندی' دنیا کی پستی۔ آخرت و جنت۔ برزخ و دوزخ۔ اجرام سموات کی تمیز۔ ملائکہ سماوی نوری کی تعداد۔ ملائکہ وناری کی حقیقت اور ان کے اختلاف مدارج ومنتہائے مراتب۔ ستر پردوں اور ہر پردہ کے ملائکہ کے جملہ حالات کی پہچان۔ عالم علوی کے اجرام نیرہ۔ ستاروں' سورج' چاند' برزخ اور اس کی ارواح کا امتیاز۔ ساتویں زمینوں اور ہر زمین کی مخلوق خشکی وتری کا حال۔ تمام جنتیں اور ان کے رہنے والوں کی گنتی و درجات ومقامات سب کچھ حضور کے علم میں ہے۔ جب حضور علیہ السلام کی جمیع انبیاء کے مقابلہ میں یہ کیفیت ہے تو وہ اولیاء اللہ جو ظل نبوت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ دیگر اولیاء اللہ جمیع امم سابقہ کے مقابلہ میں وسعت علم میں کیونکر زیادہ نہ ہوں گے۔ اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ مہینے اور زمانے جو گزر چکے ہیں۔ یا گزر رہے ہیں۔ یا گزرنے والے ہیں بلاشبہ بحکم رب العزت میرے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ اور حالات و واقعات ماضیہ وآئندہ کی مجھے اطلاع دیتے ہیں کوئی غیر ممکن دعوے نہیں۔ لہٰذا معترضین کو لازم ہے کہ وہ اس خداداد فوقیت پر اعتراض نہ کریں اور کج بحثی چھوڑ دیں۔ کیا وہ خدائے قدوس کی عنایات پر حسد کرتے ہیں اور اس کے انعامات کے منکر ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایزد تعالیٰ کی داد ہے جس پر مہربانی فرمادے۔ وَذَالِکَ فَضْلُ اللہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

پس مہینوں اور زمانوں کا حضور غوث العالم رضی اللہ عنہ کے دربار غوثیت میں آنا اور واقعات کا بیان کرنا دو صورتوں میں ہوسکتا ہے۔ ایک یہ کہ ہر ایک مہینہ اور ہر ایک زمانہ فرداً فرداً آنجناب فیض مآب کی خدمت عالی میں متشکل ہو کر حاضر ہونا جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ الرمضان والقرآن بشفعان یعنی قیامت کے دن رمضان اور قرآن متشکل ہو کر اپنے متبعین کی شفاعت کریں گے۔ دوسرے یہ کہ ان کے حالات و واقعات کا انکشاف حضور پر اس طرح ہو۔ کہ گویا وہ اوقات ہی زبان حال سے اپنے واقعات بیان

کرتے چلے جاتے ہیں۔ کہ وہ بلاشبہ صحیح و درست ہیں۔

اور یہ علم علم لوح محفوظ بھی ہوسکتا ہے جس میں ہر آنے والے وقت کی تشریح موجود ہے اور جس سے اکثر اولیاء اللہ بفضلہٖ الکریم آگاہ ہوتے ہیں۔

اور قرآن مجید میں جو پیشین گوئیاں یا احادیث شریفہ میں آئندہ کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں۔ اسی بات کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں اور سرکار دوعالم کی زبان وحی ترجمان سے اس حد تک آئندہ وگزشتہ واقعات بصورت پیشین گوئی بیان ہوئے ہیں جن کا شمار ناممکن ہے اور یہ علم الٰہی ہے جو رمل ونجوم اور حکمت وعلت سے پاک ہے۔ شعر

دیدن ما دیدن تحقیق دان
گفتن ما گفتن توفیق خوان

بعض صوفیاء کرام نے فرمایا ہے کہ سال اور مہینے اگر انبساط ومسرت اور رازانی وکامرانی کو اپنے اندر لے کر حاضر ہوتے۔ تو ان کی صورتیں اور شکلیں نہایت پسندیدہ اور روشن ہوتیں۔ اور اگر خلق خدا پر وہ سال یا مہینہ دشوار گزار حالات کا حامل ہوتا اور اس میں آفات وبلیات سماوی نازل ہونے والی ہوتیں۔ تو نہایت مکروہ صورت اور قبیح منظر نمودار ہوتا۔ اور شاید **تلک الایام نداولھا بین الناس** کا مطلب یہی ہو۔

پس وہ سال یا مہینہ جس صورت میں ظاہر ہوتا اور اس سے آنجناب غوث کو جو معلومات حاصل ہوتیں۔ حضوران کو اسی طرح بیان فرمادیتے۔ اور وہ ویسا ہی عمل میں آتا۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ کسی امر میں پیشین گوئی کا تذکرہ دو طرح پر ہوتا ہے ایک وہ جو منجم یا رمال کرتے ہیں جن کو اپنے علم کے ماتحت اس کی حقیقت کم معلوم ہوتی ہے لیکن قیافہ سے یا گزشتہ واقعات سے اپنے تجربہ کی بناء پر مستقبل کے لئے پیشگوئیاں کردیتے ہیں کہ فلاں مہینہ میں فلاں چیز ارزاں ہوگی اور فلاں گراں رہے گی۔ یہ اندازہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ نجومیوں کے نزدیک ایک مسلمہ اصول ہے جس کو مہاپرل کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی واقعہ کو بیان کرنے کے وقت سے تخمیناً باسٹھ سال پہلے باسٹھویں برس میں جو واقعات ظہور پذیر ہوئے تھے۔ وہی آج بھی رونما ہوں گے۔ مثلاً

اس سال بارش زیادہ تھی تو امسال بھی زیادہ ہو گی۔ غلہ مہنگا اور تیل و گھی سستے تھے تو آج بھی ویسے ہی ہوں گے۔ اور اس اندازہ پر جنتریاں سامنے رکھ کر اور ایام کا حساب کر کے یہ کہہ دینا کہ فلاں مہینہ میں یہ ہو گا یہ کوئی بڑی بات اور مغیبات پر مطلع ہونا نہیں۔ اس طرح علم سامدرک کے جاننے والے کسی غیب پر مطلع ہونے کے مدعی نہیں ہو سکتے بلکہ وہ بھی ایک قیافہ شناسی اور تجربہ کی بناء پر بیان کرنے اور کسی نوزائیدہ کی جنم کنڈلی بنا لینے کے دعویدار ہو جاتے ہیں۔

دوسرا طریق وہ ہے جو اولیاء اللہ کا عمل ہے کہ علم غیب الٰہی سے یا لوح محفوظ سے مطلع ہو کر جو ارشاد فرما دیں۔ وہ حرف بحرف صحیح ہوتا ہے اور اس تذکرہ کو تجربۂ واقعات۔ اندازہ ماضیہ و آئندہ حالات اور محسوسات سے قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جیسے کہ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمتہ کا ایک مشہور واقعہ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مثنوی شریف میں بیان فرماتے ہیں کہ آپ ایک مرتبہ علاقہ خارقان کی حد پر تشریف لے گئے۔ اور بیٹھے بیٹھے فرمانے لگے۔ کہ مجھے اس علاقہ (خارقان) سے ایک مرد خدا کی خوشبو آتی ہے۔ جو مجھ سے بعد پیدا ہو گا۔ دوستوں نے اس مرد خدا کے نشانات پوچھے نام پوچھا تو آپ نے نشانات من وعن بیان فرما کر اس کا نام ابوالحسن خرقانی فرمایا۔ چنانچہ وہ مرد خدا ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ حضرت سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمتہ کے زمانہ میں حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمتہ کے زمانہ سے قریباً چالیس برس بعد خارقان میں پیدا ہوئے۔ جن کی پیدائش کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے حضرت مولانا روم علیہ الرحمتہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علم کے متعلق بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ رمل و نجوم یا قیافہ وحکمت نہ سمجھنا چاہئے۔ جس کی بناء پر بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پیشگوئی فرمائی تھی بلکہ یہ علم الٰہی تھا۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ پہلے چوتھے شعر مندرج سابق سے لے کر اس شعر تک یعنی بحار سے دھور وشھود تک خوارق وتصرفات اور علوم مرتبت واختیار منزلت کے اظہار میں کئی ایک اسرار و رموز ہیں جن کو سمجھ کر ایک صحیح الدماغ انسان اس نتیجہ میں پہنچ سکتا ہے کہ اس انسان کو مولا کریم نے تاج تکریم بخش کر کن کن اولوالعزمیوں۔ کن کن بلندیوں، کن کن

شانوں اور اختیاروں کا حامل بنایا ہے اور اگر یہ خود اپنی فضیلت و شرافت کو کھو بیٹھے اور یہ سمجھنے لگے کہ ہر بڑے سے بڑا پہاڑ میری پرستش کا مستحق ہے اور ہر بڑے سے بڑا دریا۔ سانپ' درندہ' درخت میرا معبود ہو سکتا ہے یا زمانے کا ہر ڈسنے والا جانور یا جلانے والی آگ یا جگالی کر کے دودھ دینے والے مویشی میرے سجدوں کے مسجود و معبود ہو سکتے ہیں۔ تو یہ اس حیوان ناطق کا اپنا قصور ہے۔ ورنہ خالق ارض و سموات نے اس کو بڑی خوبیوں کا اہل پیدا فرمایا تھا۔ گویا یہ کائنات کا مختار مطلق ہے اور اس کی الوالعزمی پر اس کے پیدا کرنے والے نے قسمیں بیان فرمائی ہیں مگر یہ ہے کہ تمام کائنات کے مقابلہ میں اپنی انتہائی پستی سے خوش ہوتا ہے اور غلامانہ ذہنیت میں اس کو اپنی شان انسانیت نظر آتی ہے اور معمورہ دنیا میں اس کی مثال اس کتے کی سی بن گئی ہے جو کسی میلہ میں اپنا مالک کھو بیٹھے اور ہر مسافر و راہرو پر اپنے مالک کا شبہ کرنے لگے۔ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔**

ہاں ان پانچوں شعروں میں جو رموز و اسرار مضمر ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو موجودات پر اتنا تصرف حاصل ہے کہ بحر سے لے کر مردہ تک اور نباتات سے اوقات تک سب حضور کے زیر فرمان ہیں اور یہ صرف حضور ہی کا خاصہ ہے دیگر اولیاء اللہ کو اتنا تصرف نہیں دیا گیا۔ الا ماشاء اللہ واللہ اعلم۔ اور ان مہینوں اور سالوں پر تصرف کے بیان کرنے سے یہ غرض ہے۔ کہ باوجودیکہ زمانہ محض عرض ہے۔ پھر بھی اس کے معینہ اوقات اور مخصوصہ ساعات متشکل ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے ہیں۔

پس حضور کے نزدیک مہینوں' سالوں' دنوں کا متشکل ہو کر حاضر ہونا۔ ان لوگوں کے خیالات کی بھی تردید کرتا ہے جو کہ حشر اجسام جنتی لباس اور وزن اعمال کے قائل نہیں۔ چونکہ حضور غوث اپنے مدارج ولایت میں نبوت مختتمہ کے ظل ہیں۔ اس لئے یہ ارشاد کوئی خلاف شرع شریف نہیں۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام کا دحیہ کلبی کی صورت میں آنا۔ گوہ کا کلام کرنا۔ ستون کا رونا۔ درختوں کا آ کر دربار نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جنگل کے جنات کی اطلاع کرنا۔ پتھر کا تیرنا۔ یہ سب کچھ اسی قبیل سے ہے۔ نیز یہ بھی کہ ایام۔ ماہ

اور سال جن سے بندوں کی عمر کی گنتی کی جاتی ہے۔ یا میعاد امور خارجہ مقصود ہوتی ہے۔ آنجناب غوثیت مآب کے تابعین میں سے ہیں۔ اور تمام قسم کے احوال کے سلب ونہب میں حضور کو دخیل جانتے ہیں۔ شعر

چند گویم راز ہائے ایں کلام نورے جو شد برحمت صد سلام
بادشاہ دوجہاں شد محی دین کرم او برخاص و عام است بالیقین
افتخار اولیاء واصفیاء محی دین و شاہ جیلاں باصفا
اے مرید شاہِ محی الدین سرور گر بر آئی از غرور نفس زور
ایں بود اسرار جام محی دین تاتوانی یاب کام محی دین
تاتوانی درشریعت گام زن
تا مرید محی دین باشی سمن

جام ہفدہم

علم زمانی

وَتُخْبِرُنِیْ بِمَا یَأْتِیْ وَیَجْرِیْ
وَتُعْلِمُنِیْ فَاَقْصِرْ عَنْ جِدَالِیْ

اور جو کچھ اس ماہ یا سال میں واقعات ہونے والے ہوتے ہیں اس کی مجھ کو خبر دیتے ہیں پس اے معترض اس میں بحث اور تردد نہ کر۔

خبر دیتے ہیں مجھے ہر آن کی
عیش کی غم کی شکست و شان کی

یہ نہیں فضلِ خدا پر کچھ محال
چھوڑ دے اے معترض سب قیل وقال

اس شعر کی کچھ تشریح گزشتہ شعر کے ماتحت گزر چکی ہے۔ اور کچھ مختصراً یہاں پر بیان کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس ارشاد میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان غوثیت کا یہ ترجمہ ہوگا کہ تمام زمانوں یا مہینوں یا سالوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں گزرتا جو پہلے میرے پاس نہ آتا ہو اور جو کچھ اس میں ظاہر ہونے والا ہوتا ہے اس کی مجھے اطلاع نہ دیتا ہو۔ پس اے مخاطب

اس امر کی صداقت میں بحث نہ کر۔ اور اپنے قلب مضطر اور تخیل متردد سے بدعقیدہ اور متغیر الحال نہ ہو ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ بفضلہٖ تعالیٰ راستی و درستی پر مبنی ہے۔ کیونکہ غوث وقت کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ ایسے حالات سے آگاہ ہوتا ہے اور اگر اس پر یہ راز نہ کھلے تو وہ اپنے اختیارات پر متصرف نہیں ہو سکتا جس طرح کسی عدالت کے جج یا مجسٹریٹ کو مخصوص دفعات تعزیرات کے اختیارات ہوتے ہیں اور ہر موقعہ پر اپنے حال کے مطابق وہ اختیارات استعمال کرتا ہے اسی طرح یہ تعلق الٰہی کی دنیا بھی اپنے احکم الحاکمین کی عنایات کے ماتحت علیٰ قدر مراتب کچھ اختیارات خصوصی رکھتی ہے۔ جن کو عندالضرورت نافذ کرتی رہتی ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ یہ ظاہری سلطنتیں اپنی بقا کے لئے ان بندگان خدا کے اشاروں کی محتاج ہوتی ہیں۔ غوث وقت کے لئے ان سلطنتوں اور سلاطین کا تغیر و تبدل ایک نہایت معمولی چیز اور ادنیٰ اسی طاقت کا شکار ہوتا ہے اور ایسے بیشمار واقعات ہیں جو تاریخ دنیا سے ثابت ہیں جن کے اندراج کی یہاں گنجائش نہیں۔ البتہ اس کی چند مثالیں پیش کر دی جاتی ہیں۔ کہ وقت پر اس جماعت کا تصرف کیسے ہوتا ہے۔ اور کیونکر یہ اس پر متصرف ہوتی ہے۔ چونکہ بعض لوگ اولیاء اللہ کی طاقت کا اندازہ نہ لگا سکنے سے یہ کہہ کر معترض ہوتے ہیں کہ یہاں بندے کی کیا طاقت جو کارخانۂ قدرت میں دخیل ہو سکے اور دم مار سکے مگر یہ نہیں جانتے کہ کارخانہ قدرت کے منتظم اور اس کو اپنے اختیارات کے ماتحت چلانے والے ہی یہی لوگ ہیں تو پھر ارادہ الٰہی میں اور ان میں تفاوت کیونکر ہو۔

بھلا معترض کو یہ پوچھا جائے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی جو نماز عصر مقام صہبا درہ خیبر میں قضا ہوئی تھی اور بحکم سرکار رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غروب شدہ آفتاب وقت عصر پر واپس آیا تھا۔ تاکہ سرکار علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نماز ادا فرمالیں۔ یا مکے کی پہاڑیوں پر کھڑے ہو کر چاند کو آسمان پر دو ٹکڑے کر دیا تھا۔ یا بوقت بیان معراج شریف کفار کے منسوب بکذب کرنے کے لئے غروب آفتاب سے قبل ایک قافلہ کے مکہ میں داخل نہ ہونے پر بہانہ تراشا تھا۔ اور سورج کو ایک ہی مقام پر قافلہ کے مکہ شریف میں داخل ہونے تک مقیم کر دیا گیا تھا تاکہ کفار کو موقعہ نہ ملے۔ کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

پر کوئی نسبت کذب قائم کرسکیں۔ یہ سب اوقات پر اختیارات خصوصی کا استعمال کس طاقت کا مظاہرہ ہے پھر اگر سرکار مدینہ علیہ السلام کی غلامی کی طفیل ایسے کام اولیاء اللہ واقطاب و اغیاث کر کے دکھادیں یا کردکھانے کے مدعی ہوں تو اس پر کیا استحالہ لازم آتا ہے۔ یہاں پر چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ جن سے یہ پتہ چل جائے کہ سرکار غوثیت مآب کا یہ دعویٰ کیونکر قابل پذیرائی ہوسکتا ہے۔

وقت بدلوادیا

ایک دفعہ ایک سوداگر جس کا نام ابوالمظفر الحسن تھا۔ حضرت شیخ حماد الدباس کے پاس گیا۔ اور کہا کہ قافلہ تیار ہے۔ اور میں عازم شام ہونے والا ہوں۔ سردست سات سو اشرفیاں اور اسی قیمت کا سامان ساتھ لئے جارہا ہوں۔ حضرت حماد الدباس نے فرمایا کہ تم اپنے سفر کا ارادہ ملتوی کردو۔ ورنہ ڈاکوؤں سے نقصان اٹھاؤ گے اور خود بھی مارے جاؤ گے۔ ابوالمظفر یہ سن کر نہایت رنجیدہ ہوا۔ اور سوچنے لگا کہ سفر نہایت ضروری ہے۔ کیا کیا جائے۔ یہی سوچتے ہوئے واپس آرہا تھا کہ راستہ میں سیدنا غوث الاعظم مل گئے اور دریافت فرمانے لگے کہ مغموم کیوں ہو۔ ابوالمظفر نے سارا واقعہ عرض کردیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ شوق سے سفر کرو۔ شام کو جاؤ اور نفع اٹھاؤ۔ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور بخیر و عافیت واپس آؤ گے۔ ابوالمظفر الحسن کو یہ سن کر اطمینان ہوا۔ اور اپنا سامان سفر وتجارت لے کر شام کو روانہ ہوگیا۔ شام میں نفع بہت حاصل کیا۔ سات سو کا مال ایک ہزار اشرفیوں میں فروخت ہوا۔ وہاں سے حلب گئے اور وہاں کسی جگہ وہ ہزار اشرفیاں بھول گئے۔ ایک جگہ پہنچ کر نیند جو غالب ہوئی۔ تو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ حلب کے بدوؤں نے قافلہ پر حملہ کردیا ہے اور نہ صرف دل کھول کر قافلہ کو لوٹا ہے۔ بلکہ قافلہ والوں سے بعض کو قتل بھی کردیا ہے جن میں مقتول ایک یہ ابوالمظفر الحسن خود بھی ہے۔ گھبراہٹ سے آنکھ کھل گئی اور اٹھ بیٹھا۔ پھر یاد آیا۔ کہ وہ اپنی اشرفیاں حلب میں بھول آیا ہے۔ پھر دوبارہ گیا۔ جہاں رکھی تھیں۔ وہیں سے مل گئیں۔ اپنا مال لے کر سفر سے واپس بغداد آئے۔ تو دل میں متردد ہوئے۔ کہ دونوں بزرگوں سے پہلے کس سے ملوں۔ اسی خیال

میں ابھی تھے۔ کہ اتفاقاً بازار سلطانی میں شیخ حماد الدیاس مل گئے اور از خود فرمانے لگے کہ تم متردد نہ ہو۔ پہلے حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی ہی سے ملو۔ کہ وہ محبوب سبحانی ہیں اور انہوں نے تمہارے حق میں ستر بار دعا مانگی ہے یہی وجہ ہوئی کہ رب العزت نے تمہارے واقعہ بیداری کو خواب میں منتقل کر دیا۔ چونکہ ابوالمظفر سب کچھ خواب میں دیکھ چکا تھا۔ اس لئے شیخ حماد کے ارشاد سے بہت متاثر ہوا۔ اور حضور غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضور نے صورت دیکھتے ہی فرمایا کہ کیا شیخ حماد الدیاس تم کو ملے تھے اور سیدھا میری طرف آنے کو فرمایا تھا۔ واقعی میں نے تمہارے لئے ستر بار دعا کی تھی۔ جو مقبول ہوئی اور تمہارا واقعہ بیداری کا خواب میں منتقل ہو گیا۔

انہدام مسافر خانہ کی قبل از وقت خبر

ایک روز آپ کی زیارت کے لئے بہت سے آدمی جمع ہو گئے اور مسافر خانہ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ آپ کو جو علم ہوا تو عجلت کے ساتھ لوگوں کو مخاطب فرمایا کہ جلد نکلو اور دوڑ کر میرے قریب آؤ۔ لوگ فوراً عاجلانہ حیثیت سے اٹھے اور آپ کے پاس پہنچ گئے۔ جب سب مسافروں سے مسافر خانہ خالی ہو گیا اور اس میں کوئی ایک مسافر بھی نہ رہا تو اس کی چھت دھڑام سے نیچے گر گئی۔ حالانکہ اس وقت اس چھت کے گرنے کا کوئی بعید تر امکان بھی نظر نہ آتا تھا۔ مگر آپ کو وقت نے اطلاع کر دی کہ یہ چھت عنقریب گرنے والی ہے اور آپ اپنے آرزومندان دیدار فیض آثار کو یہاں سے نکال لیجئے۔ ورنہ سب کے سب نیچے دب جائیں گے۔

آخری وقت کی اطلاع

آپ کے مدرسہ میں ایک عجمی شخص بھی زیر تعلیم تھا۔ جو فقہ پڑھتا تھا مگر نہایت کند ذہن اور غبی تھا۔ اتنا غبی کہ بار بار سمجھانے اور انتہائی محنت کے باوجود بھی اس کے ذہن میں بات بڑی مشکل سے آتی تھی۔ نہ صرف اساتذہ اور طلباء اس کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے بلکہ وہ خود بھی سمجھنے لگا تھا کہ علم کی نعمت میری قسمت میں نہیں ہے۔ ایک دفعہ سرکار غوث

الاعظم خود بہ نفس نفیس بیٹھے اس کو سبق پڑھا رہے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب ابن مخل آپ سے ملاقات کو تشریف لائے اور دیکھا کہ آپ اس طالب علم سے بہت محنت فرما رہے ہیں تاکہ وہ سبق سمجھ جائے مگر وہ نہیں سمجھتا۔ بہت متعجب ہو کر فرمایا۔ کہ اتنے غبی اور بے سمجھ سے یہ اتنی مغز زنی کرنے کی کیا ضرورت ہے اگر نہیں سمجھ سکتا تو اس کو چھوڑ دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ اب یہ مغز زنی اور محنت مجھے زیادہ دیر نہیں کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اس کا آخری وقت قریب آ گیا ہے اور ایک ہفتہ کے اندر ہی اندر اس کا انتقال ہو جائے گا۔ جب یہ خود ہی اس دنیائے فانی سے دار البقاء کو سدھارنے والا ہے تو میں اب تھوڑے دنوں کے لئے کیوں اس کی دل شکنی کروں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ شخص اسی ہفتہ کے اندر اندر فوت ہو گیا۔

واقعات آئندہ کی تصریح

شیخ خضر حسین موصلی ایک وقت میں آپ کی خدمت بابرکت میں موجود تھے۔ جو تن تنہا درویشانہ زندگی گزار رہے تھے۔ آپ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ اب تم فوراً موصل چلے جاؤ۔ تمہارے صلب میں اولاد موجود ہے جو موصل پہنچ کر معرض وجود میں آئے گی۔ سب سے پہلے تمہارے ہاں ایک لڑکا محمد نامی پیدا ہو گا جس کو سات برس کی عمر میں بغداد ہی کا ایک نابینا حافظ کلام اللہ شریف کی تعلیم دے گا۔ اور زیادہ عرصہ نہیں بلکہ صرف سات ہی ماہ میں اس کو قرآن کریم حفظ کرا دے گا۔ اس کے بعد تمہاری عمر جب 94 سال کی ہو جائے گی تو تم اربل میں وفات پاؤ گے۔ اور تمہاری یہ وحشت و بیہوشی مرنے سے قبل کچھ ہی دور ہو گی۔ اور تمہارے ہوش و حواس قائم ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ واقعات اسی طرح ظہور پذیر ہوئے جو ارشاد فرمایا گیا تھا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے ہر چیز آئینہ تھی۔ اور جہاں تک کسی کا طائر تصور بھی نہ پہنچ سکے۔ وہاں تک آپ کی نگاہ کام کرتی تھی۔ جدھر نگاہ اٹھی سب کچھ دیکھ لیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میں مملکت الٰہیہ کو اس طرح دیکھتا ہوں جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ۔ ہر وقت آپ کی نظریں لوح محفوظ کے اسرار پر رہتی تھیں۔ اور کسی کے چہرہ پر ایک پھسلتی ہوئی نظر ڈال کر اس کے گزشتہ و آئندہ کے واقعات آن کی آن میں بیان فرما دینا نہایت معمولی

سی بات ہوتی۔

خادم قدیم کی طوالت عمری

آپ کے ایک مخلص خادم شیخ ابوعبداللہ محمد تھے۔ جو ایک عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہے۔ آپ کی عادت شریفہ میں داخل تھا۔ کہ جب اس کو بلاتے محمد طویل کے نام سے بلاتے۔ کبھی اصلی نام سے مخاطب نہ فرمایا۔ ایک دن شیخ ابوعبداللہ محمد نے عرض کی۔ کہ حضور میں تمام خدام میں پستہ قد اور قصیر القامت ہوں لیکن آپ مجھے طویل کہہ کر پکارتے ہیں مجھے اس کی سمجھ نہیں آئی۔ حضور نے جواب میں فرمایا اس میں سمجھنے کی کونسی بات ہے تو طویل العمر اور طویل الاسفار ہے اس لئے میں تجھے محمد طویل کہہ کر پکارتا ہوں۔ پس شیخ ابوعبداللہ سن کر خاموش ہو رہے۔ بات آئی گئی ہوگئی مگر بعد میں آپ کا ارشاد یوں پورا ہوا کہ شیخ ابوعبداللہ محمد نے ایک سو سینتیس برس کی عمر پائی۔ اور بلاد عالم کی بے حد سیاحت کی۔ آخر کیوں نہ ہوتا یہ اس غوث کا ارشاد تھا جو عمروں میں تصرف کرنے اور سب کی موت و زندگی کا علم رکھنے والے نبی الانبیاء اور محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نواسہ تھا۔ تاریخ یمینی میں ایک بڑا عجیب واقعہ لکھا ہے کہ پنجاب میں بٹھنڈہ کے رہنے والے ایک بزرگ حاجی بابا رتن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ بزرگ ہیں جن کو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بہ نفس نفیس باریابی کا موقع ملا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی حاضری دربار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ یوں بیان فرماتے ہیں۔ کہ بندہ زمانہ ابتدائے اظہار نبوت میں حاضر حضور ہوا۔ اور دیدار سے شرف بخشا گیا۔ جب میں حضور میں جا کر بیٹھا تو سرکار دو عالم نے اپنے دست مبارک سے دو دو کھجوریں جوڑ کر گٹھلی نکال کر تین بار (چھ کھجوریں) میرے منہ میں ڈالیں اور ہر بار فرمایا۔ بارک اللہ لک فی عمرک۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیری عمر میں برکت فرمائے۔ اس تین بار حضور علیہ السلام کے ایسا ارشاد فرمانے کا اثر یہ ہوا کہ حاجی صاحب بابا رتن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر چھ سو بتیس سال کی ہوئی۔ ہندوستان یا پنجاب کے یہ ایک وہ بزرگ ہیں جن کو شان صحابیت حاصل ہے اور آپ کا مزار شریف بٹھنڈہ میں مشہور و معروف ہے۔ سبحان اللہ ایسے نبی دو عالم سرور اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے ظل بھی ایسے ہی ہونے چاہئیں تھے۔

قلندراں کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند — زشاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بجلوت اندوکمندے بہ مہرو ماہ پیچند — بخلوت اندوزمان و مکاں در آغوشند
بروز بزم سراپا چو پرنیان وحریر — بروز رزم خود آگاہ و تن فراموشند

نظام تازہ بچرخ دو رنگ می بخشند
ستارہ ہائے کہن راجنازہ بر دوشند

ترجمہ۔ حضرت علامہ اقبال مرحوم کی زبان سے سنئے۔ فرماتے ہیں۔ درویش پانی، مٹی، ہوا اور آگ پر حکم چلاتے ہیں۔ بادشاہ ان کے باجگذار اور وہ خود اپنی گودڑی کے نیچے ہزاروں سلطنتیں لئے ہوئے ان کے تصرف کی کمند سورج اور چاند پر اور ان کی حکمرانی زمین و آسمان کی وسعتوں اور سالوں اور مہینوں کی نیرنگیوں پر ہے۔ محفل میں ان کی زبان سے پھول جھڑتے ہیں۔ اور جلوہ محبوب کے میدان میں اپنا آپ بھول کر اپنے آپ سے آگاہ ہوتے ہیں۔ الٹی سیدھی چال چلنے والے آسمان کا نظام تبدیل کرنے والے یہی لوگ ہیں اور پرانے ستاروں کی گردش کا خاتمہ انہی کے اشارہ ابرو کے ماتحت ہے......

جام ہژدہم

پیامِ اعظم ثانی

مُرِیْدِیْ ھِمْ وَطِبْ وَاشْطَحْ وَغَنِّیْ
وَافْعَلْ مَا تَشَاءُ فَالْاِسْمُ عَالٍ

اے میرے مرید قصد کر اور خوش ہو اور بے پرواہ و بے نیاز ہو جا اور جو چاہے کر۔ کیونکہ میرا نام بلند ہے

اے ارادت مند ہمت کر عزیز
بے نیازی کو ہمیشہ رکھ تمیز
ہو کے خوش جو چاہے دل سے کر سدا
نام سے میرے تو ہو گا باخدا

اس شعر میں حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اپنے ارادتمند کو ایسی تسکین اور طمانیت فرماتے ہیں جس سے وہ اپنے مستقبل کے متعلق مطمئن ہو جائے۔ کیونکہ بحکم نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام الدنیا مزرعۃ الآخرۃ ہر شخص کو یہ دھیان ہوتا ہے کہ میری عملی زندگی کا کیا انجام ہوگا اور جس راہ کو میں اختیار کیے ہوئے ہوں۔ اس سے حقیقت کی منزل

مجھے ملے گی۔ یا نہیں اور دربار رب العزت میں پیش ہوتے وقت یا دنیا سے کوچ کرتے وقت میرا حشر کیا ہوگا۔ کہیں نفس و شیطان کے پنجے میں گرفتار ہو کر یا دنیا کی لذتوں میں سرشار ہو کر بھٹک تو نہ جاؤں گا۔ مرید کے اس خدشہ و خطرہ کو دور کرنے کیلئے حضور ارشاد فرما رہے ہیں کہ۔

اے میرے مرید سرشار عشق الٰہی ہو۔ خوش رہ۔ اور بے فکری سے جو چاہے الاپ اور جو تیرا دل چاہے کر۔ کیونکہ تیری اعانت و حفاظت کو میرا نام بلند کافی ہے۔ یا یوں ترجمہ کیجئے کہ۔

اے میرے مرید قصد حصول معرفت الٰہی کر اور عشق الٰہی میں مست ہو جا۔ تمام قبض و بسط کی کیفیتوں اور حالتوں میں خوش رہ۔ منازل کی لغزشوں سے بے پرواہ اور بے نیاز بن۔ خدا کے اسرار کو بطور حمد بیان کرنے کے بعد جو چاہے کر اس وقت تیرا کوئی فعل قابل اعتراض نہ ہوگا۔ کیونکہ تیرا سارا عمل شریعت کے تابع اور تیرا تمام کام مشیت ایزدی کے ماتحت ہوگا جس کام میں مجھے یاد کرے گا میں تیری مدد کو پہنچوں گا۔ اور میرے نام کی بلندی سے تو مراد حاصل کرے گا۔

نیز اس شعر کے معنوں میں بعض بزرگان دین نے لکھا ہے کہ یہ الفاظ عرفان ہیجان' طیب' شطح' غنا' یہاں پر تو اپنے لغوی معنوں کے لحاظ سے کسی اور رنگ میں بیان ہوئے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ منازلِ معرفت کا تذکرہ ہے جن کو طے کرنے کی جانب اشارہ ہے مثلاً۔

درویشی جب تقویٰ و پرہیزگاری میں بہت حد تک ترقی کر جائے اور مطلوب کے اشتیاق واردات میں اس حد تک مغلوب الحال ہو جائے کہ صبر و سکون سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ تو اس مرتبہ محبت کو ھیمان کہا جاتا ہے اس سے آگے چل کر جب درد و بیقراری دور ہو جائے اور سرور و انبساط کو پائے تو یہ نیتجتاً طمانیت (طیب) کہلائے گا۔ پھر اس مقام پر بعض راہروں سے کلمات فکاہات اور اظہار فخر و مباہات ہو کر ان دعوؤں کا ادعا پایا جاتا ہے جو اذن خدا کے بغیر ہوتے ہیں۔ ان لغزشوں اور رعونتوں کا نام شطح ہے اور یہ منزل طیب

کے بعد آتی ہے کیونکہ سالک اس منزل کے کمالات وتصرفات کو اپنی طرف منسوب کر کے دھوکا کھا جاتا ہے۔ اس منزل شطح سے آگے غنا کا درجہ ہے جہاں اظہار دعوے کی بھی پرواہ نہیں رکھتا۔ کیونکہ ذات الٰہی میں فنا ہوتا ہے۔

تو اس شعر کا مطلب مرید مخلص کو ایک گونہ وہ اطمینان دینا مراد ہے جس سے اپنی ارادت صادقہ کے ماتحت مرید اس راہ میں ایسا چلے کہ اسرار حقیقت کے اظہار میں کسی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انجام سے بے نیاز ہو جائے۔ کیونکہ ایسے الوالعزم شیخ کا اسم بلند اس کی پرواز کے لئے ہر مقام مقصود کی کمند ہے۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تمام اطمینان کے الفاظ ہیں کس کے لئے اور مرید سے کیا مراد ہے۔ اس کی کچھ تشریح گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے اور کچھ یہاں کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ مرید کا پہلا فعل ارادت ومحبت ہے جس میں یہ دونوں نہ پائی جائیں۔ وہ خود غرض اور مکار ہے۔ حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ مرید سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میری زندگی یا وفات کے بعد مجھ سے محبت مخلصانہ اور ارادت معتقدانہ رکھے۔ مگر ارادت کی شرط یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی متابعت کرے اور کفر وشرک ومعاصی سے مجتنب رہے۔ جو احکام شرع کا تابع نہیں وہ ارادتمند نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جس نے بیعت کے بعد احکام شیخ سے سرتابی کی اور تساہل برتا وہ بدعہد اور فریبی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ نے چند باتوں میں ارادتمند کو پابند بنا دیا ہے تاکہ اس کو اپنی ارادت کی تمیز حاصل ہو۔ مثلاً

(۱) مرید بیعت کے بعد اپنا ارادہ نہ رکھے۔ (۲) مرید شیخ کے ہاتھ میں ایسے ہو جیسے میت غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتی۔ (۳) بیعت کے بعد اختیار پیر کے ہاتھ میں ہے جو اس کے لئے مناسب حکم کرے گا۔ اس کو اس پر عمل کرنا ہوگا۔ (۴) ایک دفعہ بیعت کے بعد مرید پھر نہیں سکتا۔ اگر سو (۱۰۰) جگہ بھی جائے تو بیعت پہلی ہی ثابت ہوگی۔ مگر اس وقت کہ جب شیخ مرد میدان نہ ہو۔ کیونکہ فقراء نے لکھا ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا نکاح ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ خاوند نامرد نہ ہو۔ عورت نکاح فسخ نہیں کراسکتی۔ (۵) شیخ کے ہاتھ پر بِچی

توبہ کر کے عہد کرے کہ میں تمام احکام کی تابعداری کروں گا۔ اعمال طریقت کو بجا لاؤں گا۔ اور منہیات و مکروہات سے پرہیز کروں گا۔ (٦) پیر کا زندہ ہونا اور مرید کا بالغ ہونا بیعت کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ (٧) بچپن میں ماں' باپ یا بھائی بہن کا بیعت کرا دینا۔ یا رسمی طور پر بے خبری میں خود بیعت ہو جانا۔ معتبر نہیں مگر بالغ اور باخبر ہو کر جہاں چاہے بیعت کر سکتا ہے۔ (٨) اسی طرح مست کی بیعت کا حکم ہے کہ وہ درست نہیں کیونکہ بیعت میں تصفیہ شرط ہے اور مست میں تصفیہ نہیں۔ واللہ العلم بالصواب۔

قَـالُاِسُـمُ عَـالٍ ۔فرما کر سرکار غوثیت مآب کا یہ ثابت فرمانا مقصود ہے کہ ایک مخلص ارادتمند کے لئے شیخ کی بلندی کیسی ہو۔ جب مرید پوری تابعداری سے کام کرے اور کامیاب نہ ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ شیخ میں کوئی کمی ہو گی کیونکہ ہر شیخ بھی تو شیخ کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض وہ لوگ ہیں جو خود نامرد اور مردوں کے راہزن ہوتے ہیں۔ لہٰذا لازم آیا کہ شیخ بھی سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی طرح اسرار کا جاننے والا اور مندرجہ ذیل تعریف و توصیف کا حامل ہو۔

(۱) بعض بزرگان دین نے لکھا ہے کہ مرشد وہ ہے جو پہلی نگاہ سے طالب کے ہفت اندام کو بہتے پانی کی طرح پاک کر دے اور دوسری نگاہ سے دربار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پہنچا دے۔ تاکہ طالب کو سری عمر میں ریاضت کی ضرورت نہ رہے۔

(۲) بعض نے فرمایا کہ مرشد وہ ہے جو مجاہدہ میں مشاہدہ منکشف کرائے۔

(۳) حضرت مخدوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مرشد وہ ہوتا ہے کہ اگر اس سے کوئی طالب مراتب قطب و غوث طلب کرے تو وہ دے سکے اور اگر لوح محفوظ کا مطالعہ روشن ضمیری مقام فنا فی اللہ۔ ہر چیز پر غلبہ۔ شاہانہ مراتب' دنیوی خزانہ پر تصرف کا متمنی ہو تو بھی دے سکے۔

(۴) حضرت سید الطائفہ نے فرمایا۔ کہ مرشد کامل وہ ہے کہ اس کی توجہ سے طالب کے وجود میں محبت الٰہی پیدا ہو۔ اور نور الٰہی طالب کے دل پر جلوہ گری کرے۔ ایک توجہ سے اس کو ماسوا اللہ سے نکال دے اور راہ باطن اس کے سامنے کر دے۔ مشاہدہ حقیقی

ولذت تحقیق اسے بے حجاب حاصل ہو۔ جس میں مستغرق رہے۔

(۵) مولانا عبدالغفور قادری کہتے ہیں کہ جو مرشد مرید کے وجود سے یہ سات چیزیں علیحدہ کر دے وہ مرشد کہلانے کا مستحق ہے ورنہ نہیں' ۱- حرص' ۲- حسد' ۳- کبر وریا' ۴-غرور نفس' ۵- خواب وغفلت' ۶ -معصیت وگناہ' ۷- جہالت۔

(۶) علاؤ الدین مظہری فرماتے ہیں کہ جو مرشد حضوری کے مرتبہ کو نہ پہنچا سکے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تلقین نہ دلا سکے۔ وہ گمراہ ہے جو شخص خود صاحب حضور ہو اس کے لئے طالب کو حضوری کر دینا کوئی مشکل کام نہیں۔ پس رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضوری کے بغیر راہبری اور پیشوائی کرنا خود گمراہ ہونا اور دوسروں کو گمراہ کرنا ہے۔

(۷) حضرت شبلی وجنید رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ مرشد وہ ہے جو متبع شریعت اور ماحی بدعت ہو۔ کیونکہ طلب حق درحقیقت متابعت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی میں مضمر ہے جو شخص شیخ زادگی کے بھروسے اپنی راہنمائی کا دم بھرے گا وہ طالبان حق کا راہزن ہے نیز فرماتے ہیں۔ اذا رایت صوفیاً ولم یکن بین یدیہ تفسیر و علی یمینہ احادیث و علی شمالہ کتب الفقہ تعلم انہ شیطان و ماصد رعنہ مکرو استدراج. یعنی جب تو کسی صوفی کو دیکھے کہ اس کے سامنے تفسیر۔ دائیں ہاتھ میں حدیث اور بائیں جانب فقہ کی کتابیں نہ ہوں۔ تو تو سمجھ لے کہ وہ شیطان ہے اور جو کچھ اس سے ظاہر ہوتا ہے وہ مکرو استدراج ہے۔

ابیات

مرد مرشد میر ساند خاص نور — روز و شب در طلب نبوی باحضور
ہر کہ منکر میشود زیں خاص راہ — عاقبت کافر شود با رو سیاہ
مرشد کامل بود صاحب قلب — مرشد ناقص بود ہمچوں کلب
مرشد کامل کند از دل خروش — مرشد ناقص بود از خود فروش

(۸) صاحب سراج الدین لکھتے ہیں کہ مرشد کامل وہ ہے جو طریقت کے یہ چاروں مراتب جن میں بھٹکنے کا خوف ہے سلامتی سے مرید کو عبور کرا دے۔

۱- محض نفس سے کشف وکرامات کا ظہور میں آنا اور درویش کا مسرور ہونا۔

۲- رجوعات خلق یعنی لوگوں میں ایسی قبولیت کہ اس کے پیچھے پھریں۔

۳- چرند پرند کا مسخر کر لینا۔

۴- عالم بالا کی وہ سیر جس میں ناسوت وجبروت اور ملکوت کے مقامات کا مشاہدہ ہو اور یہ اپنے آپ کو غوث وقطب گمان کرنے لگے۔ حالانکہ عرش سے تحت الثریٰ تک بیشمار مقامات ایسے ہیں جن کا انتہائی مرتبہ حقیقت سے محروم ہونا ہے۔

۵- فقیر کہتا ہے کہ یہ سب اوصاف مجموعی طور پر جس مرشد میں موجود ہوں وہ مرشد کامل ہے اور وہی بیعت کا استحقاق رکھتا ہے۔

جام نوزدہم

غلبۂ ایمانی

مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ اَللّٰہُ رَبِّیْ
عَطَانِیْ رِفْعَۃً نِلْتُ الْمَعَالِیْ

اے میر مرید کسی سے خوف نہ کھا اللہ میرا پرورد گا ہے اور مجھے اس نے وہ بلندی مراتب عطا کر رکھی ہے۔ جہاں عوام کا پہنچنا محال ہے۔

اے ارادت مند غیروں سے نہ ڈر
آسرا مجھ کو ہے اس کی ذات پر
جس خدا نے بخششیں ہیں عام کیں
اور بے حد نعمتیں انعام کیں

بڑی محبت سے خطاب ہو رہا ہے کہ اے میرے مرید کسی شخص، کسی بلا۔ کسی زبردست۔ کسی ظالم کسی مصیبت اور غیر خدا سے نہ ڈر۔ خدائے تعالیٰ (میرا معبود) میرا اپنا لنے والا مجھے کافی ہے۔ کیونکہ اس نے مجھ کو وہ رفعت مقام انعام فرمائی ہے کہ جہاں تک اس کی رحمت کے بغیر پہنچنا محالات سے ہے اور مجھے یوں فائز فرمایا گیا کہ میں اس رفعت کا طالب نہ تھا بلکہ وہ خود میری

تلاش میں تھی۔ یعنی بجائے اس کے کہ میں رفعت کی تلاش کرتا رفعت نے خود مجھے حاصل کیا۔

سبحان اللہ حضور غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی خوبی سے اس فرمان میں اپنے مدراج علیہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور ایسی فراخدلی سے غلاموں کو نوازا ہے جس میں وہ شان مومنانہ جلوہ فگن ہے جو حقیقتاً ایک سچے توحید پرست ہی کا حصہ ہوسکتی ہے مریدوں کو (مریدی) کے لفظ سے خطاب فرما کر وہ نوازش فرمائی جس سے ایک سچے ارادت مند کے دل میں بخشش کی ہزار ہا امیدیں بندھ جاتی ہیں اور قربانی کے وہ ولولے دل میں اٹھتے ہیں کہ ان کا جذبہ اپنے ارادہ کو فنا کر کے ایسے پیر کے قدموں میں مٹ جانے کا متمنی ہو جاتا ہے۔ شعر

درد و عالم پیر باشد نور جاں　　　تا توانی نور او درجاں فشاں

کیونکہ سچے مرید کی صفت ہی یہی ہے کہ اپنے ارادے کو فنا کر کے پیر کے ارادہ سے سرشار ہو جائے اور اپنی طرف سی کچھ بھی نہ سمجھے۔

مگر یہ یاد رہے کہ پیر کے رنگ میں رنگا جانا اور مریدی کے خطاب کو اپنی ذات کے لئے منسوب سمجھنا۔ ہر غرض پرست آنے والے کا کام نہیں اور نہ اس دولت عظمیٰ کے حصول کی توفیق ہر ہوس پرست پا سکتا ہے یہ کلاہ نیاز مندی سر پر رکھنا اور اتباع کے میدان میں ہر قربانی کے لئے تمیز گنوا کر ہر جگہ پر شیخ ہی شیخ کو دیکھنا۔ کسی دل گردہ پر منحصر ہے۔ اسی لئے اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ مرید کی تین قسمیں ہیں یا مرید تین قسم کے ہوتے ہیں جو اپنے اعمال و عقائد کے لحاظ سے شیخ سے نفع اٹھاتے ہیں۔

اوّل مرید پناہ

یہ وہ شخص ہوتا ہے جو خود شریعت پر تو قائم ہو اور کسی بزرگ سے دلی عقیدت بھی رکھتا ہو مگر یہ سب عقیدت اغراض دینی و دنیوی کے لئے ہو۔ بیعت نہ کی ہوئی ہو۔ حالانکہ لازم ہوتا ہے کہ اگر کسی بزرگ سے عقیدت ہو جائے تو اس کی بیعت کر لے۔ تاکہ اس کی عمر ضائع نہ جائے۔

دوم مرید راہ

یہ وہ شخص ہے کہ شریعت محمدی کے فضائل کا ظہور یافتہ ہو کر کسی بزرگ سے بلا غرض دنیا کے سلوک کا راستہ بھی دریافت کر لے۔ مگر بیعت نہ کرے۔

سوم مرید اللہ

یہ وہ شخص ہے جو اپنا دل اور ہاتھ پیر کے ہاتھ میں دے چکا ہو اور اپنے آپ سے گزر کر اپنے شیخ کے اخلاق کی مدد سے جو اخلاق اللہ کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں جناب الٰہی سے تحقیق النسبت ہو جائے اور اپنے سلوک سے دن بدن یہ مفہوم کرے کہ میں نے رتبۂ وصول حاصل کرنا ہے۔

ان تینوں قسم کے مریدوں میں سے پہلی قسم کا مرید تو محض مقلد ہوتا ہے دوسری قسم کا بھی ہوتا تو مقلد ہی ہے مگر یقین کے لئے اپنے پاس پورے پورے استدلال رکھتا ہے تیسری قسم کا مرید حقیقی مرید ہوتا ہے کیونکہ اس کے تمنائے حقیقی ذات الٰہی کا وصل ہوتا ہے اور اس مرید اصلی سے مراد خدائی مرید ہے جو عشق حقیقی میں اپنے تن اور جان دنوں سے گزر جاتا ہے۔ شعر

ایں بود آئین شیران خدا
الفناء فی البقاء و فی البقاء

درحقیقت حضور کے اس شعر میں بھی ایسا ہی مرید مراد ہوسکتا ہے اور ہونا چاہئے مگر سیدنا غوث الاعظم کی یہ کرم گستری و ذرہ نوازی ہے کہ اپنے فیض عام سے ہر قسم کے مریدین کو اس میں ڈھانپ لیا ہے جس سے بہت سے سیاہ کار بھی حصول مقصد کے لئے اس فیض کے امیدوار ہو گئے ہیں اور بہت سے ناداروں اور ناکاروں نے بھی اس کے جام غوثیت سے قطرہ پالینے کا استحقاق سمجھ لیا ہے۔

مثنوی

رحم فرما ساقیا برحال ما	گرچہ بس داریم خود نظرے نما

خشک کا مم قطرہ از جود خویش　　تا کہ تر گرد وز فیضت جاں بکیش

محی دین چوں نام تو عالی بود

زندگی درجان ما از تو رسد

معلوم ہوا کہ مریدی کی اضافت اپنی جانب لانے میں مریدین کے لئے ہزار ہا ڈھارسیں اور لکھو کھہا پناہیں ہیں آپ کو مریدین سے اس قدر الفت ہے کہ ہر پہلو سے ان کے لئے سرفرازی بخشی جارہی ہے۔ آپ نے کئی قصائد میں بار بار فرمایا ہے کہ اگر میرا مرید کہیں بھی ہو۔ میں اس کی امداد کے لئے پہنچ جاتا ہوں اگر کسی منزل میں اس کا پاؤں پھسل جائے تو اس کو بچاتا ہوں اگر اس سے کوئی برا فعل سرزد ہو تو اس کو توبہ پر توجہ دلاتا ہوں اور ایک شعر میں فرمایا کہ مرید اگر مستحکم نہیں تو میں محکم ہوں۔ اگر مرید جید نہیں تو نہ ہو میں تو جید ہوں اور فَاِلاِسمُ عَال کا مفہوم بھی یہی ہے۔

لَا تَخَف فرما کر مرید کو وہ ڈھارس بندھائی کہ غیر کی تمام قوتوں سے مامون فرما دیا اور ماسوا اللہ کی تمام طاقتوں کو مٹا دیا۔ کسی کی جرأت نہیں کہ حضور کے سچے غلام کو کوئی گزند پہنچا سکے۔ یا اس کے فیض باطنی پر تصرف کر سکے۔ کیونکہ بحکم قرآن پاک اولیاء اللہ خوف وحزن سے بری ہیں اور یہ وہ انعام ہے جو سوائے جماعت اولیاء کے دوسرے کو حاصل نہیں جو لوگ اس حقیقت سے آشنا ہیں۔ کہ اولیاء اللہ میں کس قدر طاقت ہوتی ہے۔ وہ حضور کے ارشاد لا تخف کو بے محل اور دعوے بے دلیل نہیں سمجھ سکتے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ایک ایک اللہ کا بندہ اللہ کے لئے سلطنتوں سے جا کر الجھتا ہے اور اعلائے کلمۃ الحق کے بند کرنے کے لئے سلطنتیں بھی اپنی پوری شان کے ساتھ مقابلہ کرتی ہیں۔ مگر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق غالب ہوتا ہے اور سلطنتیں ایک اللہ کے بندے کو خوفزدہ کرنے کے برعکس حق سے ٹکرا کر تباہ ہو جاتی ہیں۔ جیسے خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمتہ کے مقابلہ میں والیان اجمیر وقنوج کا حشر ہوا۔ اسی پر علامہ اقبال لکھتے ہیں۔ شعر

کیمیا پیدا کن از مشت گلے

بوسہ زن بر آستان کاملے

اَللّٰہُ رَبِّیْ کی نسبت نے اس اختیار کو اور بھی ایسا پختہ بنا دیا ہے کہ گویا یہ تمام انعام و اکرام صرف عطائے باری و رحمت ایزدی کے ماتحت ہیں۔ درویش اپنی بلندی کا جو ذکر کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی بلندی نہیں بتاتا بلکہ اکرام الٰہیہ کی بلندی کو بیان کرتا ہے کیونکہ اہل اللہ سے نہ کوئی کسبی مدارج نبوت و مراتب ولایت کا قائل ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے ذاتی چیز کسی کی نہیں درحقیقت درویش اور درویشی میں یہ سب اسی کے جلوے نظر آتے ہیں۔ وہ خود ہی اپنے منظور نظر کو اپنی بخشش کے جذبہ میں مجذوب فرماتا ہے اور خود ہی اپنی منشا کا اظہار کرتا ہے جب تک وہ خود ہی اپنے فضل و کرم کی نسیم سے متلاشی کے دل کی پژمردہ کلی کو نہ کھلائے۔ کون ہے۔ جو اس پردہ نشین کے دیدار حجاب آثار کو پائے۔ (وَیَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ).

اور عطانی رافعۃً سے صاف واضح فرما دیا۔ کہ میری تمام بلندیاں میرے تمام مدارج و مراتب۔ میری تمام الوالعزمیاں اور میری تمام خوبیاں میری ذاتی پیدا کردہ نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی عطا کردہ ہیں جس نے اپنے لاڈلے محبوب سرکار مدینہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلا واسطہ غیرے میرا مربی بنا دیا۔ اور اس کی مبارک تربیت نے تمام اسرار و رموز محبوبیت مجھ پر واضح فرما دیئے اور مجھ پر سوائے اللہ کریم و نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور کسی کا احسان نہیں۔

لفظ منال سے مراد وصول ہے۔ یعنی کمالات کے تمام مراتب و مدارج جو ولایت کے لئے ممکن ہو سکتے ہیں۔ مجھے عنایت فرمائے۔ چنانچہ حضرت قبلہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منبر پر کھڑے فرماتے سنا۔ کہ ہر ایک ولی ایک نبی کے قدم پر ہے اور میں اپنے جد بزرگوار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم پر ہوں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبوت کے قدموں کے علاوہ جو قدم اٹھایا میں نے اپنا قدم وہاں رکھا۔

شیخ ابو محمد علی بن ادریس یعقوبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔ کہ جن اور انسان کا شیخ الگ الگ ہوتا ہے۔ مگر میں سب کا شیخ ہوں۔ وذالک فضل

اللہ۔

راوی مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت سیدنا عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرض الموت میں اپنی اولاد کو فرماتے تھے کہ میرے اور تمہارے اور تمام خلقت کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔ پس نہ کسی کو میرے ساتھ قیاس کرو اور نہ مجھ کو کسی کے ساتھ نسبت دو۔

چہ نسبت کنم آں سروقد دل جورا
ہرچہ گویم بہ از انست چہ گویم اورا

ایسے ہی دو صاحبوں ابو عثمان اور ابو محمد عبدالحق سے فرمایا۔ کہ میں ان میں سے ہوں۔ جن کو تم نہیں جانتے۔ آؤ اور جلدی کرو۔ زمین وآسمان والوں کو پکارو اور مجھ سے کچھ سیکھ لو۔ اہل عراق کے حالات میرے نزدیک پہنے ہوئے کپڑے کی طرح ہیں۔ جس کو چاہوں پہناؤں اگر تم ہزار سال سفر کرو۔ اور مجھ سے کوئی کلمہ سنو تو برابر ہیں کیونکہ ولایت اور درجات اسی جگہ ہیں۔ اور اسی مجلس میں خلعتیں عطا ہوتی ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

تو آں شہی کہ کنی ردقضائے مبرم را
بری زخاطر ناشاد محنت و غم را

جام بستم

بلندی مکانی

دُهُولِیْ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ دُقَّتْ
وَشَنَاءُ وَسُ السَّعَادَۃِ قَدْ بَدَالِیْ

میری بزرگی کا نقارہ زمین و آسمان میں بج چکا ہے۔ اور میری سعادت و نیک بختی کا قاصد بالتحقیق ظاہر ہو چکا ہے۔

بج گیا ڈنکا میری تقدیس کا
گڑ گیا جھنڈا میری تخصیص کا
کہہ گیا ہے مجھ کو یہ روح الامین
تیرے ہیں ارض و سما زیر نگین

رب العزت نے اگر کوئی نعمت عطا فرما رکھی ہو تو اس کا عدم اظہار کفران نعمت ہے۔ نہ جاننے والوں میں اپنی اصلی اور صحیح تعریف کے ساتھ اپنے آپ کو پیش کرنا تکبر و غرور یا لاف زنی اور جھوٹا دعویٰ نہیں ہوتا اور کسر نفسی کے یہ معنی نہیں کہ انسان اپنی حقیقت پر بھی انکساری و عاجزی کا ایسا پردہ ڈالے کہ بجائے عزیز ہونے کے عوام میں ذلیل ہو جائے۔ چونکہ اظہار نعمت گناہ نہیں

لہٰذا بندگان خدا نے ہمیشہ اپنی حقیقت کو آپ واضح کیا ہے اور اپنی شان کے مطابق آپ آداب سکھائے ہیں اور اپنی امتیازی حیثیت کا مدعی ہو کر ساری دنیا کو سمجھا دیا ہے کہ ہماری بلندی شان کیا ہے اور ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے چونکہ فی زمانہ بعض جاہل فقیروں نے ہر میں ہر کا سبق رٹتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ ہر شئے خدا اور ہر شئے میں حلول خدا ہے۔ لہٰذا سب وہی ہیں اور سب میں وہ ہے۔ پھر تخصیص و امتیاز کیسا۔ سب برابر ہیں۔ حالانکہ یہ نظریہ اس قدر حقیقت سے دور ہے جس کی کوئی حد ہی نہیں اور اسی کی بدولت جہال درویشوں میں بیشمار فتنوں کا دروازہ کھل گیا ہے۔

فقیر یہاں اسی مضمون کے پیش نظر حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی شاہ عرفانی شیخ سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مندرجہ بالا شعر کی شرح پیش کرتا ہے کہ حضور نے اپنے بزرگی و بلندی کا کیونکر اظہار فرمایا ہے اور یہ شرعاً جائز ہے کیونکہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے خود ہی بیان فرمایا تھا کہ میری شان مومنانہ یہ ہے اور میں پیدائشی امین پیدا کیا گیا ہوں۔ اس سے اہل مصر پر اظہار حق مقصود تھا۔ نہ کہ بیجا غرور و تفوق یا تکبر و تعلی۔

حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری دھوم کے نقارے یا میری بزرگی کے طبل یا میری شہرت کے ڈھول زمین و آسمان میں بجتے ہیں۔ میری بلندی کے پرچم افلاک پر لہراتے ہیں اور نقیب سعادت کا ظہور میرے لئے ہو چکا ہے جو میرے رتبہ کو ہر چھوٹے بڑے پر پیش کرتا ہے یا میرے جلو میں پکارتا ہے۔

طبول کا مفہوم محاورات و عام زباندانی کے لحاظ سے صرف شہرت ہو سکتا ہے اور شہرت بھی وہ جس کا احاطہ بہت وسیع ہو۔ جیسا کہ محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلانے کی سیادت کا سکہ بیٹھ گیا ہے یا اس کا طوطی بولتا ہے۔ یا اس کی دھاک بندھ گئی ہے۔ یا زمانہ میں اس کا ڈنکا بج گیا ہے۔ یا اس کے شادیانے اور نقارے چارکوٹ یا کونے کونے میں بج رہے ہیں۔ یہ تمام جملے کسی فوقیت پر بولے جاتے ہیں جو امتیازی طور پر کسی میں پائی جاتی ہو۔ لہٰذا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جملہ اولیاء اللہ کے مقابلے میں اپنی اس امتیازی حیثیت کا

تذکرہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ الوالعزمی حاصل ہے۔ کہ میری عالی مرتبگی اور بلندئ پرواز کا چرچا آسمانوں میں ہے۔ اور میرے تصرفات ارواح وابدان میں پائے جاتے ہیں۔

طبولی سے مراد صدائے ملائکہ بھی ہوسکتی ہے اور وہ جمعیت ملائکہ جو مولا کریم کے حکم سے کسی کی نیکی کو زمانہ میں شہرت دینے کے لئے مقرر فرمائی گئی ہے اور ہر شخص کی نیکی کی تشہیر زمانہ میں کرتی رہتی ہے۔ ایسے ہی بدی بھی مشہور کی جاتی ہے ایک شخص رات کی تاریکیوں میں اللہ اللہ کرتا ہے اور پوشیدہ طور پر اپنے خدا سے لو لگاتا ہے مگر لوگ اس کو جانتے ہیں کہ یہ نیکوکار اللہ اللہ کرنے والا اور تہجد گزار ہے۔ حالانکہ اس نے تہجد کے وقت کسی کو اطلاع نہیں کی۔ اور اسی طرح ایک آدمی پردے میں بدکاری اور زنا۔ یا چوری کا ارتکاب کرتا ہے اور کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ حالانکہ وہ بھی اس بدکرداری میں بدنام ہو جاتا ہے۔ گویا خود کوئی بھی شہرت نہیں حاصل کرتا۔ بلکہ اس کے اعمال کو زمانہ میں ملائکہ کی یہ جماعت مشہور کر دیتی ہے کیونکہ یہ اسی کام پر معین ہے۔

اور طبولی سے مراد مریدان صاحب ذکر و معتقدان عالی فکر بھی ہوسکتے ہیں۔ جو ہر چہار سو جہاں میں حضور سرتاج اولیاء غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل کردہ علوم معرفت کا درس دیتے ہیں اور لوگوں کی منتظرانہ نگاہوں کو اپنی ہدایت کی روشنی سے سیتے ہیں۔

تو مطلب یہ ہوگا کہ آسمانوں میں ملائکہ اور زمینوں میں میرے تلمیذ اولیاء اللہ و مومنین صادقین میری شہرت کا باعث ہیں۔

طبولی سے وہ مجاہدے اور ریاضتیں یا وہ وظائف بھی مراد لئے جاسکتے ہیں جو تقرب الی اللہ کا موجب ہوکر درویش کو زمانہ میں ممتاز کر دیتے ہیں۔ بہرحال مطلب اس کا آلہ تشہیر ہے جس سے حضور کے درجہ غوثیت کی چاردانگ عالم میں دھوم مچ گئی اور اہل جہاں فیوض باطنی و ظاہری حاصل کرنے کے لئے دوڑ پڑے۔

اور طبولی کے بعد فی السماء بیان فرمانے میں یہ غرض ہے کہ ہر شخص دوسرے پر اپنی فوقیت جو بیان کرسکتا ہے وہ بلندی ہی کی ہوتی ہے۔ کسی کو یہ کہتے نہیں سنا گیا کہ میں اس قدر پست و ذلیل ہوگیا کہ زمانے کی مخلوق نے مجھے سجدے کئے۔ بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ

میری بلندی کا مقام یہ تھا کہ سب دنیا میری تعظیم کو نیچے کھڑی تھی۔ لہٰذا غوث الاعظم نے یہی سمجھایا کہ زمین اور اس کے رہنے والوں کی پستی تو میری علو مرتبت کے قدموں میں تھی ہی لیکن میری شان بلند نے ملائکہ سماوی کی نگاہ کو بھی خیرہ کر دیا۔

نیز فی السماء کا یہ بھی مقصد ہے کہ زمینی لوگ تو میری جنس سے ہیں جن کو میری الوالعزمی کا فخر ہو سکتا ہے۔ مزہ یہ ہے کہ سماوی دنیا بھی میرے مدارج کی مداح ہے کوئی مقام بلند ایسا نہیں ہے جہاں میرا چرچا نہ ہو۔ ملائکہ مجھے نور عظیم کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ملاء اعلیٰ میں میرا نام باز اشہب اور طراز المذہب مشہور ہے۔ اہل زمیں مجھے سید عبدالقادر و سید محی الدین ناموں سے پکار۔تے ہیں۔

اور ممکن ہے کہ محاورۃ (فی السماء) فرمانے سے آسمان شہرت کی مطلق بلندی مراد ہو۔ کہ جس قدر میری ولایت کو عروج ہوا ہے اور کسی کو نہیں ہوا۔ جیسے حضرت فاضل بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ شعر

اے ترا در ہر طرف نامے دگر کامے دگر
ہم صد ملک یادت کنند ہم جانور اندر ذکر
از فضل تو در ہر سما نورے بماہ و ہم شمس
از ذرہ تا لوح و قلم دارند از تو صد نظر

اور بعض نے لکھا ہے کہ فی السماء سے اولیاء اللہ کا انتہائی طبقہ مراد ہے۔ یعنی انتہائی طبقۂ اولیاء اللہ میں جو سعادت و قرب الٰہی مجھے حاصل ہے وہ مسلم ہے مگر فقیر کے نزدیک یہ تاویل کچھ بعید از حقیقت ہے کیونکہ ارض سے پھر اہل جہاں کا نچلا طبقہ مراد لیا جائے گا اور یہ موزوں نہیں۔ کیونکہ نیچے سے نیچے خیال کیا جائے۔ تو ایسی مخلوق بھی ملے گی جس سے اہل اللہ کی مشابہت و مطابقت کرانا بھی اہل اللہ کی توہین ہے اور نہایت مناسب و موزوں بات تو یہ ہے کہ فی السماء سے مراد آسمان اور فی الارض سے مراد اصلی زمین ہی لئے جائیں جو عام اصطلاح میں بھی کوئی استحالہ پیدا نہیں کرتے۔

اور شاؤس السعادت سے مراد وہ نقیب ہدایت ہے جو کسی اعلیٰ و بالا چیز کی منادی

کرے اور اس بہتر و مہتر چیز کی جانب لوگوں کو حصول کے لئے توجہ دلائے۔ تو معنی یہ ہوں گے کہ میری نیکوکاری اور حق پرستاری کے نقیب مجھ پر یوں ظاہر ہوئے کہ انہوں نے مجھے ثابت کر دیا کہ حقیقتاً مجھے اہل اللہ کی جماعت میں سرفرازی حاصل ہے اور خلق خدا کو حصول برکات کے لئے میری جانب رخ کرنا چاہیئے کیونکہ انسان کو جب درجہ سعادت حاصل ہوتا ہے اور اس پر انوار الٰہی کی تجلیات جلوہ گر ہوتی ہیں تو تمام کائنات اس کے آستانۂ عالیہ پر جبیں سائی کرتی ہے اور من کان اللہ لہ' کی حقیقت اعلیٰ اس پر کھل جاتی ہے اور شرافت انسانیہ وفضیلت بشریہ کا تمام راز ان معنوں میں آشکار ہو جاتا ہے۔ شعر

ملائک کی نگاہ خیرہ ہے انوار صفاتی سے
وہ کیا جانیں قدم انسان کامل کا کہاں پہنچا

اور یہی وہ سعادت کے نشانات تھے جو ازل ہی سے آنجناب غوثیت مآب سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بخت بیدار اور قسمت پر انوار میں ودیعت فرما دیئے گئے تھے۔ شعر۔

زشانِ شاہِ محی الدین ہزاراں راز و اسرار است
ولے دریافتن اینہا ز فکر و رشد درکار است

جام بست و یکم

اقتدار شاہجہانی

بلادُ اللہِ مُلکی تحت حُکمی
وَوَقتی قبل قلبی قد صفالی

خدا کے شہر میرے قبضہ و اقتدار میں ہیں اور میرا حکم چلتا ہے اور میرا وقت اور حال اس وجود میں آنے سے پہلے ہی صاف کر دیا گیا ہے۔

ہیں خدا کے ملک میرے ہاتھ میں
اور مافیہا و دنیا ساتھ میں
مل گئیں مجھ کو ازل سے خوبیاں
ہیں بلندی پر مری محبوبیاں

اس شعر میں تصرف کائنات اور اختیارات موجودات کا تذکرہ فرمایا گیا ہے اور یہ سمجھایا گیا ہے کہ فقیر جب درجہ سعادت کو پالیتا ہے تو اللہ کریم کا ایسا دوست بنتا ہے کہ اس کو تصرف فی البلاد کا رتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور شاید تُؤتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ کا مطلب بھی یہی ہو حضور اسی مقام کا ذکر فرما رہے ہیں کہ اللہ جل و شانہ کے شہر میں میرے قبضہ اقتدار میں ہیں اور ان پر میں

حکمران ہوں اور میرا وقت اور حال اس وجود میں آنے سے پہلے ہی صاف کر دیا گیا تھا۔ یعنی زمانہ سابق میں ہی یہ کمالات مجھے حاصل تھے۔ حالانکہ ابھی حقیقت وجود یہ میں نہ آیا اور اس عالم میں بھی میں سب کچھ جانتا تھا۔ میری روحانی حالت میری معرض وجود میں آنے سے پہلے ہی مصفیٰ تھی۔ کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہر انسان کے لئے اس کے معرض وجود میں لائے جانے سے قبل سے ایسا ہی سانچہ بنا دیا جائے جیسا کہ اس کو پیدا کرنا اور اس سے کام لینا مقصود ہے۔ علم الہٰی میں جو انسان جس شے کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ ویسے ہی اس کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ کُنْتُ نَبِیًّا وَّآدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْن۔ اور یہی سنۃ اللہ سب کے لئے جاری ہے۔ گویا ہر شخص کے واسطے خدا کے ارادہ میں کچھ خواص ازل ہی سے مقدر کئے جاتے ہیں جن کے ظہور پذیر ہونے میں اس کا اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ عالم لاہوت کے شہباز اسرار و رموز غوثیت کے ہمراز حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ممالک و بلا دالٰہیہ میرے ہاتھ اور حکم میں ہیں۔ جس طرح چاہوں ان پر تصرف کروں مجھے اختیار ہے۔ اس بیت کی تشریح میں بعض صوفیاء کرام نے لکھا ہے کہ بلاد اللہ سے مراد مدارج عرفان و مراتب فیضان ہیں۔ مگر اس تاویل سے بہتر یہ ہے کہ بلاد اللہ سے یہی جہاں کی آبادی ظاہری مراد لے لی جائے۔ کیونکہ یہ بھی اس مسئلہ میں کوئی معمولی چیز نہیں۔ جس کا مدعی ہر شخص ہو سکے پھر تاویل باطنی کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ بلکہ شہروں پر ہر قسم کے تصرف سے ایک غوث کی رحمت عامہ اور قوت قاہرہ کا مطلب سمجھ میں آ جاتا ہے اور یہاں پر شہروں کے ذکر نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ جب شہر اپنی کثرت آبادی اور کثرت مال و دولت کے باوجود میرے قبضہ اقتدار میں ہیں تو دیہاتوں' بیابانوں' جنگلوں' ویرانوں میں اور کون متصرف ہوگا۔

بلاد اللہ سے مراد عوام کے قلوب و ارواح بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ بھی عالم باطن کی کائنات بڑی وسیع چیز ہے پھر دلوں کو کھینچنا اور ارواح کو نور بخشنا ایک اللہ کے بندے کا بہت بڑا کام ہے۔ ہزارہا قلوب کو مسخر کر کے حاضر کر لینا اور دور ہٹا دینا اولیاء اللہ کی تسخیر کا ایک

ادنیٰ کرشمہ ہے۔ چنانچہ آنجناب غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت ایک روایت مشہور ہے۔ کہ ایک مرتبہ آپ نماز جمعہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اور دونوں صاحبزادے بھی ساتھ تھے۔ اور کوئی چوتھا آدمی عقیدت مندوں میں سے نہ تھا۔ ایک شخص راستہ میں سامنے آیا۔ اور اس کے دل میں خیال گزرا کہ آج آپ اکیلے کیوں جارہے ہیں اور وہ ساتھ ہولیا۔ اسی اثناء میں اتنا ہجوم ہوگیا کہ آپ بیچ میں نظر ہی نہ آتے تھے اس وقت آپ نے اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اے فلاں لوگوں کے دل ہمارے تصرف میں ہیں۔ اگر ہماری مرضی ہو تو ان کو مجتمع کر لیتے ہیں اور اگر نہ ہو تو منتشر کر دیتے ہیں۔ شعر

از تو اندر ہر تنے عز و شرف　　　ایکہ دلہا رام تو در ہر طرف

عالمے را در دمے ویراں کنی　　　ورد مے صد شہر را عمراں کنی

لیکن قلوب کا جمع کرلینا اور دور ہٹا دینا۔ شہروں کو رونق بخشنا اور بے چراغ کرنا اللہ کریم کے حکم کے ماتحت ہے۔ ملک خدا کا ہے اور قبضہ و تصرف اس کے دوستوں کا ہے نیز یہ بھی ہے کہ حضور محبوب سبحانی ہیں اور محب کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ محبوب ہی کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر فرماتے ہیں۔ شعر

پاس عاشق کے جو کچھ شے ہے وہ معشوق کی ہے
تم خدا کے ہو خدائی ہے تمہاری ساری

اسی مضمون کا ایک شعر مجدد وقت مولانا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ شعر

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

نیز بلاد اللہ سے مراد انوار و اسرار ہدایت بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا وقت (منزل کشف القلوب) وغیرہ کی کیفیتیں ابتدائے آفرنیش سے پاک وصاف کر دی گئی ہیں۔ گویا آپ تک پہنچنا وصل الٰہی کے شہرستان تک پہنچنا ہے۔ اور آپ نے فرمایا ہے کہ وصول الی

اللہ کی تمام کائنات میرے زیر نگین ہے۔ ذروں کو آفتاب بنانا اور آفتاب کو زیر عتاب لانا میرے لئے ایک دل خوش کن مشغلہ اور منزل کی بلندی کے لحاظ سے ایک گوٹ کھیلنے کے برابر ہے۔

ملکی کا لفظ فرمانے میں یہ رمز ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حسب مرتبہ غوثیت عوالم ظاہر و باطن آپ کے تصرف میں دے دیئے ہیں۔ اور حضور کے وجود باجود کو اپنے اسرار کا مظہر بن دیا ہے اور زاں بعد الفاظ تحت حکمی اس کمال تصرف کی وضاحت کرتے ہیں کہ بلاد اللہ میں جس قدر احکام نافذ ہوتے ہیں۔ حضور کے ذریعہ سے اور ان بندگان خدا کے اختیارات کے ماتحت ہوتے ہیں جو ہر شہر میں ظاہری سلطنت کے ساتھ (بلکہ یوں سمجھئے کہ سلطنت ظاہری کے بھی محافظ) اس کام پر متعین ہوتے ہیں۔ سلطنت ظاہری نظام و قیام امن کے لئے ایک بہانہ ہوتی ہے۔ درحقیقت باطن میں انہی حضرات کا جلوہ کارفرما ہوتا ہے۔ کسی شاہ وقت کو بر سر سلطنت رہنے دینا یا اس سے سلطنت چھین کر دوسرے کو دے دینا ایک معمولی بات ہے۔ فقیر کے اپنے ایک دوست کا مشہور قصہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے تھے ان کو ایک مرتبہ خیال جو آیا تو اپنے شہر کے ایک ڈپٹی صاحب کے گھر چلے گئے۔ ڈپٹی صاحب بھی بڑے نیک آدمی اور فقیر دوست انسان تھے۔ انہوں نے ریشمی مسند پر بیٹھنے کو عرض کیا۔ چنانچہ وہ بیٹھ گئے اتنے میں ایک پولیس سب انسپکٹر جو مقامی پولیس میں کام کرتا تھا۔ کسی کام کو آ گیا۔ ڈپٹی صاحب کے گھر میں ریشمی مسند پر فقیر صاحب کو دیکھ کر بہت برہم ہوا۔ اور ڈپٹی صاحب کو کہنے لگا آپ ایسے لوگوں کو ان ریشمی مسندوں پر بٹھاتے ہیں جو نہایت گندے ہوتے ہیں۔ فقیر صاحب نے جو یہ توہین آمیز کلمات سنے تو مزاج بگڑ گیا۔ لاٹھی ہاتھ میں تھی۔ سب انسپکٹر صاحب کے دو چار رسید کیں اور پھر فرمایا کہ تم لوگ ملازمت کے گھمنڈ میں درویشوں کی توہین کرتے ہو۔ جاؤ ہم نے تمہاری تھانیداری چھین لی ہے اور تم کو حکم دیتے ہیں کہ لکڑیاں بیچا کرو اور یہ بھی ہمارا رحم ہے کہ اس شہر میں لکڑیاں بیچنے کی ابھی اجازت دے دی ہے۔ ورنہ تمہاری گستاخی اس کی بھی حقدار نہیں۔ بس پھر کیا تھا سب انسپکٹر حقیقتاً بیکار و معطل ہو گئے۔ اسی دن علیحدہ کر دیئے گئے اور آج کل لکڑیوں

کے ٹال کو اپنا ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہیں یہ تو ایک واقعہ چشم دید فقیر نے بیان کر دیا ہے۔ایسے ہزاروں واقعات سلاطین زمانہ تک کے خدا کے ان مختار و متصرف بندوں کی تاریخی زندگیوں سے وابستہ ہیں اور لکھوکھا انقلابات زمانہ ان گدڑی پوشوں کی آستینوں میں چھپے ہوئے ہیں۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ارشاد قبلی کا مفہوم یہ ہے کہ میرے مدارج قدیمی صفات الٰہیہ کے ماتحت قدیمی حیثیت رکھتے ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ وجود ظاہری میں آنے سے پہلے بھی مجھے جملہ کمالات حاصل تھے اور اس کی تشریح فقیر نے ایک حدیث شریف کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین کے ماتحت گزشتہ صفحات میں کر دی ہے۔بعض حضرات صوفیاء نے لکھا ہے کہ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو ابو الارواح کہا جاتا ہے۔ پس جلوہ اوّل کے وقت ارواح کو جس قدر کمالات حاصل ہوئے وہ آنحضرت سرور کائنات مفخر موجودات مختار شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت کا نتیجہ تھے۔اور حضور علیہ السلام کو اس وقت بھی تبلیغ کا درجہ حاصل تھا یہی کیفیت بمرتبہ غوثیت و ولایت ان بندگان خدا کی ہے جو جہان ظاہر میں نظام و قیام عالم کے لئے متعین ہیں اور وہ بھی ازل سے ہی برگزیدہ و ممتاز ہوتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت حقیقی تا قیام قیامت انہی حضرات کے لئے مقرر ہو چکی ہے۔

ایخدا ازنام خود نورے بدہ
تابیا بم دولت ازا نوار بہ

نیز قد صفالی سے پایا جاتا ہے کہ حال اور وقت کی پاکیزگی اور صفائی سے مراد اس کا کمال ہوتا ہے اور یہ کمال تعلیم و تعلم۔ ہدایت و اہدا' تحفظ و بقا۔تصرف و فنا کے ہر ایک میدان میں حاوی ہوتا ہے۔ جب یہ درجہ درویش کو حاصل ہو جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ اس کو تمام کمالات مل گئے مگر یہ رتبہ جس ذات شریف اور عنصر لطیف کے لئے ودیعت ہو گا۔ یقیناً آنجناب

رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طفیل اور رحمت سے ہوگا۔ اور گو اس کمال کے حامل اور اولیاء اللہ میں سے بھی بندگان خدا ہو سکتے ہیں اور بوجہ الکمال کسی دوسری ہستی کے لئے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ تاہم سرکار بغداد فیض بنیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ کمال بدرجہ اتم موجود تھا۔ **وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔**

تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میرے کمال کا یہ عالم ہے کہ میں تمام دنیا کے شاہوں اور تمام جہاں کے پناہ گاہوں (اولیاء اللہ) سے ان کمالات میں بہت بلند ہوں اور وہ سب میرے ارادت مند ہیں۔ ملک خدا کا ہے اور بادشاہت میری ہے۔

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

اور یہ بلندی مجھے اس جہان فانی میں کسی طور پر حاصل نہیں ہوئی بلکہ روزِ ازل ہی سے میرے مقدر میں تھی۔ اشعار

گر کسے واللہ بعالم از مئے عرفانی است ازطفیل شاہِ عبد القادر گیلانی است

ہر کہ نامداز رہ او درحریم راز عشق ہمچو سینا راہ نمے یابد کہ ہاں شیطانی است

ہست ہر دم جلوہ گر از چہرہ اش حسن حسن

زاں جمالش مصطفیٰ را راحت ریحانی است

جام بست ودوم

وُسعتِ سرِلامکانی

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللہِ جَمْعًا
کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ

میں تمام ممالک الٰہیہ کو مجموعی طور پر (اپنی ظاہری اور باطنی آنکھ سے) ایسا دیکھتا ہوں جیسے ہتھیلی پر باریک رائی کا دانہ

دیکھتا ہوں کُل خدا کی کائنات
سامنے میرے ہیں پوری شش جہات
ہیں نظر میں میری ایسے سب جہاں
جس طرح رائی کا دانہ بے گماں

اس شعر میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی وسعتِ نگاہ اور بلندی مراتب بارگاہ الٰہ کا ایسا ذکر فرمارہے ہیں۔ جس پر ایک ناشناس انسان اور اس کی بدبین معترض آنکھ فوراً اعتراض کرنے کو تیار ہوجائے گی۔ کہ یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ بلاد اللہ بہت بڑی وسعت رکھتے ہیں اور ایک بشری آنکھ کا ان کو دم زدن میں دیکھنا اور محیط نگاہ سے دیکھنا یہ

محالات سے ہے۔ چونکہ وہ انسانی حقیقت اور بشری فضیلت (یا یوں کہئے کہ اپنی ہی حیثیت سے) واقفیت نہیں رکھتے۔ اس لئے محالات کے سوا ان کو کوئی راہ ہی نہیں ملتی۔ شیر کا بچہ بکریوں کے گلہ میں پل کر خود بھی بکری کہلانے لگ جاتا ہے۔ اور اپنی اسدی طاقتوں کے استعمال سے واقف تک نہیں رہتا۔ یہی حال اس حیوان ناطق یا نام نہاد انسان کا ہے جو ان کیفیتوں سے بے خبر ہے۔

وہ فریب خور وہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی

جس کیلئے قرآن پاک میں چار چیزوں کی قسم کھا کر انسانی شرافت و بزرگی اور فضیلت و تقدیس کا ذکر فرمایا گیا ہے اور ان الفاظ میں کہ ہمیں انجیر کے درخت کی قسم ہے جس نے جنت میں ننگے آدم کو پردہ دیا اور زیتون کے درخت کی قسم ہے جس سے جہاں کی تاریکیاں روشنی سے بدل جاتی ہیں۔ اور طور سینا کی قسم ہے جس کے ذرے ذرے کے ساتھ بنی اسرائیل کی تاریخ وابستہ ہے۔ اور اپنے محبوب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امن والے شہر کی قسم ہے جو ہمیشہ سے توحید کی روشنی میں امن وسلامتی کا حامل رہا۔ انسان کو ہم نے صورت و سیرت، فضیلت وشہادت میں تمام کائنات سے نہایت بہتر پیدا فرمایا ہے ان شہادتوں کے باوجود یہ کمبخت انقلابات زمانہ سے متاثر ہو کر ایسا پستی پسند ہو جائے کہ اس کو عروج کے تصور اور خودی کی حقیقت کو زبان پر لاتے ہوئے ڈر لگتا ہو۔ تو پھر اس گئے گزرے اور بناوٹی توحید پرست کی اس روحانی موت کا کوئی علاج نہیں اور اسی کے لئے حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام ممالک الہیہ میری نگاہ حقیقت میں ہیں یا میری ہمت بلند کے مقابلہ میں ایک رائی کے دانہ سے زیادہ وسعت نہیں رکھتے اور میں جب ان کا مطالعہ کرنا چاہوں تو میری چشم حق شناس ان کو رائی کے دانہ سے زیادہ وقعت نہیں دیتی یا ساری کائنات پر جب بحیثیت مجموعی نظر ڈالوں تو رائی کے دانہ کے برابر دکھائی دیتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بندگان خدا کی نگاہ میں تمام مقداریں چھوٹی دکھائی دیتی ہیں کیونکہ انہوں نے اس کا مطالعہ کیا ہوتا ہے جو سب سے بڑا ہے۔ مثالیہ طور پر یوں سمجھئے کہ حضور علیہ السلام نے شب معراج جنت میں اپنے آگے اردل میں حضرت بلال رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی آواز و آہٹ سنی۔ جنت کی حوروں میں سے کسی بلند مرتبہ حور نے گزارش خدمت کی کہ اپنی رحمتہ اللعالمینی کا صدقہ کوئی انعام مجھے بھی عطا ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن تجھے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے کیا جائے گا۔ چونکہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف سے وہ بھی واقف تھی کہ وہ کالا کلوٹا۔ موٹے موٹے ہونٹوں والا ایک حبشی نوجوان ہے۔ اس نے سرکار کے اس فیصلہ پر ناک بھوں چڑھایا۔ حضور نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تو کس حسن پر نازاں ہے یہ انتخاب بھی میں نے کر دیا ہے۔ ممکن ہے وہ نور خدا کا دیکھنے والا تیری جانب دھیان بھی کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ اس بے پناہ حسن حقیقی کے مقابلہ میں تیرا حسن کوئی چیز نہیں۔

حقیقت میں وہ آنکھ جس نے ذات و صفات الٰہی کے انوار کو رقصاں دیکھا ہو۔ وہ باقی کائنات کو کب پلے باندھتی ہے اور ایسی آنکھ اسی ذات کے پردے میں پردہ پوش ہو کر کائنات و ممالک الٰہیہ کی دید کا تحقیر سے دعویٰ کرے۔ تو کوئی بعید از قیاس بات نہیں یہ اس کو حق پہنچتا ہے کیونکہ بزرگان دین نے فرمایا ہے۔ **فالکمال هو ظهور الحق بصورة المتجلی له واذلیس وراه الا العدم المحض فلاتتعب نفسک فی ان ترقی اعلیٰ من هذاه**۔ یعنی کمال سالک وہ ہے کہ خدا اس کی نظر میں اسی کی صورت میں ظاہر ہو یعنی خدا کے ظہور کو خود میں دیکھے اور اس کے پرے سوائے عدم محض کے اور کچھ نہیں۔ پس اس سے بلند تر مقام پر پہنچنے اور ترقی کرنے کے لئے اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالے اور شیخ نے خصوص میں فرمایا ہے کہ اگر تو حقیقت پر نظر کرے تو تو عین حق ہے اور اگر اپنے تعینات پر غور کرے تو غیر حق ہے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ تجلیات الٰہی چار قسم پر ہیں جن کی تفصیل یوں ہے کہ

اوّل: علمی عینی تجلی جس کے ذریعے صور علمیہ ظاہر ہوتے ہیں۔

دوم: وجودی تجلی جس سے خارجی اشیاء کے حقائق ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

سوم: شہودی تجلی جو اہل شہود پر ظاہر ہوتی ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ سالک کی نظر شہود سے لباس غیرت دور ہو جائے اور اشیائے خارجی کو اسی کی تجلی سے دیکھے اور غیر حق

اس کی نظر میں نہ رہے۔ دوسری یہ کہ خداوند عالم مثال میں جلوہ گر ہو۔ مطلق مقید کے ساتھ تمام موجودات کی صورتوں میں یا انوار کی صورتوں میں یا معانی ذوقیہ کے لباس میں یا معانی اور صورتوں کے سوا کسی دیگر مرتبہ میں جو اس کا مظہر ہو۔ جلوہ گر ہو جس کو تجلیات ذاتیہ بھی کہتے ہیں تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کو محو اور تمام چیزوں کو سالک کی نظر میں مضمحل کر دیتا ہے۔

چہارم: اعتقادی تجلی ہے جو اصحاب فضل کے مقیدہ اعتقادات کی صورتوں کی تقلید کے فکر سے حاصل ہوتی ہے۔

نیز ان تجلیات سے جب درویش پر فنا وارد ہو۔ تو وہ بھی دو قسم سے ہوتی ہے۔ ایک علمی فنا ہے کہ سالک کے ادراک اور علم میں غیر حق معلوم ہوتا ہے اور خدا کی ذات و صفات کے تمام مظاہر نظر آتے ہیں دوسری حقیقی فنا جس سے مراد یہ ہے کہ سالک کی تمام صفات فی الجملہ مٹ جائیں اور بجائے اس کے صفات حق ظہور پذیر ہوں۔ یعنی یہ صفات جو حقیقی صفتوں کے انعکاس کے محل تھے بعض شرائط و قیود سے ان میں ایسی وسعت پیدا ہو کہ قیود ان سے رفع ہو جائیں اور اخلاق کے درجہ پر پہنچ کر اصل کی طرح بن جائیں جیسا کہ بشری بینائی مشروط بمقابلہ دیکھے اور ان دیکھے قرب اور روشنی کے ذریعہ آنکھوں سے مخصوص ہے نہ کہ کسی اور عضو سے۔ مگر خداوند کریم جل مجدہ کی بینائی مطلق ہے جو کسی شرط سے مشروط نہیں اور نہ کسی عضو سے مقید۔ بلکہ ہر حال میں رویت اس کے ساتھ ہے ویسے ہی انسانی سماعت بہت سی باتوں پر موقوف ہے بخلاف سمع الٰہی کے اور اسی طرح فعلیہ صفات سے مثلاً مارنا' جلانا وغیرہ وغیرہ سالک میں ظاہر ہوتا ہے اور امورات میں متصرف ہو جاتا ہے۔

رزقنا اللہ تعالیٰ وجمیع الطالبین.

امید ہے کہ اس بحث سے قارئین اس نتیجہ پر ضرور پہنچ چکے ہوں گے کہ وہ آنکھ جس کا ذکر حضور سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کیونکہ حاصل ہوتی ہے اور اس کا ہونا بقول معترض ممکن ہے بھی یا نہیں۔ مزید تفہیم تشریح میں ہوتی جائے گی۔

اس شعر میں آپ کا یہ فرمانا۔ کہ یہ تمام ممالک الٰہیہ میرے مطالعہ میں ایسے ہیں جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ۔ یہ معنی رکھتا ہے کہ اولیاء اللہ کی آنکھ قدسی نور سے منور ہوتی ہے اور وہ نور حقیقی تمام کائنات کو محیط ہوتا ہے جس کے باعث تمام جہاں کا چشم زدن میں مطالعہ کر لینا

کوئی بے معنی شے نہیں ہو سکتی۔

نیز ہر چیز کا حقیر نظر آنا کچھ دیکھنے والے کی بلندی اور بے نیازی کی دلیل بھی ہو سکتا ہے اگر آج مادی اسباب سے قمر مریخ کا مطالعہ بیک آلہ کیا جا سکتا ہے تو کوئی معنی نہیں کہ انوار الٰہی کے ذریعہ دیکھنے والے کو معذور گردانا جائے ایک اور بات جو بڑی غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ دیکھنے والی ہستی اگر اس دعوے کی مدعی ہے کہ تمام کائنات میری نظر میں رائی کے دانے کی طرح اور خود بھی اسی رائی کے دانے کے اندر ہے تو پھر تو وہ رائی کے دانے کا مطالعہ باہر سے نہیں کر سکتی اور نہ اس کی نگاہ اس کو محیط ہو سکتی ہے پھر لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ہستی جس کی نگاہ ممالک الٰہیہ کو محیط ہے۔ خود اس معمورہ کے اندر نہیں۔ اور ایسے مقام پر ہے جو اس سے خارج اور بلند ہے جب ہی تو اس کائنات کا مطالعہ بیک نظر کر رہی ہے اور وہ مقام وہی ہے جہاں کی آواز کے لئے حلق اس کا ہوتا ہے اور آواز رب العزت کی ہوتی ہے کان اس کے ہوتے ہیں سماعت مالک الملک کی کام کرتی ہے۔ آنکھیں اس کی ہوتی ہیں اور بینائی اسی بصیر کی اور بینائی بھی وہ جو کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں جس کی تشریح کسی گزشتہ باب میں بھی کی جا چکی ہے۔ جب ایسی کیفیات کا ورود ممکن ہے اور عمل ثابت کرتا ہے کہ ممکن ہے تو پھر اعتراض کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے ہاں جن کے لئے بات بات میں ناممکنیت جزو ایمان بن چکی ہو۔ ان کے لئے اس کیفیت کا پایا جانا حقیقتاً ناممکن ہوگا کیونکہ جس چیز کو انسان ناممکن سمجھے اس کے حصول کے لئے قدم نہیں اٹھاتا۔ شعر

جن کے لئے ہو خضر بھی ناکام راہنما

ان کی سیاہ بختی کا دارو ہے کیا بھلا

نیز اس شعر کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی نگاہ اس بلند مقام محمود پر ہے جہاں سے یہ جہان ایک حقیر سی شے ایک علیحدہ پہلو پر نظر آتی ہو۔

یا یہ کہ قل متاع الدنیا قلیل کا نتیجہ اور اشارہ مراد ہو۔ کیونکہ عارفان باللہ کی بقاباللہ شناس نگاہ میں دنیا و اسباب دنیا کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تمام دنیا سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک زاویہ کے مانند دکھلائی گئی تھی۔ جس طرح پہاڑ کی بلندی سے پہاڑ کے اردگرد کے مناظر دیکھنے والا بیک نظر دیکھ رہا

ہو۔ اسی طرح اہل اللہ اور خاصانِ خدا بھی میدان معرفت کی دوررس نگاہ میں کون و مکان کے جلووں پر قدرت رویت رکھتے ہیں۔

بعض صوفیاء نے اس شعر سے مریدان باصفا کی طمانیت کا اشارہ مراد لیا ہے کہ کوئی مرید دربار سے دوری کا غم نہ کھائے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک دوری اور نزدیکی۔ قرب و بعد یکساں ہیں تم کہیں بھی ہو ہماری توجہ کے انوار تم پر ہر جگہ چمکتے رہیں گے یا ہم ہر مقام پر تمہارے نگران حال ہیں۔ اور تمہاری ہر حرکت مجاہدہ و ریاضت یا شرارت نفس کو دیکھ رہے ہیں یہ نہ سمجھنا کہ شیخ کامل کو ہماری پس پردہ حرکات کا علم نہیں ہوتا۔ لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کیفیت مکانی و زمانی کا علم حضرت یعقوب علیہ السلام کو اسی طرح ہونا ثابت کیا گیا ہے جیسے کہ حضور دیکھ رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا ایک نقطہ کی مانند ہے۔ پس اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک نقطہ اگر کسی انسان کے آگے بنا دیا جائے تو اس کی آنکھ کو اس کے مکمل طور پر بیک نگاہ مطالعہ کرنے سے کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے۔

صوفیاء کرام نے فرمایا ہے کہ کسی دور دراز شے کا مطالعہ تو درکنار رہا۔ ایک ولی کامل کو طاقت ہے کہ اپنی مقامی صورتوں کو مختلف جگہوں میں بیک وقت ظاہر کر سکتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھا ہوتا ہے جب یہ کام اس کے لئے عملی طور پر ہر جگہ میں کر رکھانا ممکن ہے تو محض مطالعہ کائنات کوئی ناممکنات سے نہیں سب دنیا اس کی صفتوں میں خدا کی تجلیات کے سبب سے ظاہر ہوتی ہے اور خدا کی صفتیں اس میں مضمر ہو جاتی ہیں۔ پھر انہی کے ماتحت اس حقیقت میں شناس نگاہ کو رویت بلاد اللہ میں بمنزلہ دانہ خردل کونسا استحالہ لازم آئے گا۔ کیونکہ جب سالک کی نظر میں خدا کے سوا اور کچھ رہتا ہی نہیں اور خداوند عالم اپنے بندے کو اپنی ذات میں فنا کر کے اپنے آپ میں زندہ فرما دیتا ہے تو سوائے خدا کے اور سب کچھ سالک کی نظر سے محو ہو جاتا ہے اور سالک جو دیکھتا ہے۔ اسی کے نور کی تجلیات کے کرشمے ہوتے ہیں۔ شعر

چند گویم فہم من مسکیں نگہ　　　اے برادر ایں بود اسرار شاہ

درد ہا را دا روئے از نام پیر
ہر طرف صد مست گشت از جام پیر

جام بست وسوم

درسِ قرآنی

درست العلم حتّٰی صرتُ قطبًا ونلتُ السعد من مولی الموالی

میں نے علم ظاہری و باطنی کا درس یہاں تک لیا اور دیا کہ میں قطب ہوگیا اور اس درس وتدریس سے مجھ پر نیک بختی کا راز ظاہر ہوگیا اور میں رب العزت کی مدد سے منزل سعادت پا گیا۔

درس اور تدریسِ علم دین نے
معرفت ربّی کے اس آئین نے
اس قدر درجے کیے مجھ کو عطا
غوث میں سارے جہاں کا ہو گیا

بلحاظ عمر انسانی زندگی کے تین حصے ہوتے ہیں۔ طفولیت۔ کہولت۔ شیخوخیت یعنی بچپن۔ جوانی اور بڑھاپا۔ پھر ان تینوں زمانوں کی حرکات وکیفیات جداگانہ ہوتی ہیں بچپن کا عمل کچھ ہوتا ہے جوانی کا کچھ اور بڑھاپے کا کچھ۔ گویا تینوں حالتوں میں انسان پر ایک ایسا نیا رنگ آتا ہے جو پہلے سے بالکل الگ تھلگ ہوتا ہے۔

طفلی

بے تمیزی اور محتاجی کے عالم میں بسر ہوئی۔ کسی نے جو کھلایا سو کھایا۔ جو پہنایا سو پہنا۔ گود ہو یا راہگذر، چارپائی ہو یا زمین۔ جہاں نیند آ گئی سو گئے۔ جاگے تو باقی وقت کھیل کود میں گزار دیا۔ نہ اتنا ہوش کر برا بھلا سمجھتے۔ نہ اتنی فرصت کہ نیکی و بدی میں تمیز کر سکتے۔ بے راہ روی شعار اور لہو ولعب پہ مدار رہا۔

جوانی

دیوانی تو مشہور ہی ہے۔ اپنی دیوانگی کے باعث بالکل جذبات کی پریشانی میں گزری۔ اس کے نشہ نے اجازت نہ دی۔ کہ زمانہ کے نشیب و فراز سے تجربہ حاصل کرتے۔ یہی سمجھا کہ ایسے ہی ہیں اور ایسے ہی رہیں گے۔ انجام سے ہمیشہ بے خبر رہے۔

پیری (بڑھاپا)

اس نے جوانی کی بے اعتدالیوں کے باعث وقت سے پہلے آ دبایا۔ قوت گھٹی۔ ضعف بڑھا امید زندگی منقطع ہوئی۔ وہ بے وفا جو اس جن کے مزے کے لئے جوانی کھوئی کج ادائی کرنے لگے۔ بینائی نے آنکھ چرائی۔ سفید و سیاہ کی تمیز نہ رہی۔ قوت شامہ بھی نکتوڑے کرنے لگی۔ خوشبو بدبو دونوں یکساں ہوگئیں۔ قوت سامعہ نے بھی آنا کانی سے کام لینا شروع کیا۔ اچھی بری بات برابر ہوگئی۔ تعریف کرنے والے سے لڑائی اور منہ چڑانے والے سے پیار ہونے لگا۔ قوتِ لامسہ بھی ایسی بے حس ہوگئی کہ سختی نرمی محسوس ہی نہیں ہوتی۔ ہاضمہ میں کمی۔ صحت میں فرق۔ قویٰ مضمحل اور ہوش مختل ہوئے۔ دماغ معطل اور ازکار رفتہ ہوگیا۔ عقل میں فتور اور نسیان کا بڑھاؤ لازم آیا اعضاء جواب دے گئے کوئی پابند حکم نہ رہا۔ ہاتھ رعشہ سے کانپتے ہیں تو پاؤں ضعف سے لڑکھڑاتے ہیں۔ چہرہ پر جھریاں پڑ گئیں اور تیر سا سیدھا قد کمان ہوکر رہ گیا۔ بیشمار امنگیں دل میں اٹھیں۔ مگر ضعف کے سبب کوئی پوری نہ ہوئی۔ شعر

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی   ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی

جو آ کے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا　　　اور جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

مزاج اور بھی چڑ چڑا ہو گیا۔ غصہ بڑھا۔ زبان کھلی' اپنوں پرایوں کو اجیرن ہوا۔ اس درماندگی میں زندگانی وبال جان ہو گئی۔ عمر ضائع سعی باطل راہ دور

جس طرح ظاہری زندگی کے یہ تین زمانے ہیں اسی طرح باطنی زندگی بھی اس تقسیم کی حامل ہوتی ہے اور درویش پر بھی تین قسم کے اوقات و اعمال کا ظہور ہوتا ہے۔ شروع شروع میں دعوت اسماء الٰہی اور وظائف لسانی میں مشغول ہوتا ہے اور وسط عمر میں سلوک اور اشغال باطنی میں شاغل نظر آتا ہے اور آخر عمر میں پورے استغراق اور محویت میں محظوظ رہتا ہے۔ یہی کیفیت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تھی۔ چنانچہ اس شعر میں آپ اپنے پہلے وقت کی حقیقت بیان فرما رہے ہیں۔ جب وظیفہء لسانی یعنی علم ظاہر پڑھایا یا علم باطن کے حصول میں بسم اللہ کی تو فرمایا میں نے علم ظاہری و باطنی یہاں تک پڑھا اور پڑھایا کہ میں قطب ہو گیا۔ اور اپنے مولا کریم کی مدد سے منزل سعادت کو پہنچا۔

اس ارشاد حضور سے معلوم ہوتا ہے کہ اس راہ میں بھی علم ایک نہایت ضروری چیز ہے جو باطنی منازل کے طے کرنے میں مشعل راہ کا کام دیتی ہے اور اس کے بغیر اندیشہ ہوتا ہے کہ مبتدی بغیر علم کے خطرات نفسانیہ اور وساوس شیطانیہ میں قابو نہ آ جائے۔ گنجینہ دل علم ہی کا نتیجہ ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ ہر طالب کو چاہیے کہ پہلے علم حاصل کرے پھر دولت فقر کی تلاش میں نکلے۔ ورنہ جہالت سے گمراہ ہو جائے گا۔ شعر

علم را آموز اوّل بعد ازاں اینجا بیا

جاہلاں راپیش حضرت حق تعالٰی جائے نیست

اسی لئے سرکار انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة**. یعنی علم کا طلب کرنا۔ ہر ایک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے کیونکہ علم بمنزلہ دودھ کے ہے اور معرفت بمنزلہ مکھن کے۔ جس طرح دودھ سے

مکھن نکالا جاتا ہے۔ اسی طرح علم سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ جس طرح بغیر دودھ کے مکھن نہیں پا سکتے۔ اسی طرح بغیر علم کے معرفت الٰہی محال ہے حضرت مولانا روم فرماتے ہیں۔ شعر

علم باطن ہمچوں مسکہ علم ظاہر ہمچوں شیر
کے بود بے شیر مسکہ کے بود بے پیر پیر

مثنوی شریف میں ذکر آیا ہے کہ جاہل درویش خود نامرد اور مردوں کا راہزن ہوتا ہے اور حضرت سلطان العارفین باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بغیر علم کے فقیری کرنے والا اپنی راہ میں اس قدر خطرات رکھتا ہے کہ اندیشہ ہے کافر اور دیوانہ ہو کر نہ مر جائے کیونکہ بغیر علم کے وساوس شیطانیہ و خطرات نفسانیہ پر واقف نہیں ہو سکتا۔ مثلاً حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نجد کے پہاڑوں میں مشغول مجاہدہ تھا۔ کہ ایک رات کو میں نے دیکھا کہ آناً فاناً وہ تاریک غار جس میں بیٹھا ہوا تھا روشن ہو گئی اور میرے سامنے ایک مرصع تخت مطلع انوار بنا ہوا غار میں آ گیا۔ ایک ساعت کے بعد اس پر سے آواز آئی کہ اے معین الدین ہم نے تیری ریاضت و ہدایت کو قبول کر کے تجھ سے تکلفات شرعیہ اٹھا دیئے ہیں۔ نماز، روزہ، حج و نوافل سب کچھ معاف کر دیا ہے۔ لہٰذا تم اس قدر مجاہدہ نہ کیا کرو۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں بہت حیران ہوا کہ یہ آواز مجھ سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضرت غوث الاعظم تک کسی بزرگ کو نہ آئی۔ یہ رعایت اور نوازش مجھ پر کیوں ہے۔ کہ تکلفات شرعیہ اور فرائض دینیہ معاف ہو رہے ہیں۔ میں ابھی حیرت میں ہی تھا کہ معاً میرے شیخ حضرت قبلہ سیدنا عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ میرے کان پر پہنچا اور فرمایا کہ خبردار یہ انوار الٰہی نہیں ہیں بلکہ وسوسہ ابلیسی ہے اور وہ آج مطلوب کے رنگ میں تمہارے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے آیا ہے۔ لاحول کی کسوٹی تمہارے پاس ہے۔ پڑھ کر دیکھ لو اور پرکھ لو۔ اگر یہ نقشہ قائم رہ گیا تو انوار رحمانی ہوں گے۔ ورنہ فتنہ شیطانی ہو گا آپ فرماتے ہیں میں نے

ایسا کیا۔ تو وہ تمام اجالا دور ہو گیا اور غار تاریک تر ہو گئی۔ اس سے آپ نے یہی نتیجہ نکالا کہ اگر علم نہ ہوتا تو ایسی آواز پر نعوذ باللہ من ذالک گمراہی کا ڈر تھا جیسا کہ فی زمانہ برہمن کی تعلیم سے متاثر اکثر جاہل فقیروں کو دیکھا جاتا ہے جو اپنی جہالت ولاعلمی کے باعث اس فریب میں پھنسے ہوئے نظر آتے ہیں اسی کے متعلق حضرت سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔ شعر

میا موز جز علم گر عاقلی
کہ بے علم نودن بود غافلی

علم اور اہل علم کے اس قدر فضائل بیان ہوئے ہیں جن کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں۔ اگر لکھنا شروع کر دیا جائے تو ایک ضخیم کتاب علیحدہ تیار ہو جائے۔ غور تو فرمائیے کہ قرآن کریم کے بیان کے علاوہ دو سو چودہ حدیثیں حضور علیہ السلام نے علم اور اہل علم کی شان میں بیان فرمائی ہیں اور ایک حدیث شریف میں تو یوں وضاحت فرمائی گئی ہے۔ کہ **فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنیٰ کم**۔ یعنی ایک عالم ربانی کی فضیلت ایک محض عابد۔ صائم وقائم پر ایسی ہے جیسے کہ میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ صحابی پر۔ اس فضیلت کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ جس طرح عشق باعث وصال ہے اسی طرح علم بھی سبب حصول ولایت وقطبیت ہے اور کوئی شخص سوائے علم کے مرتبہ عرفان حقیقی کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ عرفان کی پہلی منزل علم ہے سیدنا آدم علیہ السلام کی فضیلت وشرافت ملائکہ نوری پر علم سے ثبت ہوتی ہے اور ہد ہد جیسا ڈیڑھ تولے کا جانور حضرت سلیمان علیہ السلام پر علم ہی سے ڈینگیں مارتا ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوگا کہ اس علم سے کونسا علم مراد ہے جس کا حاصل کرنا بمرتبہ قطبیت فائز فرما دیتا ہے تحقیق اولہ اور قرآن کریم کے تدبر و مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علم سے مراد علم ظاہری شرعی ہے جس کے واسطے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ **اطلبوا العلم ولو کان بالصین**۔ یعنی علم کی طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔ بعض بزرگان دین

نے یہ بھی لکھا ہے کہ علم اس قدر حاصل کرنا فرض ہے جس سے عمل درست ہو۔ کیونکہ اللہ کریم نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو بے فائدہ علم سیکھتے ہیں۔ ویتعلمون ما یضرھم ولا ینفعھم ۔ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اعوذ باللہ من علم لا ینفع یعنی بے منفعت سے مجھے خدا پناہ دے۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ علم با عمل نہ ہو تو عبادت بلا فقہ کرنے والا آدمی اس گدھے کی مانند ہے جو خراس میں جتا ہوا ہو۔ کیونکہ وہ جتنا چلتا ہے۔ اخیر تک اسی منزل پر رہتا ہے۔ جہاں سے چلا تھا۔ حضرت قبلہ سرتاج اولیاء غوث زمان داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم کو خدا نے ایسے زمانے میں پیدا کیا ہے جس میں لوگوں نے حرص اور لالچ کا نام شریعت۔ تکبر و جاہ ریاست کا نام علم۔ ریائے خلق کا نام خوف الٰہی۔ دل میں بغض اور کینہ رکھنے کا نام حلم۔ کمینگی کا نام عطا۔ نفاق کا زہد۔ خواہش کا ارادت۔ بکواس کا معرفت۔ نفسانیت کا محبت۔ وسوسہ کا علت مشائخی۔ بے دینی کا فقر۔ انکار عمد کا صفائی۔ انکار کا فنائی اللہ۔ ترک شریعت کا طریقت اور اہل زمانہ کی آفت کا نام معاملہ رکھا ہے اس لئے حق بین لوگ الگ ہو گئے ہیں اور ان دوسروں نے غلبہ پالیا ہے اگر یہ علم نہ ہو تو انسان تہذیب کے دائرہ میں زندگی گزارنے کا بھی اہل نہیں ہوتا۔ معرفت الٰہی کا میدان تو وراء الورا ہے اس جہان ظاہر میں ہی اس کی زندگی ایک وحشیانہ اور مجنونانہ زندگی بن جاتی ہے اور۔

بے علم نتواں خدارا شناخت

کا فتوٰی مزید براں ہے۔ کیونکہ ظاہری علم کی درس و تدریس میں جو مجاہدہ ہے اگر عالم دین کی نیت اس تعلیم و تعلم سے محض للّٰہی ہو۔ اور اس اپنے علم کو وصول الی اللہ کا وسیلہ بنائے تو اللہ کے حکم سے مرتبۂ ولایت اور درجۂ قطبیت اس سے دور نہیں ہوتا اور اس کو تمام بڑے بڑے مراتب و مطالب حاصل ہو سکتے ہیں۔ کیا لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جس قدر فرزندان توحید کی اولوالعزم ہستیاں مثلاً حضرت غوث الاعظم بغدادی۔ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری۔ حضرت شیخ الشیوخ سہروردی۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ سرہندی حضرت گنج بخش

ہجویری۔ حضرت غوث وقت ملتانی رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے علاوہ بے شمار قابل قدر و قابل ذکر شخصیتیں گزری ہیں سب کی سب علم ظاہری کی حامل آراستہ اور علم شرع میں کامل و پیراستہ تھیں۔ انہی لوگوں کی یہ برکت ہے کہ ان کی عالی قدر علمی تصانیف کا ذخیرہ اور ان کے عملی نشانات و اماکن مقدسہ کی یادگاریں آج بھی عوام الناس میں شمع ہدایت اور خضر راہ بن کر کام کر رہی ہیں اگر وہ بھی موجودہ ملنگوں اور بادیہ نشینوں رہبانیت پسندوں کی طرح جاہل ہوتے تو ان کی بڑی بڑی تصانیف ہمیں موجب رشد و ہدایت ہو کر ان کی زندگیوں کو ہمارے سامنے زندہ جاوید نہ رکھتیں۔

اگر علم اور اہل علم کی بلندیٔ شان کو کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی میں دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ معرفت الٰہی کا مستحق ہونا حقیقتاً انہی حضرات کو پہنچتا ہے جو عالم ربانی ہیں۔ اور علم ہی ایک وہ شے ہے جس سے انسان رازدار الٰہی اور سرفراز جہانی ہوسکتا ہے اس کا ایک ایک عمل بشرطیکہ ریاکاری سے پاک ہو وہ حیثیت رکھتا ہے کہ دنیا و مافیہا اس کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتیں۔ مثلاً

حضرت ختمی مرتبت علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مسئلہ شرعی سکھانے کا ثواب اس درجہ حقیقت رکھتا ہے کہ اگر زمین و آسمان کے فرشتے ہزار سال بھی اس کا ثواب قلمبند کرتے رہیں تو بھی نہ لکھ سکیں۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ان علمائے ربانی کی دواتوں کی سیاہی قیامت کو خون شہداء کے ساتھ تولی جائے گی۔ پھر فرمایا۔ ملائکہ آسمانوں میں۔ پرند ہوا میں۔ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں دریاؤں میں علماء کے لئے دعا کرتی ہیں۔

سبحان اللہ۔ اس شعر میں حضور نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ اہل اللہ کے اشغال میں سے ایک شغل علم کتاب اللہ کا درس اور شرع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تدریس بھی ہے، ہر پیر طریقت کے لئے لازم ہے کہ مدارج علوم کی حفاظت و محاصلت کے لئے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھے۔ کیونکہ یہ نفس کی لگام ہے جس نے اس مجاہدہ میں قدم رکھا

اور غیر ریا کارانہ صورت میں اعلائے کلمتہ الحق کیا وہ مراتب ولایت کا مستحق بنا۔ اور بعض مقامات مبین میں بندگان خدا سے جو علم کے متعلق مخالفانہ الفاظ مرقوم ہیں۔ مثلاً لَیسَ لِصَاحِبِ الْعِلْمِ عِنْدِیْ سَبِیْل''۔ یَا الْعِلْمُ حِجَابِ الْاَکْبَر ۔فرمایا ہے۔اس سے علم غرور وعجب، علم خود پسندی ورعونت یا وہ علم جس سے ہمچو ما دیگرے نیست کے سوا کچھ یاد ہی نہ ہو اور ہر لحظہ انا خیر منہ کی مالا جپنی پڑے۔ مراد ہے۔

شیخ بوعلیؒ سینا لکھتے ہیں کہ جس طرح بڑی عمر والے لوگ چھوٹے بچوں کے کھیل کھلار پر ہنستے ہیں کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔ اسی طرح اہل اللہ علماء سو کی حرکتوں پر ہنسا کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک زندگی کا مقصد کیا ہے اور نہیں جانتے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ شعر

علم را برتن زنی مارے بود
علم را بردل زنی یارے بود

حضرت سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ۔

کوش تادل زندہ گرد وتن چہ آرائی برنگ
مردہ را سودے ندار دگور بانقش و نگار

یا اس علم سے مراد وہ دانش ہے جو کہ حصول کمالات کے بعد بھی سالک کے دل میں باقی رہ جاتی ہے اور جب تک بقول حافظ شیرازیؒ کہ ''طالب رازیاں دارد مقالات خردمندی'' باقی رہتی ہے۔ اس کی منزل میں حجاب ہوتی ہے اور سالک اپنے کمالات سے ناواقف رہ جاتا ہے۔

اور ہو سکتا ہے کہ جناب غوثیت مآب کے اس ارشاد میں علم لدنی مراد ہو جس سے درویش پہلے درجہ سے ہی دعوت شروع کر دیتا ہو۔ جیسا کہ آپ کے اپنے عمل سے ثابت ہے کہ آپ نے رہزنوں کو توبہ کی منزل دکھائی اور پہلی ہی کیفیت میں ان کو اپنا ارادت مند بنا لیا۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ مرشد اگرچہ خود ابھی تحصیل میں مصروف ہو اور حصول کمالات سے فارغ نہ ہوا ہو۔ جائز ہے کہ وہ مبتدیوں کو ہدایت کرے اور جس قدر

خود ترقی کرتا جائے ساتھ ساتھ ارادت مندوں کو بھی چلاتا رہے اور یہ عین صواب ہے کیونکہ اس اتنے کام کے لئے تکمیل علم شرط نہیں اور بعض صوفیاء کرام نے لکھا ہے کہ علم سے مراد اس شعر میں علم عبادات و معاملات ہے اور یہ حاصل نہیں ہوتا جب تک علم قرآن و حدیث اور تفسیر و فقہ سے بہرہ نہ ہو۔

اور نلت السعد میں یہ رمز ہے کہ ہر علم کے حصول کے لئے ایک ملکہ ہوتا ہے جو ایک ظاہری علم کی ڈگری پانے والے کو تعلیم میں یا ایک اولالعزم درویش کو منازل حقیقت میں حاصل ہوتا ہے۔ پھر مولی الموال فرما کر یہ ثابت کیا۔ کہ تدریس و درس علم سے بلا واسطہ کسی کے ذات رب العزت سے واصل ہوا اور اگر اس سے مراد سرکار انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لئے جائیں تو بھی درست ہوگا اور اگر مولی الموال سے مراد مولا کریم اور نبی کریم دونوں لئے جائیں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے۔ لا منته لِاَحَدٍ علی بعد اللہ و رسولہ ۔ سبحان اللہ یہ کتنا بڑا مجاہدہ ہے جو بلا واسطہ ایک انتہائی منزل پر پہنچا دیتا ہے ایک عارف باللہ اس مضمون کو یوں ادا فرماتے ہیں۔ اشعار

علم آں علم است از و دیدار یار — حاصل آید اے برادر یاد دار
علم باید تا غبار دل رود — نور حق درجان شاگرداں درد

تا توانی علم ہوا را یاد گیر
از طفیل شاہِ محی الدین پیر

اے طالبِ حق۔ حصول علم دین میں قدم اٹھا۔ کیونکہ اس کے انوار سے عقبیٰ کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ وہ علم ہی کیا ہے جس سے دیدار یار نہ پائے۔ دنیا کی قلیل متاع سے ہاتھ اٹھا اور اس میدان علم میں آ۔ علم دنیا کے لئے شرف اور آخرت کے لئے زینت ہے۔ معرفت الٰہی اور خودشناسی و خداشناسی کے لئے ہر بے علم جو زہد اختیار کرتا ہے وہ کفر کے گڑھے میں گرتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھ۔ کہ علم بجائے خود منزل مقصود پر پہنچاتا اور بمرتبہ قطبیت فائز فرما دیتا ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ نتیجہ علم فضل وکرم ایزدی پر ہے۔ محض الفاظ کا حصول اور سیاہی کا حلول انسان کو کامیاب نہیں کرسکتا۔ بے شمار اسی سے ہدایت یافتہ اور لاتعداد اسی سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔

دعویٰ لاثانی

فَمَنْ فِیْ اَوْلِیَآءِ اللّٰہِ مِثْلِیْ
وَمَنْ فِی الْعِلْمِ وَالتَّصْرِیْفِ حَالِیْ

گروہِ اولیاء اللہ میں میری مانند کون ہے۔ جو علم اور حال کے بدلنے میں میری برابری کر سکے۔

کس کو میری ہمسری کا ہو خیال
اولیاء میں جب نہیں میری مثال
کون ہے جو علم میں تعریف میں
ہو مقابل حال میں تصریف میں

یہ شعر اکثر قصائد میں نہیں ہے۔ فقیر نے کتاب اوراد اویسیہ مصنفہ صوفی عبدالکریم صاحب اویسی سے لیا ہے۔ لہٰذا اس کی صحت کے وہ ذمہ دار ہیں کہ الفاظ یہی صحیح ہیں یا نہیں۔ کیونکہ فقیر نے ایک اور بزرگ سے بھی معلوم کیا۔ تو انہوں نے اسی شعر کو الفاظ کی ذرا سی تبدیلی کے ساتھ پڑھا اور فرمایا کہ اس میں کلام نہیں کہ یہ شعر قصیدہ شریف ہی کا

ہے اور وزن مفہوم۔ الفاظ۔ ترکیب بندش باقی اشعار کی طرح ہی فصیحانہ اور چست ہے لیکن بعض لاعلم درویش اس کو موضوع سمجھتے ہیں۔

بہرحال اس شعر میں جس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے وہ کسی بے جا تعلّی اور بے معنی تفوق پر محمول نہیں ہے بلکہ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علومرتبت اس دعویٰ میں قطعاً حق بجانب ہے اور گزشتہ اشعار بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

آخر حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اس نانا بزرگوار صاحب لولاک متصرف افلاک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہی نواسے ہیں۔ جنہوں نے ایکم مثلی فرما کر دنیا بھر کے اشتباہ مماثلث کو مٹا دیا تھا اور انی لست کھئیتکم کے ارشاد سے ہیچو مائیوں اور ہیچو مثلیوں کے دانت توڑ دیئے تھے۔ صاحب مناقب غوثیہ لکھتے ہیں۔ کہ آپ کے جسم مبارک پر مثل جسم مقدس آنخضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ اور آپ کے عرق میں بھی مثل عرق مبارک حضرت خواجہ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوشبو آتی تھی۔ اور آپ کے بول و براز کو بھی زمین کھا جاتی تھی۔ ایک دن لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ سب باتیں تو مخصوص ذات پاک حضرت سرور کائنات علیہ الثناء التحیات تھیں۔ حضور میں ان کے پائے جانے کا کیا سبب ہے۔ فرمایا قسم ہے خداوند جل وعلا کی کہ یہ وجود عبدالقادر کا نہیں ہے بلکہ یہ وجود باوجود آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا ہے۔ اور اہل اللہ اسی کو فنائے اتم کہتے ہیں دیکھو سالک السالکین۔ ص ۳۴۲

پھر جب ذات وصفات' حالات وکمالات۔ افعال واقوال کا یہ عالم ہو۔ تو گروہ اولیاء اللہ میں بے مثلی کا دعویٰ کوئی بے حقیقت چیز نہیں ہے جو صرف مدارج غوثیت وفردیت سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے بے شمار دلائل ہیں جن میں سے بطریق اختصار یہاں پر نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کرامات آپ کی بے حدو بحساب تھیں۔ جیسا کہ معجزات آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لاتعداد و بے شمار تھے پس آپ غوث الثقلین (شیخ الکل) ہوئے۔

حضرت امام یافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ کرامات شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حد تواتر کو پہنچی تھیں۔ اور بالاتفاق معلوم ہے کہ کسی اولیائے زمانہ سے اس قدر کرامات ظاہر نہیں ہوئیں۔

حضرت مخدوم گنج بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ مقامات عالیہ میں فرماتے ہیں کہ آپ کی مناقب وکرامات کثیرہ اس قدر زیادہ ہیں کہ کسی زبان میں شمار کی طاقت نہیں۔

حضرت مولانا جمال الدین سہروردی کتاب سیر العارفین میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چوبیس برس کی عمر میں آپ کو ملک عراق کے پہاڑوں میں سیر کرتے ہوئے پایا۔ اور پانچ مہینے سات دن آپ کی صحبت اکیسر خاصیت میں رہ کر افاضات و افادات صوری و معنوی سے بہرہ ور ہوئے اور حضرت سید محمد گیسو دراز قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا۔ کہ غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد قدمی هذہٖ پر سب اولیاء سے پہلے جس نے گردن خم کرنے اور قدمک علی راسی و عینی فرمانے میں سبقت کی وہ یہی خواجہ غیاث الدین سنجری کے صاحبزادے تھے۔

خلاصتہ القادریہ میں ہے کہ جب ندائے منادی غیب عالم ارواح میں پہنچی تو حضرت سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پاک نے بجناب ایزدی عرض کیا کہ احکم الحاکمین یہ تیرا فرمان ہے۔ مگر سید عبدالقادر کو بایزید پر کونسی فوقیت ہے ارشاد ہوا کہ دو فوقیتیں ہیں ایک یہ کہ وہ میرے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرزند ارجمند ہے۔ دوسرے یہ کہ تو فارغ مشغول ہے اور وہ مشغول فارغ تو عاشق ہے وہ معشوق ہے۔ یہ سنتے ہی آپ نے گردن جھکا دی اور سمعنا واطعنا کہا۔

قلائد الجواہر میں شیخ ابوالبرکات صخر بن صخر بن مسافر سے مروی ہے کہ اولیاء زمانہ میں سے ہر ایک کے ساتھ اس بات کا عہد تھا کہ وہ ظاہر یا باطن میں بغیر اجازت آپ کے کچھ تصرف نہ کر سکیں گے۔ آپ کو حضرت قدس میں ہم کلام ہونے کا مرتبہ حاصل تھا۔ اور آپ

ان اولیاء کرام میں سے ہیں جن کو حیات و ممات دونوں میں تصرف تام حاصل ہے اور مشاہیر صلحاء فقراء اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ جو اولیاء کرام صاحب تصرف تام ہوتے ہیں ان سے تصرفات و خوارق عادات جس طرح زندگی میں صادر ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعد وفات کے بھی ظہور میں آتے ہیں۔

تلخیص القائد میں حضرت شیخ ابوذکری سے منقول ہے کہ فرمایا حضرت محبوب سبحانی نے کہ میں نے ایک شب عالم خواب میں دیکھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تخت مرصع پر سوار تشریف لائے۔ اور مجھے نہایت محبت سے اپنے حضور میں بٹھایا اور میری پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور جسم اقدس سے اپنا پیرہن مبارک اتار کر مجھ کو پہنایا اور فرمایا هذا خلعته الغوثية على الاقطاب والابدال والاوتاد۔ یعنی یہ ہے خلعت غوثیت جس کی تمام قطبوں اور ابدالوں اور اوتادوں پر فوقیت ہے۔

جواہر القلائد میں ابن سقا فرماتے ہیں کہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے ایک رات خواب میں ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گود میں لیا اور اپنا دودھ پلایا۔ پھر اسی اثناء میں حضور علیہ السلام تشریف لے آئے۔ اور فرمانے لگے۔ یا عَائِشة هٰذَا وَلَدُ نَا وَقُرَّة" اَعْيُنِنَا وَجِيهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.

صاحب مناقب غوثیہ لکھتے ہیں کہ آپ شب معراج آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور آپ کو ولایت مطلقہ محمدی عطا ہوئی۔ اور حضور علیہ السلام نے وراثت محبوبیت کے لئے آپ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بمعیت جبرائیل علیہ السلام جب سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو وہاں سے جبرائیل علیہ السلام رخصت ہوئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے میری روح کو بھیجا۔ تاکہ شرف قدم مبارک سے مشرف ہو۔ پس میں نے وراثت اعلیٰ و خلافت کبریٰ حاصل کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا قدم مبارک میری گردن مبارک پر رکھا۔ اور مقام قاب قوسین تک پہنچ گئے اور فرمایا اے میرے لخت جگر آج میرا قدم تیری گردن پر ہے۔ کل تیرا قدم کل اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہوگا۔ نیز منقول ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے نشان

قدم مبارک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے کندھے پر موجود تھا۔

سبحان اللہ یہ وہ واقعات ہیں۔ جن کو تاریخ درویشی جلی حروف میں پیش کرتی ہے۔ اور بتاتی ہے۔ کہ فَمَنْ فِیْ اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ مِثْلِیْ کا دعویٰ غلط نہیں ہے۔ ڈوبا ہوا بیڑہ بارہ برس کے بعد دریا سے نکال دکھانا۔ اور ذروں میں کرامات' قطروں میں مکاشفات کی توفیق بھر دینا حضور ہی کا حصہ ہے ایک چور کو قطب کر دینا۔ ڈاکو کو ولی بنا دینا۔ ولیوں اور ابدالیوں کی ولایت سلب کر لینا جنات کو محض پیغام سے دور کرنا اور بیماروں کا شفایاب ہونا آپ کی کرامت سے محی الدین ابن عربی کا پیدا ہونا۔ لڑکی پیدائشی کا لڑکا بن جانا جلے ہوئے درخت اور سید احمد کبیر کا از سر نو درست ہو جانا۔ ایک نصرانی کے مناظرہ میں مردہ قوال کا زندہ ہونا وغیرہ وغیرہ یہ وہ باتیں ہیں جو گروہ اولیاء میں سے حقیقتاً آپ کی بے مثلی پر دلالت کرتی ہیں۔

رسالہ الاولیاء میں لکھا گیا ہے کہ جب کوئی شخص منصب ولایت پر منسوب ہوتا ہے تو پہلے بحضور خواجہ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیش کیا جاتا ہے۔ پھر آپ کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے آپ اس کو اگر لائق ولایت پاتے ہیں تو اس کا نام دفتر اولیا میں درج فرماتے ہیں اور یہ دستور آپ کے عہد غوثیت مہد سے جاری ہے شیخ ابو طاہر عبدالطیف بن ابو طاہر بغدادی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے برسر منبر فرمایا کہ جو کچھ لوح محفوظ میں ہے میں دیکھتا ہوں۔ اے آسمان اور زمین کے رہنے والو۔ آؤ اور علم طریقت مجھ سے سیکھو۔ اے اہل عراق میرے نزدیک وجد و حال مثل ایک پیرہن کے ہیں' میں جس کو چاہوں پہنا دوں۔ یہاں ولایت و درجات ہیں اور یہاں خلعت عطا ہوتے ہیں یہاں زندہ اولیاء اپنے جسموں اور مردہ اپنے روحوں سے تشریف لاتے ہیں۔ ملائکہ اور جن وانس سب کا شیخ ہوں میں ان لوگوں سے کلام کرتا ہوں جو پردہ قاف سے آتے ہیں۔ قدم ان کے ہوا میں اور دل ان کے خدا میں ہوتے ہیں۔ آتش شوق ابھی ان کے صدور میں اس قدر شعلہ زن ہے کہ ان کے کلاہ وطوق کو جلا دیتی ہے۔

یہ وعظ فرمایا جا رہا تھا کہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرزاق جو منبر کے قریب

بیٹھے تھے بیہوش و بیخود ہو گئے اور ان کے پیرہن کا گریبان جلنے لگا۔ حضور غوث الاعظم منبر سے اتر آئے اور وہ آگ بجھا کر فرمانے لگے اے عبدالرزاق تو بھی اسی گروہ سے ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے شیخ عبدالرزاق رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کی بیہوشی کا سبب کیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اوپر کی جانب دیکھا تو مجھے مردان غیب اس کثرت سے ہوا میں کھڑے نظر آئے کہ تمام کرہ ہوا ان سے بھرا ہوا تھا اور سب کے سب سر جھکائے حضرت کا وعظ سن رہے تھے کوئی آہ وفغاں کرتے کوئی ہوا میں اڑتے کوئی بیہوش ہو کر زمین پر گر جاتے اور بعض کے کپڑوں میں آگ لگ رہی تھی۔ **ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔**

جام بست و پنجم

تعلق دامانی

رِجَالِیْ فِیْ هَوَاجِرِهِمْ صِیَامٌ
وَفِیْ ظُلَمِ اللَّیَالِیْ کَالدَّرَارِیْ

میرے لوگ یعنی مرید سخت گرمی میں بھی روزے دار ہوتے ہیں اور رات کی تاریکیوں میں روشن موتیوں کی طرح چمکتے ہیں

میرے متبعین نیکو کار ہیں
عابد و مرتاض و روزے دار ہیں
رات کی تاریکیوں میں ذوق سے
یاد کرتے ہیں خدا کو شوق سے

کسی گزشتہ بیان میں یہ مسئلہ واضح کیا گیا ہے کہ شیخ کی شان مشیخیت اور مرید کی ہمت ارادت کیسی ہونی چاہئے اور جو نااہل لوگ میدان پیری میں قدم مارتے ہیں۔ اہل اللہ کے نزدیک ان کی حقیقت کیا ہے اور جو بدعمل ہو کر میدان ارادت میں اپنے آپ کو کسی بزرگ سے منسوب کرتے ہیں ان کی کیفیت کیسی ہے اگر وہاں سے سمجھ نہ آئی ہو تو۔ تو آ۔ اور خود

غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے مریدین کی نسبت امتیازی نشان معلوم کر جس سے پتہ چل جائے گا کہ جو بدنام کنندہ مرید خلاف اتباع پیر جاتے ہوئے یوں مدعی ہوتے ہیں کہ ہماری بدعملی ہی پسندیدہ ہے۔ یہ غلط ہے اور بغیر عقیدت پیرو اتباع شریعت اس عقیدہ کو دل میں جگہ دینا کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مرید کی صفت بیان فرماتے ہیں کہ میرے ارادت مند نہایت متقی۔ پرہیزگار شب بیدار روزے دار اور رات کی تاریکیوں میں موتیوں کی طرح چمکنے والے ہیں۔ ان کی ریاضت شاقہ اور زہد و عبادت خاصہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ وہ ایک قطب وقت کے مرید اور متبع ہیں کیونکہ پھل اپنے درخت اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ وہ نام نہاد مرید جو بدعمل ہو کر دعویٰ کرتا ہے کہ میں فلاں بزرگ وقت کا مرید ہوں وہ بکواس کر کے خود ہی ذلیل نہیں ہوتا بلکہ وہ شیخ کو بھی بدنام کرتا ہے اور اپنے پورے خاندان کے الوالعزم لوگوں کے لئے ایک بدنما دھبہ ہوتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ شعر

کار شیطان میکند نامش ولی
گر ولی ایں است لعنت برولی

گزشتہ اشعار میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حیثیت بیان فرمائی ہے اور اس شعر میں ان انسانوں کا ذکر خیر فرما رہے ہیں جو انسان آپ کی اتباع و ارادت کے معترف ہیں اور جن پر مرید ہونے کا حضور کو بھی ناز ہے کیونکہ اولاد جس حد تک کامیاب ہو والدین کو اسی حد تک فخر ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں۔ میرے رجال (مرد) سخت گرمی کی دوپہر میں صائم اور سخت تاریک راتوں میں قائم ہوتے ہیں۔ ان میں پست ہمتی اور بزدلی نہیں۔ کہ چودھویں صدی کے ملنگوں کی طرح وضو سے جان چھپائے اور نماز و روزہ سے غش کھائیں کیونکہ مجاہدہ کی حقیقت اعلیٰ یہی ہے کہ درویش شدت گرما میں روزے دار اور ظلمتوں میں نور اطاعت سے چمکدار رہے۔ دید و یافت کے لئے مجاہدہ ایک لابدی اور ضروری چیز ہے جس طرح دودھ سے مکھن، سنگ سے لعل، زمین سے پانی، بے محنت نہیں ملتا اسی طرح مشاہدہ بے مجاہدہ محال

ہے۔ المشاھدات مواریث المجاھدات ۔ یعنی مشاہدے مجاہدوں کی میراث ہیں۔ اور ان ہی سے رحمت کاملہ کے قبول کی استعداد پیدا ہوتی ہے پھر اس طریق کار پر مجاہدہ کرنے کے لئے ھواجر۔ صیام۔ ظلمت اور لیالی کے معنی ہی شاہد ہیں کہ اس مجاہدہ بیداری میں روز و شب کیونکہ نفس کا خون ہوتا ہے اور کیونکہ خواہشات و وساوس شیطانیہ کی راہیں تنگ ہوتی ہیں۔

رجالی سے مراد وہ مرد ہیں جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ طالب المولیٰ مذکر وطالب العقبیٰ مونث و طالب الدنیا مخنث ۔ یعنی مولا کریم کی طلب کرنے والا مرد ہوتا ہے۔ اور عاقبت کی طلب کرنے والا عورت۔ اور دنیا کی طلب کرنے والا ہجڑا یعنی خنثیٰ ۔ تو مطلب یہ ہوا کہ میرے ملنے والے مرد ہیں جو مولا کی طلب کے سوا دوسری کوئی طلب ہی نہیں رکھتے۔ عاقبت کی طلب یعنی جنت پانے اور دوزخ وحشر کے عذاب سے بچنے کے لئے عبادت کرنا گویا عورتوں کی طرح ہارسنگار کے سبب سے نجات اخروی حاصل کرنا ہے۔ یعنی عورت جب خاوند کو اپنے آپ پر مائل اور خوش کرنا چاہئے تو وہ وہ کام کرتی ہے جس سے اس کا مالک اس کی خوبصورتی' پاکیزگی اور اطاعت دیکھ کر اس پر راضی ہو جائے۔ بعینہ یہ حال اس درویش کا ہے جو عذاب سے بچنے کے لئے عبادت کرتا ہے اور اس کی عبادت میں رضائے الٰہی مقصود نہیں ہوتی۔ پھر اس انسان کا کیا ذکر ہے جو ریا کاری اور دنیا پرستی کو مدنظر رکھ کر خدا کا نام بیچتا ہے۔ اور اس کے تمام تر زہد و تقدس کی منتہا حصول دنیا اور جلب زر ہوتی ہے اور جس کو مخنث فرمایا گیا ہے یعنی اس نے نہ مردوں کا سا کام کیا اور نہ عورتوں کا سا۔ دونوں جہاں میں دونوں انسانی اقسام سے باہر ہو گیا۔ یہ مخنث اس لئے کہلایا کہ مخنث کا کام ہے۔ اپنا صاف لباس پہن کر عورتوں اور مردوں کا بھیس بدل کر یا سوانگ بنا کر اور عوام اہل جہان کی محفلوں میں ناچ رنگ' رقص و سرود کر کے لوگوں کے دروازوں سے بھیک مانگنا۔ اور یہی حال اس نام نہاد ریاکار فقیر کا ہے جو روپ تو درویشی کا رکھتا ہے مگر درحقیقت اس لباس درویشی سے مقصود اس کا اہل دنیا کے دروازوں سے بھیک مانگنا ہوتا ہے اور خداپرستی یا عرفان الٰہی سے اس کو دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اپنی ازلی بلندی کے انقطاع سے متاثر ہوکر انسانی ابتدائی کیفیات کا جہاں ذکر فرماتے ہیں وہاں انہی معنوں میں عرفان الٰہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

کز نیستان مرا ببریدہ اند

وزنفیرم مرد و زن نالیدہ اند

اسی مردانگی کا سرکار غوثیت مآب بھی تذکرہ فرماتے ہیں کہ میرے مرید نہ عقبیٰ پسند ہیں اور نہ دنیا پرست۔ کیونکہ وہ بزدلی اور بیچارگی میں عورتیں اور ہیجڑے یا زنخے نہیں ہیں بلکہ وہ مرد ہیں جو طالب المولیٰ ہوتے ہیں اور ابتدائی مجاہدہ میں ہی ان مردوں کے مساوی ہو جاتے ہیں جو مدعا تک پہنچے ہوئے ہوں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جن راہروان میدان مجاہدہ کی یہ کیفیتیں ہوں کہ وہ گرمی کی شدت میں روزہ رکھ کر **الصوم لی وانا اجزی بہ** کے مستحق بنیں اور رات کی تاریکیوں میں رکوع و سجود اور کثرت نوافل و تہجد سے ان کی پیشانیاں نور عبادت سے موتیوں کی طرح چمکیں۔ اور لا مکان کی بلندیاں ان کی روحانی تفریح گاہیں ہوں تو وہ کیوں مردوں سے تعبیر نہ کئے جائیں۔

نیز یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شعر میں باقی تمام عبادات سے مخصوص طور پر روزہ کا ذکر کیا ہے کیونکہ روزہ کی عبادت ایک خاموش ریا سے پاک اور نفس کے لئے شاق عبادت ہے۔ جس کا علم سوائے عالم الغیب خدا کے کسی کو نہیں ہوسکتا اور اس کی تکلیف سے نفس امارہ کی تمام خواہشات قطع ہو جاتی ہیں۔ اور بھوک کے غلبہ سے وساوس و خطرات کی بساط لپیٹی جاتی ہے اور یہی جہاد اکبر ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ **رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر** ۔یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ جہاد اکبر کیا ہے۔ فرمایا مجاہدہ نفس۔ اور مجاہدہ نفس کو حضور علیہ السلام نے جہاد پر بزرگ فرمایا۔ کیونکہ تلوار سے جان کا فیصلہ ایک منٹ میں ہوتا ہے اور مجاہدہ نفس میں جب تک عمر پائے ہر گھڑی رنج میں گزرتی ہے نفس کا مجاہدہ ہر لحظہ نفس کا مقابلہ اور حرص و ہوا کا

دور کرنا ہے اور جہاد بالسیف مجادلہ اور قہر کا عمل ہے اسی لئے سب محقق مجاہدہ نفس کو ہی مشاہدہ کا سبب بیان فرماتے ہیں لیکن بعض حضرات یہ بھی لکھتے ہیں کہ مجاہدہ وصول خدا کے واسطے علت نہیں کیونکہ جو بھی خدا کو پہچانتا ہے۔ خدا کی بخشش سے پہچانتا ہے اور بخشش کو فعل سے کیا کام۔ وہ الگ شے ہے یہ الگ۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ مجاہدہ تہذیب نفس کے لئے ہوتا ہے نہ قرب کی حقیقت کے لئے کیونکہ مجاہدہ کا رجوع بندہ کی جانب ہوتا ہے اور مشاہدہ کا حوالہ خدا سے پس اس صورت میں اس کو اس کا سبب ہونا یا اس کو اس کا آلہ ہونا محال ہے کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبانا**۔ یعنی جن لوگوں نے ہمارے راستہ میں محنت کی البتہ ہم ان کو اپنی راہ دکھلائیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو مجاہدہ کرتا ہے وہ مشاہدہ پاتا ہے اگر مجاہدہ مشاہدہ کی علت نہ ہوتا تو ایسی بہت سی آیات کا حکم باطل ہو جاتا۔

ھواجر سے مراد دوپہر کی گرمی یا شدت گرما ہے جس میں روزے دار ہونا۔ حقیقتاً ایک سخت ترین مجاہدہ ہے اور اگر اس سے غلبۂ جوانی کی رمز سمجھی جائے جب ہر انسان کی عمر کا آفتاب نصف النہار اور پوری تمازت پر ہوتا ہے تو یہ بھی قرین قیاس ہے کیونکہ عہد شباب میں ارتکاب معاصی کا اکثر اندیشہ ہوتا ہے پھر ایسے وقت میں نفس کو اقتضائے نفسانی سے باز رکھنا ایک مردانہ فعل ہے اور اسی طرح ظلم اللیالی کی تاویل تاریکی جہالت سے ہو سکتی ہے جس کا ان مردانِ میدان مجاہدہ پر غالب نہ آن سکنا ان کی انتہائی مردانگی پر دال ہے۔

نیز صوم کے بعد شب بیداری کا ذکر فرمانا یہ معنی رکھتا ہے کہ جو شخص بھوک سے مجاہدۂ نفس کرتا ہے وہی رات کو بیدار بھی رہ سکتا ہے حضور غوث الاعظم ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔ **الجوع طعام العارفین** اور یہ بھی فرمایا کہ **الجوع امانته اللہ تعالیٰ لا یعطیھا الالمن له امانته و دیانته**۔

جوع دارد آتشے اندر مزاج	آب گرد و آہن از وے در نتاج
سنگہا از نار گرد و شیشۂ	جوع از دلہا کشاید کیسۂ
صوم آمد صافی از چرک وجود	صوم آمد جلوۂ رب ودود

صوم آمد ترک کلی ماسوا صوم آمد صافی و کافی وفا
صوم آمد خویش را کردن نفی صوم آمد دولت نور و نوی
صوم را دریاب تایابی بقا تا نماید سر معنی والضحیٰ
والضحیٰ والشمس را تعبیر کن
از صیام مصطفیٰ تنویر کن

پس جو شخص بیداری کا طالب ہو اس کو چاہئے کہ بھوک یعنی روزہ کو لازم پکڑے کیونکہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ابلیس انسان کے رگ وریشہ میں خون کی طرح دورہ کرتا ہے اس کی راہوں کو روزہ سے تنگ کردو۔ زیادہ کھانے والا انسان شیطان کی چراگاہ ہے۔ طبی نظریہ کے ماتحت بھی نیند کا سبب وہ بخارات غذائیہ ہوتے ہیں جو اخلاط سے پیدا ہو کر دھواں بنتے ہیں اور ان کا جذب ہونا اجزا آبی بن کر دماغ میں پہنچتا ہے اور ہوش کو ڈھانپ لیتا ہے اور عقل کو کام سے معطل کر کے انسان کو عبادت اور عرفان الٰہی سے غافل کر دیتا ہے۔ شعر

اے برادر خواب تاریکیست دان
زانکہ شاہش ظلم خواندہ دربیان

ظلمت کی نسبت رات کے ساتھ اس طرح ہے کہ اس کا درود ہی رات کو ہوتا ہے اور طالب کے مطلوب تک پہنچنے میں حارج ہوتی ہے اور اس کے راستہ میں حجاب کا کام دیتی ہے۔ مگر بندگان خدا وہ ہیں جو رات کی تاریکیوں میں نور عبادت پیدا کر کے مطلوب کی تلاش کرتے ہیں اور تنہا ملنا چاہتے ہیں اور شب معراج کی سیر کا بھی شاید یہی فلسفہ ہو۔ کیونکہ طالب و مطلوب جب بھی ملنا چاہیں۔ وہ تنہائی کا کونہ ڈھونڈتے ہیں تا کہ ہمارے راز و نیاز کو کوئی نہ دیکھے۔ اسی واسطے حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عقیدت کیشوں اور ارادت مندوں کے مجاہدے کا یہ طریق بیان فرمایا ہے کہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو غفلت سے نجات حاصل کر کے بیداری سے معرفت الٰہی چاہتے ہیں۔ پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی ہستیاں اندھیرے میں موتیوں کی طرح چمکتی ہیں۔ جن کے قلوب مجلی اور

چہرہ ہائے پرانوار پرنحوست و نامرادی کا گرد و غبار نہیں رہتا اور بصورت رشتہ یعنی دھاگہ جو ان کے بھی دامن سے لپٹ جائے گا وہ بھی اسی شان کی قدر و قیمت رکھے گا۔شعر

می پذیرند بداں رابہ طفیل نیکاں   رشتہ واپس نہ دہد ہر کہ گہر میگیرد

یہی وجہ ہے کہ تمام اہل اللہ شب بیداری کے حامل اور عامل نظر آتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ رات کی تاریکیوں میں ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے۔قرآن کریم میں ہے کہ بے شک رات کا اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور اس وقت کی دعا بھی بے حد مقبول ہوتی ہے اور یہاں سے ہر وہ شخص جو غوث صمدانی کا ارادت مند ہونے کا مدعی ہے اس کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ اگر مجھے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نسبت وارادت ہے۔تو مجھے اپنے آپ کو کس قسم کا بنانا چاہیے کیونکہ غیر شرعی طریق اور رہبانیت کا مجاہدہ مجھے آپ کے ارادت مندوں میں شمولیت کا استحقاق نہیں دے سکتا۔

جام بست و سوم

علوّ شاہ جیلانی

وکلّ ولیٍ لہٗ قدمٌ وانّی
علیٰ قدمِ النّبیِ بدرِ الکمالِ

اور قرب الٰہی میں ہر ولی اور ہر صاحب قرب کا اپنا درجہ اور قدم جداگانہ ہے
مگر میں اپنے جد بزرگوار کے قدم اور اس کے مرتبہ کے ظل میں ہوں

منزل قُرب و تقرب میں عزیز
ہر ولی کی ہے جداگانہ تمیز
پر میں سب میں خاص عالی پایہ ہوں
رحمتِ عالم کے زیر سایہ ہوں

پچھلے پچیسویں شعر میں حضور نے اپنے مرید کی امتیازی حیثیت بیان فرمائی تھی کہ میرے مرید کی پہچان کیا ہے اور ہر جھوٹے ارادت مند اور بے راہرو غیر شرع عقیدت مند کو میری نسبت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اب اس شعر میں اپنی علو مرتبت کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ منزل قرب الٰہی میں ہر ولی اور صاحب قرب کا اپنا اپنا قدم جداگانہ ہوتا ہے جو ایک حد تک محدود ہے۔ مگر

میں مدارج و مراتب عرفان و حقیقت میں ایک خاص کمال سے نوازا گیا ہوں۔ کیونکہ وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر ہیں اور میں اپنے جد بزرگوار۔ سید ابرار۔ معرفت کے شاہسوار۔ کائنات کے تاجدار۔ احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم پر ہوں۔ جو آسمان کمال کے بدر کامل ہیں اور یہ اظہر من الشمس بات ہے۔ کہ جس قدر علم و فضل، درس و تدریس۔ تشہیر و تقدیس میں استاد شہرہ آفاق ہوتا ہے۔ اسی حد تک اس کے تلامذہ زمانہ میں ممتاز ہوتے ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بلندیٔ مرتبت وہ ہے جس کے لئے جمیع انبیاء علیہم السلام کو بھی برابری کا حوصلہ نہیں۔ اس لئے غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع کی طفیل وہ حیثیت ہے کہ جمیع اولیاء کرام شریعت و معرفت کے میدان میں آپ سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

یا یوں سمجھئے کہ ہر ولی کا وسیلۂ قرب آنحضرت نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ذات پاک ہے۔ اور علیٰ قدر مراتب ہر ولی حضور ہی سے فیض حاصل کرتا ہے۔ اور وہ فیض بدرجۂ کمال آں سرکار غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور علیہ السلام سے پہنچا ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب افضل الانبیاء ہیں۔ تو غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل الاولیاء ہوئے۔ نہ انبیاء علیہم السلام سے کوئی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر قرب کا دم مار سکے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی نور اوّل ہیں۔ اور ہر ظرف میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے نور کی شراب ڈالی گئی ہے اور نہ ہی اولیاء کرام سے کوئی غوث الاعظم کے اپنا معاون ہونے کا انکار کر سکے۔

گر نبودے ذات احمد مصطفیٰ — جوش کے دادے خزانہ آں بقا
کنت کنزاً مخفیاً فہمیدہٗ — از خلقت الخلق احمد دیدہٗ
گر نبودے ذات احمد در وجود — کے شدے اسرار رب اندر شہود
در دو عالم نور احمد مصطفیٰ — ظاہر و باطن نمودہ از بقا

انبیاء را ذات او آمد ظہیر
اولیا را نور او شد دستگیر

یا مزید تشریح یوں سمجھئے کہ نبوت سے نیچے ولایت کا درجہ ہوتا ہے۔ نبوت اصل ہے اور ولایت فرع تمام اولیاء کرام جمیع انبیاء علیہم السلام کے جھنڈوں کے نیچے ہوتے ہیں اور ہر ولی کو رتبہ کسی نبی سے حاصل ہوتا ہے جب ہر ولی کی ولایت کسی نبی کی نبوت کا سایہ ہوتی ہے اور نبی کی نبوت کا درجہ نبوت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نیچے ہے تو ماننا پڑے گا کہ ان نبوتوں کے سائے نبوت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ سے کم ہوں گے۔ لہٰذا جو درجہ ہر ولی نے ہر نبی سے اپنی استعداد کے مطابق حاصل کیا وہ غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کے مطابق آپ کے درجہ سے کم ہوگا۔ لہٰذا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد ولایت کا جو درجہ اپنے زمانہ تک الا ماشاء اللہ حضور کو حاصل ہے۔ وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اور حضور فرماتے ہیں۔ اس کا یہ بھی ایک سبب ہے کہ دیگر اولیاء سے بعض بعض حالات میں دینوی علایق سے لغزشیں سرزد ہوتی ہیں مگر مجھ کو حضور علیہ السلام کی برکت سے کوئی لغزش عائد نہیں ہوئی۔ اور یہ شرف مجھ کو حضور پر نور شافع یوم النشور علیہ السلام کی طفیل حاصل ہے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ولایت نبوت محمدی علیہ الصلوات والتسلیمات کا سایہ دو قسم پر ہے ایک وہ جو بدرجہ اتم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تھا۔ اور دوسرا جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد اولیائے امت میں پایا گیا۔ پہلا ظل دوسرے سے اس لئے بالاتر تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کیا تھا اور قرآن کریم ان کی تعریف فرماتا ہے اور حدیث شریف میں رب العزت جل شانہ کا ان کے حق میں فرشتوں پر فخر کرنے کا ارشاد آیا ہے۔ پس جمیع صحابہ کرام صغار و کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تمام اولیائے امت پر فضیلت ہے کیونکہ ان کے ایک صاع جو خیرات کرنے کو باقیوں کے احد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرنے پر ترجیح دی گئی ہے اور ان کی سنت کو حضور نے اپنی سنت بیان فرمایا ہے جب یہ سوال کیا گیا کہ صراط مستقیم کیا ہے جس پر تمام تہتر فرقوں سے امت کا ایک فرقہ قائم ہو کر نجات یافتہ ہو جائے گا۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ما انا علیہ و اصحابی یعنی

جس پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

دوسرا ظل جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اولیاء امت ہیں۔ جن میں سے بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ کیونکہ ہر ایک کی استعداد و حال جداگانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور غوث الثقلین نے فرمایا ہے کہ دیگر اولیاء اللہ نے تو عام راستہ ولایت کا طے کیا ہے مگر میں حضور علیہ السلام کے خاص اسرار پر مطلع ہوا ہوں جن پر مطلع ہونا ہر ایک کا کام نہیں۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ ولایت دو قسم پر ہے ایک عامہ اور ایک خاصہ' ولایت عامہ یہ ہے کہ اتباع نفس سے خلاصی پا کر اور اوامر الٰہی کا پابند ہو کر نوافل و فضائل حسنہ سے تقرب الٰہی حاصل کرے۔ اور یہ ہر ایک مومن کو حاصل ہو سکتی ہے۔

ولایت خاصہ کے متعلق بعض صوفیاء کرام نے فرمایا کہ ولی اپنے حال یا محبت الٰہی میں ایسا فانی ہو کہ خداوند تعالیٰ جل وشانہ کے مشاہدہ میں اپنے آپ کو بھلا دے اور اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے سے خبر دے یا خداوند تعالیٰ کے سوا غیر پر آرام کرے۔

بعض نے لکھا ہے کہ ولی وہ ہے جو خوف و رجا سے الگ اور غم و اندوہ سے پاک ہو۔ اور اس پر آیت شریف الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کی گواہی پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ ولی کو کسی ناخوش اور مکروہ چیز کے مقابلے سے خوف نہیں ہوتا اور نہ کسی مرغوب چیز کے چلے جانے کا غم اس کو پریشان کرتا ہے۔ یا یوں کہیئے کہ وہ دنیا میں سوائے خدائے واحد و غالب کے کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتا اور نہ قیامت کا معاملہ اس کو غمگین کر سکتا ہے۔ خوف و غم نصیب نفس ہے جب نفس ہی صفت رضا کا حامل ہو جائے تو پھر خوف و ہراس اور بیم و یاس کی حقیقت ہی کوئی نہیں ہوتی۔

ابوعثمان مغربی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ الولی قد یکون مشھود ولا یکون مفتونا۔ یعنی ولی لوگوں میں مشہور ہوتا ہے لیکن مفتون نہیں ہوتا۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں۔ قد یکون مستوراً ولا یکون مشھوراً یعنی ولی پوشیدہ ہوتا ہے۔ مشہور نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی شہرت میں فتنہ ہوتا ہے لیکن یہاں قول ابوعثمان کا ہی معتبر بتایا گیا ہے کہ مشہور رہو۔ مگر اس کی شہرت بغیر فتنہ کے ہو۔

حضرت ابراہیم ادہم فرماتے ہیں ولی وہ ہے جو دنیا و عاقبت کی کسی شے پر رغبت نہ کرے اور اپنے آپ کو صرف خداوند عالم کی دوستی کے لئے خالی رکھے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ **ھو الصابر تحت الامر والنھی** یعنی ولی اس کو کہتے ہیں جو خداوند تعالیٰ کے امرونہی میں صبر کرنے والا ہو۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ ولی کی تعریف یوں فرماتے ہیں۔ کہ اگر وہ بیدار ہو تو عبادت و بندگی میں ہوشیار ہو۔ اور اگر خواب میں ہو تو مشاہدہ میں غرق رہے اور اس پر پانچ مقامات کشادہ ہو جائیں۔ اوّل مقام نفی۔ دوم مقام اثبات۔ سوم مقام تصور اسم ذات۔ چہارم مقام تلاوت قرآن پنجم مقام ورد دعائے سیفی بلا رجعت۔

حضرت عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ کہ ولی وہ ہوتا ہے جو مراتب ذات یا عوالم خمسہ کی تحقیق رکھتا ہو۔ اور اس پر ہاہوت، لاہوت، جبروت، ملکوت، ناسوت منکشف ہوں۔

حضرات کاملین نے ان عوالم خمسہ کی یوں تشریح فرمائی ہے کہ

ہاہوت:۔ وہ عالم ہے جہاں نہ اپنی خبر اور نہ اس بے خبری کی خبر ہو۔

لاہوت:۔ جہاں اپنی خبر ہوتی ہے اور الوہیت کا دعویٰ۔

جبروت:۔ جہاں اپنے وجود سے خود بخود بالتفصیل شناسائی ہوتی ہے۔

ملکوت:۔ جہاں اپنی تسبیح و تہلیل میں آپ مشغول ہوتا ہے۔

ناسوت:۔ یہی عالم ظاہر جہاں ہر مظہر میں خود ظاہر ہے یا یوں سمجھئے کہ جب خواہشات میں پڑا ناسوت میں ہے جب اپنی حمد و ثنا میں مشغول ہوا ملکوت میں ہے اور جب اپنے آپ کو پہچانا تو جبروت میں ہے۔ پھر جب انی وانا کا نعرہ مارا تو لاہوت میں ہے اور جب ساری حالتیں گم ہیں یعنی غیب مطلق تو ہاہوت میں ہے۔

اس سے مزید تشریح کی یہاں گنجائش نہیں۔ اگر مطلوب ہو تو کسی ولی اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اسی لئے ولایت خاصہ کے پانے والے حضور غوث الاعظم فرمار ہے ہیں کہ میرا قدم تمام اولیاء اللہ سے بلند ہے اور جو سعادت میرے واسطے مقدر ہے وہ کسی

دوسرے کے لئے نہیں اور میری اس سعادت خاصہ کا سبب میرا اتباع نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہے جس کے بغیر کوئی بھی منزل کمال کو نہیں پا سکتا۔

اور یہ جو حضور علیہ السلام کی نسبت فرمایا کہ میرا کمال اس لئے ہے کہ میں اپنی جد پاک بدر الکمال سے اکتساب نور کئے ہوئے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس حد تک معلم کامل ہو۔ اسی حد تک متعلم کا کمال ظاہر ہوگا چونکہ سرکار کائنات مختار شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مراتب رسالت و نبوت کے کمال اور بشریت و عبدیت کے جمال اور محبوبیت کے منال و مآل میں اپنی مثل نہیں رکھتے اور یہ فیض ذات الٰہی کے آفتاب عین کمال سے وابستہ ہے لہٰذا سیدنا غوث الاعظم بھی اسی یکتائی کے دعویدار ہیں جس طرح بدر کا مفہوم اس چاند اور قمر کامل سے ہوتا ہے جو منزل بمنزل چل کر آفتاب سے اکتساب نور کر کے اپنی منتہا کو پہنچے اسی طرح اس بدر کامل سے روشنی لینے والا اس کی اتباع میں قدم بقدم ٹھہرنا چاہتا اپنی علو مرتبت پر پہنچتا ہے اور وہ مقام غوثیت ہے جس پر حضور غوث الاعظم ناز فرما رہے ہیں۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

جام بست وہفتم

ذوقِ فیض رسانی

مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ وَاشٍ فَاِنِّیْ عَزُوْمٌ قَاتِلٌ عِنْدَ الْقِتَالِ

اے میرے مرید کسی بدخواہ سے نہ ڈر کیونکہ میں جنگ وجدل میں دشمن کو تباہ کرنے والی ننگی تلوار ہوں۔

اے ارادت مند میرے ڈر نہ کر
میں چمکتی تیغ ہوں تیری سپر
جنگ میں میں قاتل اشرار ہوں
رنگ میں اللہ کی گفتار ہوں

معرفت ودرویشی کا میدان وہ دشوار گزار میدان ہے جہاں سے کسی مبتدی کا گزر بخیرو عافیت محال وناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میدان کو عبور کرنے کے لئے قانون قدرت یوں جاری ہوا۔ کہ بہترین مخلوق کو اس پرخار وادی سے پار کرنے کو انبیاء وصلحاء کی ہستیاں مبعوث فرمائی گئیں اور ان کی بعثت پر مولا کریم جل شانہ نے اس طرح اپنا احسان بیان

فرمایا۔ جس طرح کسی اور نعمت کے عطا فرمانے پر نہیں فرمایا گیا۔ انسان کا تمام ڈھانچہ۔ انسان کی حیات مستعار۔ انسان کی شرافت وفضیلت۔ انسان کی الوالعزمی وسجدہ ریزی۔ انسان کا مسجود ملائکہ ہونا۔ اور انسان کی بہترین تخلیق پر قسمیں کھا کھا کر تصدیق فرمانا۔ کوئی کم احسان نہ تھے مگر ان کو احسان کے لفظ سے بیان نہیں فرمایا۔ اور اگر احسان فرمایا تو یہ کہ لقد من اللہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم یعنی ہم نے ان مومنین پر جن کو مندرجہ بالا اوصاف سے متصف فرمایا تھا۔ یہ احسان فرمایا ہے کہ ان میں اپنے برگزیدہ نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث فرمادیے ہیں تاکہ وہ ان کو عہد الست کی یاد دہانی کرائیں اور مسجود ملائکہ ہونے کی حیثیت سمجھائیں۔ حالانکہ مندرجہ بالا اوصاف رکھتے ہوئے ان کا اپنا فرض تھا کہ وہ معرفت الٰہی میں قدم اٹھائیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح خود بخود اپنے رب کا سراغ لگائیں۔ یہ مولا کریم کے ذمہ لازم نہ تھا کہ وہ ان کو پیغامبر بھیج کر از سر نو عہد الست کی دعوت دے اور یاد دہانی کرائے اور ان کی بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست پر لانے کے لئے اپنے مقبولوں اور محبوبوں کو ان کے ہاتھوں سے ایذا پہنچوائے۔

پھر جب انبیاء علیہم السلام دنیا سے تشریف لے جاتے رہے تو وہ اپنی خلافت عظمیٰ کے ماتحت اپنی اپنی امت کو ان بزرگ ترین ہستیوں کے سپرد فرماتے رہے۔ جو صحیح معنوں میں ظاہری و باطنی طور پر انبیاء علیہم السلام کی وراثت کی مستحق ہوتی تھیں۔

زاں بعد جب وہ زمانہ بھی گزر جاتا تو ان حضرات کی متابعت کرنے والے وہ لوگ پیدا ہوتے جو علم و عمل میں ان مقدس ترین وجودوں کا نمونہ ہو کر امت کی راہنمائی کا باعث بنتے اور بھٹکی ہوئی مخلوق کو پھر نبوت کے دروازے پر لا کھڑا کرتے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ میں رحمت ہوں۔ جیسے بادل ہوتا ہے۔ دنیا دیکھتی ہے کہ بارش ہو تو علی قدر وسعت ہر چیز اس سے اپنا حصہ لیتی ہے۔ شجر و حجر' چرند و پرند۔ وادیاں اور ویرانے۔ دشت و جبل' مزروعہ اور غیر مزروعہ زمینیں۔ سب اشیاء اس سے منفعت حاصل کرتی ہیں مگر پھر بھی کچھ باقی بچ کر گڑھوں اور تالابوں وغیرہ میں جمع ہو جاتا ہے جس سے اہل جہاں اس وقت نفع

اٹھاتے ہیں جب کسی دوسرے وقت میں بارش نہیں ہوتی اور بارش نہ ہونے پر اس پانی سے وہ اپنی کھیتیاں سینچتے ہیں۔ فرمایا۔ ایسے ہی میرا زمانہ رحمت الٰہی کی فراوانی کا زمانہ ہے کچھ رحمت کو مختلف ضرورت مندوں نے جذب کر لیا اور کچھ صلحاء امت کے سینوں میں جمع کر دی گئی ہے جس سے قحط سالی کے زمانے میں اہل دنیا کو نفع پہنچایا جائے گا۔

اسی نفع کے حاصل کرنے کو کتاب اللہ نے اطاعت اولیاء اللہ اور علماء ربانی کو لازم قرار دے دیا ہے اور بزرگان امت نے بصورت بیعت اس کو اپنے عمل میں ایسی جگہ دی ہے کہ اس طریق کار سے بھٹکانا گویا خدا اور رسول سے بھٹکنے کے مترادف سمجھا گیا ہے اور ہے بھی یہ صحیح کیونکہ جب سے اس طریق کار کو چھوڑ کر توحید و رسالت کے نام نہاد متلاشی پیدا ہوئے ہیں۔ بے شمار فتنوں کا دروازہ کھل گیا ہے۔ ہر بات کو الفاظ کی عینک سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور تلاش حق و حقیقت روحانیت سے اس قدر دور ہو گئے ہیں کہ گویا روحانیت و درویشی ہی دنیا میں سب سے زیادہ بے راہ روی و ضلالت کا موجب ہے۔ العیاذ للہ پھر یہ لوگ اپنی اس بدعقیدگی کو اپنے آپ تک ہی محدود نہیں رکھتے بلکہ اس کو پھیلانے میں ایڑی چوٹی کا زور بھی لگاتے رہتے ہیں اور اہل اللہ کی عیب چینی ان کا شیوہ ہو جاتا ہے اس لئے اہل اللہ کے غلاموں کی تسکین حضور غوث الاعظم اپنے مرید کا نام لے کر یوں فرماتے ہیں کہ اے میرے مرید۔ تو کسی دشمن، کسی بدخواہ، کسی عیب چین اور کور ذوق سے نہ ڈر۔ کیونکہ میں لڑائی میں پختہ کار اور الوالعزم دشمن کش ہوں جس سے بوقت مقابلہ دشمن کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں۔ نہ تجھے شیطان جیسا دشمن میرے ہوتے ہوئے بے راہ بنا سکے۔ اور نہ نفس امارہ جیسا بدخواہ اپنا داؤ چلا سکے۔ اور نہ کوئی بھٹکا ہوا شریر حیوان ناطق تجھے عیب چینی سے گزند پہنچا سکے۔ کیونکہ مرید اپنے شیخ کی محافظت میں ہوتا ہے جس کی تشریح کسی گزشتہ شعر کے ماتحت بھی کر دی گئی ہے۔

اس شعر میں ان نام نہاد درویشوں کی جانب بھی اشارہ ہے جو کسی ایک وظیفہ کے عامل ہو کر عام راہروان معرفت پر ڈاکہ زنی کرتے پھرتے ہیں ان کو سیدنا غوث الاعظم متنبہ فرما رہے ہیں کہ میرے مرید پر وہ ہاتھ صاف نہیں کر سکتے۔ اگر کریں گے تو اپنے کئے کا بدلہ پا

لیں گے۔ کیونکہ اپنے مرید کی پوری پوری پشت پناہ میں ہوں۔ کہیں وہ اپنے آپ کو مطلق العنان نہ سمجھ لیں۔

فقیر شارح کے ایک دوست کو دربار حضرات خواجہ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ میں، یہی ایک قضیہ پیش آیا کہ ایک شخص درویشانہ صورت دربار میں آیا اور جس خدا یا د بندے؛ ملتا اس کا ہاتھ بطریق مصافحہ ہاتھ میں لے کر فیض باطنی سلب وغصب کر لیتا اور وہ بیچارے اپنے آپ کو خالی پا کر رونے بیٹھ جاتے۔ وہ حسب عادت فقیر کے اس دوست (میاں معراج الدین) کے پاس بھی پہنچا جو اس وقت اپنے خیال میں مراقبہ میں مشغول تھے۔ آ کر بیٹھ گیا اور ہاتھ میں ہاتھ لے کر وہی حرکت دُزدی کرنا چاہی۔ مگر مرضی مولا لینے کے دینے پڑ گئے۔ جو کچھ تھا۔ چھنوا بیٹھا۔ میاں معراج الدین اٹھ کر واپس ہونے لگے اور وہ چیخنے لگا۔ آخر بہ ہزار منت وعفو اس شرط پر معاملہ صاف ہوا کہ آئندہ توبہ کرے کہ یہ حرکت کسی بندۂ حق سے آئندہ نہ کرے گا۔

ہاں اس شعر سے ان لوگوں پر بھی زجر وتوبیخ کا کام لیا گیا ہے جو اہل اللہ اور ان کے غلاموں پر مضحکہ انگیزی کیا کرتے ہیں اور منافقانہ طریق پر اہل اللہ کی جماعت میں شامل ہو کر بندگان خدا کی پھبتیاں اڑاتے ہیں ایسی حرکات سے متاثر ہو کر بعض مبتدی بددل ہو جاتے ہیں مگر حضرت غوث الاعظم فرماتے ہیں کہ اے میرے مرید ایسی فضول اور واہی تباہی باتوں سے مضمحل نہ ہو اور خوف نہ کھا۔ میں تیرا دستگیر مارنے والا ہوں اور فتح وظفر ہمیشہ بندگان خدا کے ساتھ ہوتی ہے۔ میری توجہ سے تیرے وسوسے دور اور میری مدد سے خطرات نفسانی اور وساوس شیطانی چور ہوں گے۔

چونکہ خطرات ووساوس کی یہ صورتیں ہمیشہ اور ہر زمانہ میں اہل اللہ کو پیش آئی ہیں کہ کہیں شیطان بہکا رہا ہے اور کہیں شیطان صفت انسان دھوکا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس شعر میں ایسے گمراہوں سے (جو نیکی سے منع کرنے والے اور نیکوں کی صحبت سے دور رکھنے والے ہوں) سرکار حفاظت کا وعدہ فرما رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے بندے دفع وساوس وخطرات میں کامل ہوتے ہیں۔ مرید کی ارادت صحیح ہونی چاہئے۔ وہ بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ ہی

محفوظ رہتا ہے اور جب ارادت سے گر جائے گا تو پھر اس کا اہل اللہ سے علیحدہ ہو کر تباہ حال ہونا یقینی ہو گا۔ اس وقت ایسے مرید کی مثال اس بکری کی سی ہوتی ہے جو اپنے رکھوالے کے حکم کے خلاف ریوڑ سے علیحدہ ہو کر کسی خوفناک جنگل میں چرنے پھرنے کی جرأت کرے اور کوئی تاک میں بیٹھا ہوا دشمن اس کو شکار بنا لے۔

نیز اس شعر میں غیر اللہ سے نہ ڈرنے کی تعلیم بھی دی گئی ہے کہ جب تو درویش حق پرست کا طالب ہے تو تجھے کیا ڈر ہے درویش تجھ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ صرف تجھ کو تصور شیخ سے الحاق کی رسی مضبوط رکھنی چاہئے جہاں چاہے پکار وہ فوراً تیری اعانت کو پہنچے گا بلکہ اعانت محض تو درکنار۔ تصور میں یہ خوبی بھی ہے کہ شیخ جس طالب کو چاہے اپنے جیسا ہی بنا دے وہ ارادت مند کے دل کو ابدی زندگی بھی بخش سکتا ہے۔ اور قہر پر آ جائے تو سب کچھ سلب بھی کر سکتا ہے اور جو شخص تصور شیخ پختہ کر کے فنافی الشیخ کا درجہ پا جائے تو ذات کے تمام مقامات کا مشاہدہ کرنے والا بن جاتا ہے اور اگر یہ کیفیت اس پر نہ کھلے تو یہ تصور شیخ بھی بت پرستی میں داخل ہو جائے گا جس سے ہزاروں طالبان طریقت اس مخمصہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ کئی پریشان حال اور خراب کئی بیخود و دیوانے ہو کر موت کو لبیک کہہ دیتے ہیں اسی وجہ سے بعض درویشوں نے لکھا ہے کہ **الصوفی لامذھباً لہ باالصوفی مشرک** ۔ کہ ایسے صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ لوگ بہت کم ہیں۔ جو سلامتی کے ساتھ حقیقت کو پہنچ کر اپنے مقصود میں کامیاب ہوتے ہیں۔ **وباللہ التوفیق**۔

بعض وہ لوگ جو اس حقیقت سے آشنا نہیں کہ بندگان خدا کی طاقت کیا ہوتی ہے۔ ایسے کلام کو بیجا اور غیر ممکن سمجھ کر اعتراضات کرتے پھرتے ہیں۔ مگر فقیر کہتا ہے کہ۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

اگر چمگادڑ کی آنکھ دن کو نہیں دیکھ سکتی تو سورج کا کیا قصور ہے۔ بندگان خدا کی ایسی صدائیں بے معنی اور لغو نہیں ہوتیں بلکہ ان میں وہی کیفیت جلوہ گر ہوتی ہے کہ منصورؒ کے پردے میں خدا بول رہا ہے۔ منہ ان کا ہوتا اور آواز و راز اسی کرشمہ ساز کی جس کی آواز پر تمام ساز بجتے ہیں جو اپنی حقیقت آپ ہے۔ وہی ہست ہے وہی ہستی۔ خود قائم و قیوم۔ خود

ناظر و منظور۔ خود ہی ظاہر و مظہر ہے سب اسی سے پائے جاتے ہیں مگر کوئی اس کو نہیں پا سکتا۔ وہ سب کو محیط ہے لیکن خود احاطہ سے باہر ہے غیر سے بے نیاز اور ماسوا سے پاک ہے فہم و قیاس۔ عقل و ادراک سب اس میں گم ہیں۔ عقل صرف اتنا بتاتی ہے۔ کہ وہ ہے اور وجدان بولتا ہے کہ جو کچھ ہے اسی سے ہے یا اسی میں ہے چونکہ اس ذات کا ظہور ہمیشہ پردہ صفات ہی میں ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سمجھنا لازم ہے کہ لطافت بے کثافت جلوہ آراء ہو نہیں سکتی۔ چمن زنگار ہے۔ آئینہ باد بہاری کا اور حضرت ذوق فرماتے ہیں۔ شعر

جہاں دیکھا کسی کے ساتھ دیکھا
تجھے ہم نے کبھی تنہا نہ پایا

درحقیقت انسان جملہ مراتب ظہور کا مظہر اتم ہے اور اس میں سب عالم جمع ہیں۔ لہٰذا وہ ان عالموں کی حقیقت کے ادراک کا ملکہ رکھتا ہے مگر یہ ملکہ ہر ایک میں یکساں نہیں بلکہ افراد انسان میں اس کے مدارج نہایت مختلف ہیں کسی میں وہ ملکہ ایسا پرزور ہوتا ہے کہ نہ استاد کی حاجت نہ رہبر کی ضرورت۔ گویا ذات حق کے سوا کوئی اس کا ہادی نہیں ہوتا۔ بلاتوسط مبداء فیاض سے وہ فیض پہنچتا ہے کہ عالم ناسوت سے لاہوت تک کی سیر اور مسلک کے تمام منازل و مقامات سے بخوبی واقفیت ہو جاتی ہے پھر کسی میں وہ ملکہ اتنا کامل و قوی نہیں ہوتا تو وہ ان کاملوں کے ارشاد کی پیروی سے منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے اور اسی طرح چراغ سے چراغ روشن ہوتا چلا جاتا ہے۔

مثنوی

بین کہ اسرافیل وقت اند اولیاء — مردہ راز یشاں حیات بے بہا
جانہائے مردہ اندر گور تن — برجہد ز آواز شان اندر کفن
شیخ فعال است بے آلہ چو حق — با مریداں دادہ بے گفتے سبق
اندریں یم ماہیان پرفن اند — مار را از سحر ماہی میکنند

ماہیان قعر دریائے جلال
بحر شاں آموختہ سحر حلال

اعلام جہانبانی

انا الجیلی محی الدین اسمی
و اعلامی علی رأس الجبال

میں جیلانی ہوں اور میرا نام محی الدین یعنی دین کا زندہ کرنے والا ہے اور
میری بزرگی کے جھنڈے پہاڑوں کے سروں پر گڑے ہیں۔

میرا محی الدین جیلانی ہے نام
زندگی ملت کو دینا میرا کام
ہے مری تقدیس نور و نار میں
میرے جھنڈے گڑ گئے کوہسار میں

قرآن کریم میں حکم ہوتا ہے کہ یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا. ان اکرمکم عنداللہ اتقکم۔ یعنی اے لوگو ہم نے پیدا کیا تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے۔ پھر تمہارے کنبے اور قبیلے بدیں غرض بنائے تا کہ تم پہچانے جاؤ۔ لیکن قابل تکریم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

اس سے معلوم ہوا ہے کہ کسی نامور ہستی کا اپنا جوہر یا پتہ نشان یا شرافت خاندانی وکٹم قبیلہ کا بیان کرنا شرعاً ممنوع نہیں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص کوئی خوبی رکھتا ہو۔ جب تک وہ خود بیان نہ کرے۔ عوام اس سے نفع نہیں اٹھا سکتے۔ طبیب' کاریگر' تاجر' صناع' حجام' بزرگ' نبی' ولی' غرضیکہ سب اپنی حیثیت کا اعلان خود ہی کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دربار مصر میں بادشاہ کے خواب کی تعبیر فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ مملکت کے خزانوں پر مجھے مختار کر دیجئے۔ میں ان کی حفاظت کر سکنے والا اور امین ہوں۔ اور اسی حقیقت وراستی کے پیش نظر وہ ملک مصر کے مختار و ملک بنا دیئے جاتے ہیں۔

اسی نظریہ کے پیش نظر سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں۔ کہ میرا وطن گیلان ہے اور میں محی الدین کے لقب سے مشہور ہوں اور میری ظاہری و باطنی بزرگی کے نیزے یا جھنڈے پہاڑوں پر لہرا رہے ہیں۔ جو ہر متلاشی طریقت اور راہرو حقیقت کے لئے ایک نشان کا کام دیتے ہیں تاکہ جو کوئی میری طرف آنا چاہے یا اپنی منزل کو پانا چاہے یہ نشانات اس کی راہنمائی کریں اور اس ارشاد سے حضور کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر شخص جو مجھ سے نسبت و عقیدت قائم کرنی چاہے میرے نام و مقام سے پہلے واقف ہو۔ تا کہ وہ اپنے حصول مقصد کے لئے بلاتر دد ہمارے حضور میں پہنچ کر فیض ظاہری و باطنی حاصل کر سکے۔ کیونکہ جب تک آنے والے کو یہ پتہ نہ ہو۔ وہ حاضر نہیں ہو سکے گا۔

نیز اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ ارادت مند کو اپنے پیر کے اسم و وطن سے پوری واقفیت ہونی چاہئے تاکہ اس کو تمیز حاصل ہو۔ اور اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اپنے پیر کی ظاہری کیفیت کے متعلق پورا علم رکھنا ارادت مند کے لئے طریقہ کی ایک شرط ہے۔ کیا بلحاظ سلسلہ نسبی اور کیا بلحاظ شرافت حسبی۔

شاید اسی واسطے بزرگان دین نے اپنے مشائخین کے شجروں کو ارادت مندی کے ماتحت لازم قرار دیا ہے۔ اور ان کا ورد بھی موجب برکات و حسنات لکھا ہے کیونکہ شجرہ کے جاننے سے نسبت گم نہیں ہوتی۔ اور نسب ضائع نہیں ہوتا اور اسلام نے جو اسلام نے

جو انساب کی صحت پر بیسیوں شرعی مسائل کا انحصار رکھا ہے۔ اس کی بھی یہی غرض معلوم ہوتی ہے جبھی تو حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی چار نسبیں یاد کرنا واجب قرار دے دی گئیں ہیں ایک روایت میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص حضور کے دربار میں کبھی انساب کا ذکر کرتا تو آپ فرماتے چھوڑو تا کہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرے کیونکہ انساب کے بیان کرنے میں وہ تم سے زیادہ عالم ہے ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ حضور غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو حضرت سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب نے آپ کا بلند و اشرف نسب ہونا بیان فرمایا۔ اور آپ نے دعا فرمائی اس سے اپنے نسب کی اصلیت بیان کرنا گناہ نہیں معلوم ہوتا۔ بشرطیکہ بصورت تفاخر نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا محبوب سبحانی اس شعر میں اپنا مختصر سا پتہ نشان فرما کر عوام کو متوجہ کرتے ہیں۔ کہ میں جیلی (گیلان کا رہنے والا ہوں) جو ایک علاقہ ہے اور جائے پیدائش موضع بلق ہے میرا اصلی نام تو اور ہے مگر خلق خدا میں محی الدین کے لقب سے ملقب ہوں یہ میرا لقب اتنا مشہور ہو گیا ہے کہ اس کو میرے نام کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے یہ لقب میرے فعل کا گواہ ہے جیسا کہ مشہور روایت ہے کہ دین اسلام آپ کو مریض کی شکل میں سامنے آیا۔ اور آپ نے اس کو صحت و طاقت عطا فرما دی۔ تو آپ کو خلق خدا نے محی الدین کہنا شروع کر دیا۔ یہ قصہ فقیر کسی سابق شعر کی شرح میں بیان کر چکا ہے دوبارہ یہاں ذکر کرنا ضروری معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ ہزاروں اہل اللہ کی ہستیاں اپنے القاب سے مشہور ہو جاتی ہیں جن کے اصلی نام سے اکثر لوگ واقف نہیں ہوتے۔ مثلاً حضرت مجدد الف ثانی۔ حضرت داتا گنج بخش' حضرت پیر مکی۔ حضرت سعدی' حضرت مولانا روم' پیر قندھاری' وٹری والا' حضرت امام صاحب وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ ان حضرات کے اصلی اسماء شریف سے بہت کم لوگ آشنا ہیں لیکن ان کے خواص و اعمال نے یہاں تک شہرت حاصل کی ہے کہ وہی لقب اصلی اسم کی

جگہ لے گیا ہے۔

اسی طرح سرکار غوث الاعظم کا مشہور اسم محی الدین ہے۔ احیاء کے معنی زندگی دینا یا زندہ کرنا اور محی کے معنی زندہ کرنے والا ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح من الماء کل شئی حی کہا جاتا ہے کہ ہر چیز پانی سے زندہ ہے۔ یعنی ہر سبزی و روئیدگی کو پانی ہی سے سرسبزی و تازگی حاصل ہوتی ہے اسی طرح ایسے زمانہ میں جب عصیان وطغیان کا زور اور معصیت کاری وعدوان کا شور ہو۔ نیکی کے تمام پہلو جہان میں کمزور و معدوم نظر آئیں کسی کا دین مبین کی تبلیغ کرنا اور خلق خدا کو از سر نو دعوت حق پہنچانا اور لوگوں کو راہ راست پر لانا گویا دین کو زندہ کرنا ہے۔ انسانوں میں معرفت الٰہی کا ذوق اور یاد حق کا شوق پیدا کر دینا دین کو نئی زندگی بخشتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بارش کے متعلق ارشاد ہے یحی الارض بعد موتھا. زمین کی موت اس کا روئیدگی سے محروم ہونا ہے۔ بارش نے آ کر اس کو زندہ کر دیا۔ ایسے ہی سیدنا غوث الاعظم نے جب دنیا فتنہ وفساد کی تاریکی اور بد عقیدگی کی ظلمت میں گھر رہی تھی انوار دین کی ضیا پاشی فرمائی۔ اور دینی کمزوریوں کو دور کر کے پھر آفتاب نصف النہار کی طرح زمانہ میں چمکا دیا اور یہی اس کی زندگی تھی۔

پھر فرمایا۔ کہ اعلامی علی راس الجبال ۔ کہ میں نے جو احیاء ملت کا کام کیا ہے وہ محض دعویٰ ہی دعویٰ نہیں۔ بلکہ اس حقیقت کے جھنڈے ان بڑے بڑے گناہوں کے پہاڑوں پر گڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جن کی چوٹیوں پر میری عالی ہمتی کے سوا کسی نے قدم نہیں رکھا۔ ہر ڈاکو۔ ہر رعونت پسند، ہر متکبر، ہر نفس پرست، ہر مدعی، ہر سلطان زمانہ کی فرعونیت مٹائی اور اس کی جگہ توحید و رسالت کی بستی بسائی اور یہ واقعات اس قدر ہیں جن کے لئے بجائے خود ایک دفتر کی ضرورت ہے اور یہ مبالغہ نہیں۔ استعارہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ کہ آں حضور غوث پاک نے جو ملت کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ وہ حضور ہی کا حصہ تھیں۔

شیخ ابوبکر نے حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت ایک کتاب میں فرمایا ہے کہ وہ پانچویں صدی کے وسط میں عراق میں ظاہر ہوں گے۔ ان کے اقوال و افعال سے اقتداء کیا جائے گا اور ان کی برکت سے رب العزت اپنے بندوں کو اعلیٰ درجے عطا فرمائے گا اور قیامت کے روز دوسری امتوں کے سامنے ان کی بابت فخر کرے گا۔

اور شیخ ابوالبرکات اسماعیل بغدادی اپنے باپ سے روایت فرماتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ بغداد میں ایک عجمی نوجوان عبدالقادر نام آئے گا جو رفعت و محبت میں عالی مقام ہوگا اور دنیا و مافیہا اس کے سپرد کی جائے گی۔ اس کا قدم متمکن و ہاتھ حقائق میں روشن اور خدا کے حضور میں نشان عظیم ہوگا۔

جب حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود خدا کے حضور میں نشان عظیم کی حیثیت رکھتے ہیں تو آپ کے نشانات کا زمانہ میں بلندی کی چوٹیوں پر لہرانا کوئی خلاف عقل دعویٰ نہیں۔

اور اگر جبال سے مراد اولیاء کرام کے مقدس وجود لئے جائیں اور اعلام سے وہ فیوض جو حضور نے ان پر فرمائے۔ اور وہ دنیا میں آفتاب نصف النہار کی طرح چمکے تو یہ بھی موزوں ہے جیسے کہ حضرت امام ابوبکر عبداللہ بن نصیر تمیمی فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک دفعہ مسطر بادرائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کو گیا۔ تو آپ نے مجھے فرمایا کہ کچھ حالات شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سناؤ چنانچہ میں نے سنائے تو آپ جھومنے لگے اور فرمایا کہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیا پر خدا کا نشان ہے جس سے اسرار اولیاء اور ریح و روحہ قدسیہ مہکتے ہیں وہ متکلم حضرت اور سیف نعمت ہیں اور اس زمانہ میں کسی ولی کو حال و مقام بغیر ان کے ہاتھ کے نہیں دیا جاتا۔ جب وہ نظر کرتے ہیں تو ہم لوگ ان کی نظر کی حفاظت میں ہوتے ہیں اور جب سانس لیتے ہیں تو ہم سب اس سانس کی حمایت میں جب چلتے ہیں تو ہم ان کے قدم کے سائے میں ہوتے ہیں اور آنخضرت کے علم کے بغیر کوئی ولی ظاہر و باطن میں تصرف نہیں کرسکتا۔ اور وہ ایک ایسے بلند پایہ نشان کے حامل ہیں کہ ان کو

موت کے بعد بھی اکوان میں ایسا ہی تصرف دیا گیا ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھا۔ شعر

اللہ چہ عظیم وچہ رفیع القدرے است
غوث الاعظم کہ جہاں بندہ فرمان وے است
ہر کہ درپیش تو اے شاہ جہان بندہ نشد
خسر الدنیا ولآخرۃ درشان وے است

جام بست ونہم

نسبتِ خاندانی

اَنَا الْحَسَنِیُّ وَالْمُخْدَعُ مَقَامِیْ
وَاَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ

میں نسب کے لحاظ سے حسنی ہوں اور مقام مخدع میرے لئے مخصوص ہے
اور میرا ہر قدم اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔

نسب ہے حسنی مرا مخدع مقام
راز پوشیدہ کا آیا ہوں امام
سب میرے نیچے ہیں اس عرفان میں
ہے قدم میرا ہی اونچا شان میں

ان لوگوں کیلئے جو آپ کے سلسلہ نسب میں بیجا کلام کرتے ہیں اور واہی تباہی خیالات کو دل میں جگہ دے کر معترض ہوتے ہیں کہ آپ کا سلسلہ نسب سادات کرام سے نہیں اور اگر ہے بھی تو آپ نجیب الطرفین سید نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ خود حضور نے یہاں فرمادیا ہے کہ میرا لقب محی الدین ہے اور نسب خاندانی سے حسنی سید ہوں۔ یعنی حضرت سیدنا حسن علیہ السلام بن

مولا مشکل کشا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اولاد ہوں۔ جس کا سلسلہ یوں ہے حضرت سیدنا سید عبالقادر میراں محی الدین بن سید ابی صالح موسیٰ جنگی دوست بن ابی عبداللہ بن یحییٰ زاہد بن سید داؤد بن سید محمد بن سید موسیٰ بن سید موسیٰ الجون بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن سیدنا امام حسنؓ بن سیدنا حیدر کرار زوج بتول داماد رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) علی المرتضیٰ بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یہ یاد رہے کہ جون کے معنی سیاہ وسپید کے ہیں یعنی موسیٰ الجون کا رنگ سفید اور بال سیاہ تھے۔ اور آپ بڑے حسین تھے۔ محض کا لفظ جو عبداللہ کے ساتھ آیا ہے اس کے معنی خالص کے ہیں اور حسن مثنیٰ میں مثنیٰ کے معنی دوئم کے ہیں یہ اس لئے کہ صورت وسیرت میں آپ اپنے والد بزرگوار کے عین مشابہ تھے۔ اس لئے اس نام سے پکارے گئے۔ یہ سلسلہ پدری ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسب یوں ہے۔ فاطمہ بنت عبداللہ صومعی بن ابو جمال بن سید محمد بن سید ابو محمود بن سید طاہر بن ابو العطا بن سید عبداللہ بن سید ابو کمال بن سید عیسیٰ بن ابو علاء الدین بن سید محمد بن سید علی العریض بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

اس مسئلہ پر بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ ایک ایسی بحث ہے جو معاندین کی طرف سی سوائے حسد وبغض کے اور کسی شئے پر مبنی نہیں۔ آپ کی مذہبی حق گوئی اور تبلیغ صداقت جن لوگوں کی بدعقیدگی کے موافق نہیں آئی۔ انہوں نے آپ کے سید ہونے سے ہی انکار کر کے دل کی بھڑاس نکال لی ہے۔ ورنہ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کی ضیاء سے انکار سوائے شپرہ چشم انسان کے کوئی حق بین نہیں کر سکتا اور چاند پر تھوکنے سے اپنے ہی منہ پر پڑتا ہے۔

یہاں آپ کے اپنا سلسلہ حسنی بیان فرمانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ میرا ہر ارادت مند جان لے۔ کہ میں حسنی سید ہوں اور ہر مرید اپنے پیر کے سلسلہ نسب کی شناخت رکھے۔ اور صرف پیر اور اس کے جد امجد ہی یاد نہ ہوں۔ بلکہ درمیانی سلسلہ سے بھی واقفیت ہو۔ اور شیخ کا سارا سلسلہ اس کو یاد ہونا چاہئے اور یہ ارادت مند کے لئے بری برکات کا موجب ہونا ہے۔ اور پیران عظام کے ارادت مند اور مشائخین کرام کے طالب جو شجرہ ہا پڑھاتے ہیں

اور ختم خواجگان کرتے ہیں یہ اسی قبیل سے ہے۔
آگے آپ نے اسی شعر میں ایک اور وضاحت فرمائی ہے جو بے عمل سادات کے لئے بالخصوص اور غیر متبع مریدین کے لئے بالعموم تازیانہ عبرت ہے اور وہ یہ ہے کہ میں صرف اسی بات پر فخر نہیں کرتا کہ سید ہوں۔ بلکہ میرا عمل اور میرا اعالی مقام بھی ثابت کرتا ہے کہ مولا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ کے پوتے اور شرافت حسبی ونسبی کے بنیادی اصول اور تمام کائنات کے بیج رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے کی ظاہری و باطنی حیثیت وہی ہے جو اس کے جد بزرگوار کی تھی اور وہ صحیح معنوں میں علمی وعملی لحاظ سے ان کا وارث ہے۔ وہ اگر افضل الرسل ہیں تو یہ افضل الاولیاء ہے۔
چنانچہ مخدع مقامی فرما کر واضح کر دیا۔ کہ میری بلندی مراتب کیا ہے۔ مخدع اصطلاح صوفیا میں معرفت الٰہی کے مقامات سے ایک خاص مقام ہے جو تمام اقطاب سے کسی خاص وممتاز قطب کو حاصل ہوتا ہے اور عربی لغت کے لحاظ سے اسرار نہانی یعنی پوشیدہ رازوں کے خانہ کو کہتے ہیں اور یہ مقام آنجناب غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مخصوص تھا دیگر اولیائے کرام سے کم ہی لوگوں کو یہ درجہ نصیب ہوا ہے۔
بعض صوفیاء کرام نے لکھا ہے کہ لفظ خدع مخدع سے مشتق ہے۔ اور خدع کے معنی کمینگاہ یا اس پوشیدہ جگہ کے ہیں جہاں سامان حرب اور آلات جنگ پوشیدہ رکھے جائیں جس کا اشارہ اَلْحَرْبُ کُلُّهٗ خَدْعَةٌ کے نفیس ترین الفاظ میں آیا ہے پس اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میرا مقام ومیدان معرفت الٰہیہ میں وہ محفوظ مقام ہے جس پر آگاہ ہونا بہت کم لوگوں کو حاصل ہے اور جب کوئی اس مقام سے واقف ہی نہیں تو اس کو پا کیونکر سکتا ہے اس مقام میں نفس وشیطان کے علم سے باہر ہو کر درویش وہ سامان مجادلہ ومجاہدہ رکھتا ہے جس پر کسی خطرہ نفسانیہ اور وسوسہ شیطانیہ کا دخل تک نہیں رہتا۔ چنانچہ اسی ضمن میں حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمتہ کا ایک مشہور ترین واقعہ لکھا ہے۔
کہ ایک مرتبہ حضرت بایزید علیہ الرحمتہ کو شیطان ملا اور کہنے لگا کہ اگر کسی مرد خدا سے ملنا چاہتے تو اس درویش کو ملو جو اس پرانی مسجد میں بیٹھا ہے جب حضرت بایزید علیہ الرحمتہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص مراقبہ میں مستغرق ہے تین مرتبہ اس کو سلام کہا مگر جواب نہ پایا۔ چوتھی بار جب منت وسماجت سے اس درویش کو مخاطب کرانا چاہا۔ تو وہ بولا کہ اے

بایزید۔ دشمن کے کہنے پر کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو۔ میں نہ خدا کا دوست ہوں اور نہ ہی مردان خدا سے ہوں۔ اگر ہوتا تو دشمن خدا مجھ کو نہ جان سکتا۔ اور جب تک دشمن ہم کو جانتا ہے ہم اس سے امن میں نہیں ہیں۔ ہم مرد خدا یا خدا دوست اس وقت ہوں گے جب دشمن خدا ہم کو نہ پہچان سکے گا جس مال کا علم چور کو ہے اس کے چرائے جانے کا خطرہ یقینی ہے یہی مقام مخدع ہے جس کا اشارہ یہ بزرگ کر رہے ہیں۔ پس سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہی مقام قرب حاصل تھا جس سے عام اولیاء۔ بھی واقف نہ ہوں۔

حضرت گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ مقام وصال کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مقام اس اقامت گاہ کو کہتے ہیں جو بندہ کو خدا کے راستہ میں حاصل ہوتی ہے اور اس مقام میں خدا کے حق کی رعایت کرنا اور اس کا ادا کرنا تا کہ جس قدر آدمی کو میسر ہو اس کے کمال کا ادراک کرے اور جب تک خدا نہ گزارے بندہ کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے مقام سے گزرے اور یہ کیفیت ہر ایک کی جداگانہ ہوتی ہے۔

حال وہ حقیقت ہے جو خدا کی طرف سے انسان کے دل میں آتی ہے جب آ جائے تو اس کو کسب سے دفع نہیں کر سکتا اور جب جائے تو تکلف سے حاصل نہیں کر سکتا۔ اور یہ کیفیت بدلتی رہتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اسی ضمن میں مقام مخدع کی یوں تشریح فرماتے ہیں۔ کہ عوام کی نجات کے لئے یؤمنون بالغیب اور پابندی اوامر و نواہی کافی ہے مگر خواص اس سے گزر جاتے ہیں کفر و اسلام ان کو تلاش کرتا ہے اور پتہ نہیں پاتا جب تک سالک عالم شک و شبہ سے نہیں نکلتا۔ نفس ہمرنگ قلب اور قلب ہمرنگ روح نہیں ہوتا یہاں پہنچ کر علم الیقین اور اس کے بعد عین الیقین حاصل ہوتا ہے۔ پھر خیالات علمی صورت پکڑنے لگتے ہیں اور سالک حق الیقین کی منزل پالیتا ہے۔ مثنوی

چوں رسی در منزل حق الیقین ۔۔۔ سر او ادنیٰ دریں منزل ببیں
لی مع اللہ را وصال اینجا بود ۔۔۔ جملہ کامل را کمال اینجا بودد

ایک ارشاد میں غوث الاعظم فرماتے ہیں کہ ناسوت شیطان سالک ہے اور ملکوت شیطان عارف اور جبروت شیطان واقف اور جب تک سالک ظلال اسماء یعنی صور محسوسات اور اعیان ممکنات کو فانی نہ جانے اور جسم کو لذت سے نفس کو شہوت سے قلب کو

خطرات سے اور روح کو زیست سے پاک وصاف نہ کرے نہ بارگاہ عظمت وجلال میں اس کو باریابی ملتی ہے اور نہ وہ اس مقام کو پاسکتا ہے۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مقام کے متعلق ایک بڑی مشہور حکایت لکھتے ہیں۔

حکایت

تحفہ قادریہ میں لکھا ہے کہ شیخ ابومحمد عبدالرحمٰن طفسو ونجی منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ میں اولیاء اللہ کے درمیان ایسا ہوں جیسے کلنگ پرندوں میں ہوتا ہے کہ اس کی گردن سب سے بلند ہوتی ہے اس وقت شیخ ابوالحسن علی بن احمد بھی وہاں موجود تھے۔ فوراً بول اٹھے اور گودڑی جسم سے علیحدہ کر کے فرمانے لگے کہ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ سے کشتی لڑوں۔ شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی خاموش ہو گئے اور اپنے دوستوں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ میں اس شخص کے بدن پر کوئی ایک بال بھی حال سے خالی نہیں دیکھتا اور شیخ ابوالحسن علی بن احمد کو کہا۔ کہ اپنی گودڑی پہن لو۔ اس نے جواب دیا کہ ہم وہ لوگ ہیں جب ایک چیز سے تعلق قطع کرلیں پھر اس کی جانب بازگشت نہیں کیا کرتے۔ شعر

از سر صدق زہر چیز کہ بیرون شدہ ایم
بدم پیر طریقت کہ بداں درنشویم

پھر شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی نے پوچھا کہ آپ کے پیر طریقت کون بزرگ ہیں تو جواب دیا۔

گفت شیخم شیخ عبد القادر است
کز جلالت اولیاء را راہبر است

تب شیخ عبدالرحمٰن نے کہا۔ کہ آپ کے شیخ کا نام میں نے زمین پر تو سنا ہے لیکن چالیس برس سے میں درکات قدرت میں ہوتا ہوں وہاں پر کبھی بھی ان کا ذکر پایا اور نہ ان کو دیکھا ہے اتنا کہہ کر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس جاؤ اور کہو کہ عبدالرحمٰن کہتا ہے کہ میں چالیس برس سے درکات قدرت میں متمکن ہوں لیکن آپ کو وہاں کبھی نہیں دیکھا۔ یہاں یہ قصہ ہو رہا ہے ادھر حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دوستوں کو فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن طفسونجی کی طرف جاؤ اور اس نے اپنے بعض احباب کو ہماری طرف روانہ کیا ہے ان کو بھی مل کر ساتھ ہی واپس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ عبدالقادر کہتا ہے کہ تو درکات میں تھا اور جو درکات میں ہوتا ہے وہ درگاہ کو نہیں دیکھتا اور جو درگاہ میں ہوتا ہے وہ مخدع والے کو نہیں دیکھتا۔ میں تیرے سر سے گزرا کرتا تھا کیونکہ میرا

خزانہ پوشیدہ ہے یہی وجہ ہے کہ تو نے مجھے نہیں دیکھا۔
اور اگر تو اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا ہے تو وہ سبز خلعت جو تم کو فلاں رات دیا گیا تھا وہ میرے ہی ہاتھ سے پہنچایا گیا تھا اور فلاں رات ہو جو فتوحات حاصل ہوئی وہ میرے ہی ہاتھ بھیجی گئی تھی اور دوسری بات جو اس کی تصدیق کرتی ہے یہ ہے کہ درکات میں بارہ ہزار ولی کو خلعت ولایت دی گئی تھی اور وہ سبز پرہن کہ جس کی طریزیں سورہ اخلاص شریف کی تھیں تیرے لئے میرے ہی ہاتھ سے بھیجی گئی تھی۔

چنانچہ جب حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خدام شیخ عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب سے راستہ میں ملے تو ان کو واپس عبدالرحمٰن کی خدمت میں لے گئے اور جو پیغام حضرت غوثیت مآب سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا بیان کیا تو شیخ عبدالرحمٰن نے کہا۔ صدق الشیخ عبدالقادر سلطان الوقت و صاحب التصرف یعنی شیخ عبدالقادر سلطان وقت اور صاحب تصرف نے سچ فرمایا ہے۔

الغرض اس شعر میں اس امر کا اشارہ ہے کہ حضور کی ذات بابرکات سے باعتبار (علو مرتبت دوسرے منتہی حضرات بھی تعلیم وافادہ حاصل کرتے ہیں اور اقدامی علی عنق الرجال کا مفہوم بھی یہی ہے کہ بطریق احترام وافہام عوام کی گردنوں پر آپ کا قدم ہے اور سب پر آپ کی اطاعت وعقیدت لازم ہے۔

موصل کے ایک بزرگ محمد بن ابو العباس کے والد بزرگوار ایک شب کا خواب ذکر فرماتے ہیں کہ ۵۵۱ ہجری کا زمانہ تھا جب میں آپ کے مدرسہ میں رہا کرتا تھا ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ جملہ مشائخ کرام کا ایک عظیم الشان اجلاس ہے اور حضرت غوث الاعظم اس جلسہ کی صدارت فرما رہے ہیں۔ ان مشائخین حضرات کے اجسام پر بعض کو ایک عمامہ اور ایک چادر ہے بعض کے جسم پر ایک عمامہ اور دو چادریں ہیں۔ لیکن حضور غوثِ پاک کے جسم پر اس وقت ایک عمامہ اور تین چادریں ہیں۔ میں تعجب سے یہ سوچنے لگا کہ آپ کی بیک وقت تین چادریں کیوں ہیں یہی سوچتے آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو آپ میرے سرہانے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ایک چادر شریعت کی ہے دوسری چادر حقیقت کی اور تیسری بزرگی وعظمت کی چادر ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔

تعالیٰ اللہ زہے ذاتے کہ چوں نیرنگ ہستی یافت
صفائی گوہر پاکش دم از پرہیز گاراں زد

جام سی ام

اسم غوث صمدانی

وَعَبْدُ الْقَادِرِ الْمَشْهُوْرُ اِسْمِیْ
وَجَدِّیْ صَاحِبُ الْعَیْنِ الْکَمَالِ

اور میں عبدالقادر کے نام سے مشہور ہوں اور میرے جدّ بزرگوار کمال مرتبہ کے صاحب ہیں۔

عبد قادر نام میں مشہور ہوں
سید و عالی نسب منشور ہوں

جد میری ہے بہت عین الکمال
جو ہے محبوب خدائے ذوالجلال

سابق اشعار میں اپنا نسب بیان فرمانے کے بعد حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شعر میں اپنا اصلی اسم شریف بیان فرما رہے ہیں اور نسبی سلسلہ ذکر کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ

۱۔ مرید کو شیخ کے اسم سے واقفیت کس حد تک ہونی چاہئے۔ اور کیوں؟

۲۔ شیخ نسبی سلسلے میں کیسا ہونا چاہئے؟

۳- نام رکھنے میں کیسے نام کو انتخاب کرنا لازم ہے۔

۴- اور جد پاک کا ذکر کیوں فرمایا۔

حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنے اصلی پیدائشی نام عبدالقادر سے مشہور ہوں اور میری جد پاک صاحب عین الکمال ہے۔ میرے مرید کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب تک شیخ کے نام سے واقف نہ ہو اور اس کی پوری زندگی سے آگاہی نہ رکھے وہ نفع نہیں اٹھا سکتا۔ جب وہ یہ سمجھ لے گا کہ میرے شیخ کا اسم شریف عبدالقادر ہے تو وہ یہ بھی سوچنے کی کوشش کرے گا کہ آپ ذات و نسب کے کون ہیں جب یہ بھی معلوم کر لے گا کہ سید نجیب الطرفین ہیں تو پھر عبدالقادر کے معنوں پر غور کرے گا کہ آیا اپنے معنوں کے لحاظ سے یہ اسم شرع شریف کے حکم کے مطابق ہے اور جب وہ یہ سمجھ لے گا کہ بحکم حدیث شریف ان احب اسمائکم الی اللہ عبداللہ و عبدالرحمن یعنی خدا کے نزدیک بہت پیارے نام بندوں کے وہ ہیں جن میں عبدیت کا تعلق ثابت ہو تو عبدالقادر بھی اسی صفت کے ماتحت اس کو شرع شریف کے دائرہ میں نظر آئیگا کیونکہ اس میں بھی قادر کریم سے عبدیت اور عجز کا اظہار ہے۔

اس حقیقت کے کھلنے سے بعد وہ جہاں چاہے شیخ کو پکار سکے گا اور جہاں چاہے اس کے انوار توجہ سے اقتباس کر سکے گا۔ عبدالقادر کے معنی ہیں قدرت رکھنے والے کا بندہ جب قدرت والے کا بندہ (محض نام کے تعلق سے باہر ہوکر) صحیح بندہ بن گیا تو قادر کی قدرتوں کا ظہور اس سے بھی ہونے لگے گا اور یہ جہاں چاہے گا بحکم وقدرت قدیر ارادت مند کی ہر پکار پر اس کی دستگیری فرمائے گا کیونکہ قدرت تمام اوصاف کی جامع ہے اور ہر صفت قدرت سے ظہور فرماتی ہے اور بندگان قدیر کے آگے یہ معمولی کام ہے جس کی مثالیں اولیاء اللہ کے حالات میں ریت کے ذروں اور بارش کے قطروں کی طرح بیشمار پائی جاتی ہیں اور شاید اسی نظریہ وعقیدہ کے ماتحت متقدمین حضرات نے شیخ کے نام کے وظیفہ کو جائز بلکہ مستحسن قرار دیا ہے اور قادری حضرات تو جناب غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسم شریف کو بطریق ورد تلاوت فرماتے ہیں اور بڑے درد و سوز سے یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا

اللہ پڑھ کر اپنی مرادیں حاصل کرتے ہیں بلکہ بعض حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کسی کام کے لئے استخارہ بھی کرنا چاہیں تو یوں کرتے ہیں کہ بعد نماز مغرب کے صلوٰۃ الاسرار کے نام سے دو رکعت نفل اس طریق سے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھ کر اور نفل دوسری نماز کی طرح مکمل کر کے سلام پھیرتے ہیں اور اس کا ثواب سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح مبارک کو ایصال کر کے بغداد شریف کی طرف (جو قبلہ اور قطب کے درمیان واقع ہے اٹھ کر گیارہ قدم چلتے ہیں۔ اور ہر قدم پر آپ کا نام لے کر اے حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی میری مدد فرمایئے پکارتے ہیں پھر گیارہ قدم چل کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور عرض مطلب کرتے ہیں اور پھر بغیر پیٹھ پھیرے اپنی جگہ پر واپس الٹے پاؤں آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاء اللہ ایک سو گیارہ بار بطریق وظیفہ پڑھتے ہیں بعض حضرات نے اس صلوٰۃ الاسرار کو اور طرح لکھا ہے اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو ایسے اعمال پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ غیر خدا کی پرستش ہے مگر وہ چونکہ اس حقیقت سے لاعلم ہیں اس لئے معذور ہیں۔

فقیر نے سفر حج میں ایک مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کو دیکھا جو اپنی جماعت کو اور عام ہمراہیوں کو جہاز ہی میں یہ تلقین کر رہے تھے کہ مدینہ منورہ پہنچو تو فاتحہ کہو۔ درود پڑھو مگر روضہ پاک کی جالی کو نہ ہاتھ لگاؤ نہ چومو اور کوئی بھی ایسی حرکت غیر شرع نہ کرو ساتھی ان سے یہ مسائل سن کر صرف خوش ہی نہ ہوتے بلکہ توحید پرستی کے پرچار کا شکریہ بھی ادا کرتے کہ ایک عالم باعمل کی مہربانی سے ہم ایسے افعال اور ایسی حرکات سے واقف ہو رہے ہیں جو غیر شرع ہیں مگر ان لوگوں کے تعجب اور فقیر کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب خود ہی مولوی صاحب روضہ اطہر کو دیکھتے ہی والہانہ دوڑے اور روضہ پاک کی جالی کو ہاتھ لگانا تو درکنار زبان سے چاٹنے لگے پھر کیا تھا ساتھی بھی شروع ہو گئے اور وہ جہاز والے سب مسائل نسیاً منسیا کر بیٹھے، تھوڑے عرصہ کے بعد جب مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے باہر نکلے تو فقیر کے ایک دوست نے کہا آپ کی جہاز والی تقریریں کیا ہوئیں تو رو کر فرمانے لگے عشاق یہاں آ کر جو کچھ کرتے ہیں سب جائز ہے فقیر نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے۔

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

بات یہ ہے کہ یہ سارا قصہ اپنے اپنے تعلق پر منحصر ہے خلیفہ وقت نے لیلیٰ کو ایک دن کہا تو تو سیاہ رنگ کی ہے مجنوں تجھ پر کیا دیکھ کر عاشق ہوا ہے لیلیٰ' بولی خاموش رہ تیرے پاس مجھے دیکھنے والی مجنوں کی آنکھ نہیں ہے۔

حضرت شاجہاں رحمتہ اللہ علیہ والئے ہندوستان کے دربار میں ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش ہوا کہ بعض لوگ بغداد شریف کی جانب گیارہ قدم چل کر اور یا شیخ کہہ کر حاجت طلب کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے قبل اس کے کہ کوئی عالم دربار سے جواب دیتا۔ خود بادشاہ ہی فرمانے لگے۔ یہاں جب ہم دہلی سے اجمیر شریف تک پاپیادہ سینکڑوں میل چل کر زیارت کر آتے ہیں تو بغداد کی طرف غوث الاعظم کے لئے چلنا کیوں ممنوع ہوگا۔ سبحان اللہ ہمارے حکمران بھی کیسے پاکیزہ عقیدہ کے مالک تھے۔

الغرض شیخ کے نام کو ارادت مند کیلئے حرز جان بنانا بزرگان عظام کا فرمودہ ایک پرانا فعل اور ساتھ ہی شیخ کے شجرہ سے واقف رہنا ایک لابدی چیز ہے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی بیجا نہ ہوگا کہ شیخ کے نسبی سلسلہ میں جس حد تک صحت اور بلندی ہوگی اسی حد تک اس میں اولیاء اللہ بھی موجود ہوں گے اور جس حد تک اس کی نسب میں اولیاء اللہ ہوں گے اسی حد تک ارادت مند کیلئے اپنا مقام پانے میں زیادہ امداد مل سکے گی۔ فی زمانہ یہ سلسلہ جو اکثر معاندین نے اختیار کر رکھا ہے کہ بغیر کسی درویش کے واسطہ کے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنا نہ کوئی شیخ اور نہ سلسلہ رکھتے ہیں یہ کھلی نفس پرستی اور میدان طریقت میں بے راہروی ہے ایسے لوگوں کی بیعت کو متقدمین حضرات اولیاء کرام نے پسند نہیں فرمایا۔ اسی لئے اس شعر میں حضرت غوث پاک اپنی جد پاک کی بلندی کا اشارہ بھی فرمارہے ہیں کہ جدی صاحب العین الکمال یعنی میرے پہلے بزرگ جن کی میں اولاد سے ہوں صاحب عین الکمال ہیں۔ جس کی جد عین الکمال ھوالود سر لابیہ۔ کے ماتحت اولاد بھی عین الکمال ہی ہونے کی حقدار ہوتی ہے۔ بشرطیکہ یہ ان کی راہ و پناہ سے بھٹک نہ جائے۔

حضور غوث الاعظم کی جد امجد ایک طرف سے نبی الانبیاء شاہ ہر دوسرا۔ مالک حرمین ممتاز کونین مولائے کل فخر رسل۔ ہادی سبل۔ شفیع المذنبین رحمتہ اللعالمین سیاح لامکان سید انس و جان سرور کائنات مختار شش جہات۔ باعث تخلیق آدم۔ رسول مکرم۔ احمد مجتبیٰ معصوم و مصطفیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں تو دوسری جانب سرتاج اولیاء تاجدار اتقیا رحمت کردگار۔ حیدر کرار ممدوح کونین قبلہ حسنین زوج بتول داماد رسول اسد اللہ الغالب مولائے مشکلکشا علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہ ہیں۔ اس مقدس تعلق سے جو دُرِ شاہوار پیدا ہو وہ وجدی صاحب العین الکمال کا نعرہ نہ لگائے تو اور کس کو یہ حق پہنچے گا باقی رہا عین الکمال کا مفہوم سو یہ جب تک عین کے معنی نہ سمجھ میں آئیں تب تک اس کی صحیح بلندی سمجھ میں نہیں آسکتی۔

لفظ عین کے معنی بھی محققین نے اتنے ہی لکھے ہیں جتنے اس کے حرف عین کے اعداد ہیں۔ یعنی ستر کے قریب اس کے معانی ہیں جن میں مشہور ترین یہ ہیں۔ مثلاً عین ایک حرف بھی ہے عین چشمہ، عینک، نہر، آنکھ، زانو، ذات، آفتاب، سونا، نگہبانی، سرداری سب معنوں میں آتا ہے گویا جس ہستی پر یہ چسپاں کیا جائے گا وہ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے مکمل ترین ہستی ہوگی اور پھر جو اس کی فرع ہوگی وہ بھی اپنی اصل کے انوار پر چمکے گی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ حضور غوث الثقلین نے جو ارشاد فرمایا وہ درحقیقت اپنی ہی بلندی کی تعریف کی ہے کیونکہ کلمات غوثیہ میں حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرا ادنیٰ رتبہ یہ ہے کہ اگر آسمان و زمین معدوم ہو جائیں تو اس قادر و قیوم کی قدرت کاملہ سے جو حصہ مجھے ملا ہے اس کا بندہ ہونے کی حیثیت سے ازسرنو پیدا کرسکتا ہوں۔

جب مولا کریم بندے کو یہ رتبہ عنایت فرمائے کہ جو کچھ چاہے اپنے مولا کریم کی قدرت کے ساتھ باطن سے ظاہر میں لائے تو کمال ولایت کی اور انتہا کیا ہوگی لیکن مدارج و کمالات نبوت اس سے وراء الوراء ہیں پھر باوجود اس علوشان کے نبوت تامہ و ولایت کبریٰ کو علم قدرت ارادہ صفات وذات الٰہی سے کہیں بھول کر بھی مماثلت کا دعویٰ نہیں۔

وذالک تقدیر العزیز الحکیم۔

یہاں پر قصیدہ کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی اپنی جد پاک کے تذکرہ پر ختم کرنے میں بھی بعض رموز ہیں ایک تو یہ کہ قصیدہ شریف کے شروع میں ساقی کہہ کر اس سے مراد ذات نبی کریم رکھ کر شروع کیا تھا اور آخر پر بھی حضور ہی کے پاک تذکرہ پر ختم کیا۔

دوئم: یہ کہ جس محبت کی شراب کا ذکر فرمایا گیا ہے اس کے قاسم (تقسیم فرمانے والے) حسب ارشاد حدیث پاک انما انا قاسم والمعطی هو الله. یعنی دیتا سب کو سب کچھ اللہ تعالیٰ ہے مگر تقسیم میں کرتا ہوں حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں تو جس سے یہ انعام پایا اسی کا گیت گایا۔ شعر

نعمتیں بانٹتا جس سمت و ذیشان گیا
ساتھ ہی منشی رحمت کا قلمدان گیا

سوئم: یہ کہ تمام کمالات ولایت کا انتہائی درجہ وہی ذات محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور کسی ولی کا درجہ آں ذات والا صفات صاحب کمالات کے مساوی نہیں اگر کسی پر اس کے برخلاف ظہور ہوا بھی ہو۔ جیسے بعض اولیاء اللہ کے کلمات میں پایا جاتا ہے۔ تو وہ دو صورتوں سے خالی نہ ہوگا یا وہ سکر کی وجہ سے ہوگا یا صحو کی وجہ سے پس سکر میں حوصلہ کی تنگی اور صحو میں آنحضور کے کمالات سے لاعلمی پائی جائے گی اور یہ دونوں چیزیں تنگی اور لاعلمی بلند پایہ عاشقوں اور عالی حوصلہ طالبوں کی متروک ہیں۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ سکر آفت کا محل ہے کیونکہ وہ احوال کی پریشانی اور صحبت کا چلے جانا اور اپنے سررشتہ کا گم کرنا ہے اور طالب کے سب معنوں کا قاعدہ اس کے فنا یا بقا یا محو یا اثبات سے ہوتا ہے اگر طالب صحیح الحال نہ ہو تو تحقیق کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اہل حق کا دل سب موجودات سے تنہا ہونا چاہئے۔ اور حضرت گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سکر لڑکوں کی بازی گاہ ہے اور صحو مردوں کے فنا کی جگہ۔ پھر صحو دو طرح پر ہے ایک صحو غفلت پر۔ دوسرا محبت پر اور جو صحو غفلت پر ہوتا ہے وہ بہت بڑا حجاب ہے اور جو محبت پر ہو وہ امانت دار کشف ہے۔

فقیر کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کلمات محتاج تاویل یا قابل سکوت ہوا کرتے ہیں۔ قائل

کے سکر وصحو کی بناء پر موجب طعن نہیں ہوتے ان کا معاملہ مطلوب حقیقی کے ساتھ ہوتا ہے وہ ان کو قابل مواخذہ سمجھے یا قابل عفو۔

قارئین وناظرین کی رائے کا دخل نہیں ہوسکتا۔ یعنی اگر کوئی مہمل یا مبہم کلمہ خلاف شرع کسی کامل کی زبان سے نکلے تو اس کی تاویل کرنی چاہئے کیونکہ سننے والے اس کی حقیقت تعلق سے واقف نہیں ہوتے۔ اگر تاویل کا یارانہ ہوتو خاموش رہنا چاہئے اور یہی بہتر ہے اور اگر ایسے کلمات کسی ناقص درویش سے سرزد ہوں تو یہ فتنہ ہوگا اس کا علاج حدیث شریف میں یہ ہے کہ ہر برائی کو ہاتھ سے اور منہ سے روکو اور اگر طاقت نہ رکھتے ہوتو خاموش رہو۔ مگر یہ ضعیف ایمان کا نشان ہوگا بہرحال اس سے دور رہنا اچھا ہے۔

چہارم: اس بابرکت ذات اور محبوب جد کے تذکرہ پر ختم کرنے کا ایک حقیقی فائدہ یہ بھی ہے کہ جو کوئی اس کو پورے عقیدہ سے دل میں جگہ دیکر پڑھے گا۔ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمتہ اللعالمینی کے صدقہ میں ناقص سے کامل ہوجائے گا۔ بشرطیکہ عشق کی شراب پی کر شرع محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قائم رہے اور پاس انفاس کے راگ کا مضراب ہر رگ کی تار پر چلائے تاکہ مختلف آوازوں سے بہرہ ور ہوکر سرمدی سر سے اپنے کانوں کو کامیاب بنائے۔ وباللہ التوفیق۔

(تمام شد)

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

فتوح الغیب

کی فارسی شرح

از: سند المحدثین امام المحققین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

تصوّف و معرفت پر حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی شاہکار تصنیف

"مظہر الاریب" کا اُردو ترجمہ

از: حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

طریقت و روحانیت پر سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے 78 مواعظ عالیہ کا

بے مثال مجموعہ

جس میں

- قضا و قدر، فنا و بقاء اور زہد و تقویٰ پر محققانہ گفتگو۔
- سلوک و تصوّف، طریقت و روحانیت کو قرآن و سُنّت کے دلائل کے ساتھ بیان۔
- صبر اور رضا کی حقیقت، مومن کی آزمائش، قناعت، خشوع و خضوع کے احوال کا بیان
- مُجاہدہ اور ریاضت، صفائے قلب و باطن کے طریقے۔
- فقیری کی حقیقت، نظر کی حفاظت، حسد، غُصّہ، حصول مال اور اتباعِ خواہش سے
- پرہیز پر بیان۔
- صدق و اخلاص، ورع، صبر، رضا اور شکر کا بیان، نفس اور خواہشِ نفس کی مخالفت۔
- دُعا اور آدابِ دُعا، طلب کی حقیقت اور توبہ کا بیان
- اولیاء اللہ کی علامات، سالک کے فرائض اور سالک کے لئے بہت سی ہدایات کا بیان۔

متلاشیانِ حق کے لئے گراں قدر تحفہ